بسم اللہ الرحمن الرحیم — رسالہ — نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

تاثراتِ قادیان

زیر ہدایت

حضرت مولوی عبد المغنی خاں صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ

ملک فضل حسین رضؓ

نے

تالیف کر کے

افادہ عام کے لئے شائع کیا

دسمبر ۱۹۳۸ء

بار اول — تعداد طبع ۱۵۰۰

مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام بابو محمد نذیر مینیجر چھپوا کر ملک فضل حسین پبلشر نے قادیان سے شائع کیا۔

آؤ! لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے
لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تاثراتِ قادیان

مسلمانوں کی حالت زار

"آج ہر طرف چیخ و پکار بپا ہے کہ مسلمان مسلمان نہیں رہے۔ ان کے اخلاق بگڑ گئے۔ ان کی ترقی و اقبال کا ستارہ غروب ہو گیا۔ ان کی داستان ترقی ایک خواب پریشان بنکر رہ گئی۔ ان سے دولت و حکومت نے کنارہ کر لیا۔ اور ہر طرح ذلیل و خوار ہو گئے۔ ان سے دینی و دنیاوی کامرانی چھین لی گئی۔ وہ اپنی اس تباہی و بربادی کا رونا تو روتے ہیں مگر اس کے اسباب اور حقیقی علاج کا پتہ نہیں لگاتے کسی قوم کا اوج کمال سے قعر مذلت میں جا گرنا چنداں تاسف انگیز اور حسرت خیز نہیں۔ کیونکہ دنیا کا عروج و کمال اور دولت و حکومت ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ تلک الایام نداولہا بین الناس .... البتہ اگر کوئی چیز قابل تاسف ہے تو یہ کہ وہ گرنے کے بعد اٹھنے اور سنبھلنے کی قابلیت کھو بیٹھے۔ اور انکی اصلاح و ترقی کا کوئی مجرب، یقینی، متحدہ اور جامع پروگرام نہیں۔ اگر زیادہ نہیں صرف سر سید مرحوم کے زمانہ سے مسلمانوں کی جد و جہد کو لیا جائے۔ تو نظر آئیگا کہ ہزاروں قسم کی جدّ و جہد مسلمانوں کے ترقی پذیر ہونے کی کی گئیں۔ مگر ناکام بنکر رہ گئیں۔ بیشمار انجمنیں قائم ہوئیں اور مٹ گئیں۔ اور لاتعداد تجویزیں اور

پروگرام مرتب ہوئے مگر کیڑوں کی غذا بن گئے۔ اور بے گنتی تحریکیں شروع ہوئیں اور ختم ہوگئیں۔ مگر مسلمان جہاں تھے وہیں کے وہیں رہے۔ اسکول و کالج کی پروفیسری، کونسلوں کی ممبری اور انگریزوں و ہندوؤں کی چاپلوسی سے کچھ نہ ملا۔ نہ بی، اے اور ایم، اے ہوانے سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اور نہ عربی دانی، یتیم خانوں اور مدرسوں سے مسلمانوں کی مصیبت کا خاتمہ ہوا۔ اور کون نہیں جانتا کہ ہمارے درد کی دوا نہ کانگرس کے پاس ہے۔ اور نہ مسلم کانفرنس کے پاس۔ اور ہماری اصلاح و ترقی نہ مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس سے ہوئی اور نہ جمیعۃ العلماء سے۔ بلکہ مسلمان روز بروز اسلام سے دور سے دور تر ہوتے چلے گئے۔"

(رسالہ مولوی دہلی رجب ۱۳۵۱ھ)

ایک غیر احمدی عالم کے مندرجہ بالا بیان میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ حقائق ہیں اور ناقابل تردید حقائق ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس مصیبت کا علاج کیا ہے اور کس طرح اس حالت سے رہائی مل سکتی ہے۔ سو اس کے متعلق بھی ہم مسلمانوں کے ایک دوسرے موقر اخبار "الامان" دہلی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں۔ اور اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہی صحیح، درست اور مسلمانوں کے درد کا اصل علاج ہے:-

ناکامی کا صحیح علاج

"مرکز بہت ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور اس کے فقدان نے فرزندان توحید کو تباہ و ویران کر رکھا ہے۔ بجلی اپنے مرکز سے تمام شہر کو بقعۂ نور بنا دیتی ہے۔ اگر مسلمانوں میں بھی کوئی مرکزی اقتدار و شان رکھنے والا راہنما پیدا ہو جائے جس کی آواز پر لوگ لبیک کہیں۔ اور دیوانہ وار اس کی طرف دوڑنے لگیں۔ تو سمجھ لیجئے کہ ہمارے نوّے فیصدی مصائب کا

اسی دن خاتمہ ہو جائے گا۔ مسلمان تو اس وقت ایک بے سردار کی فوج ہیں۔ اور جو سردار ہیں۔ انہیں باہمی سب وشتم ہی سے فرصت نہیں۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے ایک مقتدر راہنما کی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی با اثر راہنما پیدا نہ ہوگا۔ اسوقت تک ہمارا انتشار و زوال کبھی دور نہیں ہو سکتا۔"

(الامان دہلی ۱۲ر اگست ۱۹۳۰ء)

خدا نے معالج بھیجدیا

مندرجہ بالا الفاظ جس حقیقت کو مسلمانوں کے پیش نظر کر رہے ہیں وہ واقع میں اس قابل ہیں کہ ہر وہ مسلمان جسکے اندر اسلام کا درد اور ملت کی محبت جاگزیں ہے۔ اور وہ اسلام اور اہل اسلام کیلئے پھر پہلے کا سا عروج و کمال دیکھنے کا متمنی ہے۔ اسپر صاد کریگا۔ اور اسے تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ "واقعی جب تک مسلمان ایک مرکز پر جمع نہ ہوں گے۔ اور ایک مقتدر راہنما کی پوری پوری پیروی نہ کریں گے۔ اس وقت تک تباہی سے بچ نہیں سکتے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مسلمانوں کے لئے راہنما کا پیدا کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اس راہنما کو قبول کرنا اور اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرنا مسلمانوں کے ذمہ ہے اس وقت جبکہ مسلمانوں کی حالت زار اس بات کی متقاضی ہے۔ کہ اُن کے لئے ایک راہنما پیدا ہو۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی راہنما پیدا نہ ہوتا۔ تو کہا جا سکتا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب اور پیارے نبی ؐ کی اُمت کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا۔ اور وہ وعدہ بھی پورا نہ کیا جو اُس کے رسول ؐ نے اپنی اُمت سے کیا تھا۔ کہ جب اس کی حالت قابل اصلاح ہو جائے گی۔ تو اُس وقت خدا تعالیٰ اپنی طرف سے مصلح پیدا کیا کرے گا۔ لیکن یہ تو ہو سکتا ہے۔ کہ زمین و آسمان ٹل جائیں۔ چاند و سورج تاریک ہو جائیں۔ لیکن یہ ممکن نہیں۔ کہ خدا کے وعدے اور اس کے محبوب ؐ کی بشارتیں پوری نہ ہوں۔ چنانچہ یہ وعدہ بھی پورا ہو نا رہا۔ اور اس زمانہ میں چونکہ مسلمانوں کی حالت

ازمنۂ گذشتہ کی نسبت بہت زیادہ قابل اصلاح اور لائق امداد ہو چکی تھی۔ اس لئے اس وقت یہ وعدہ بڑی شان کے ساتھ پورا ہوا۔ اور خدا تعالیٰ نے ایسا راہنما مبعوث فرمایا جو بہت بلند شان رکھتا ہے۔ پس اب جبکہ خدا تعالیٰ مسلمانوں کیلئے ایک راہنما پیدا کر چکا۔ جو کہ مسیح موعود ہے۔ مہدی معہود ہے تو اب مسلمانوں پر بھی فرض ہے۔ اس کی طرف دوڑیں۔ اور اس کی اطاعت کا جُوا اپنی گردنوں پر رکھیں۔ اور اس کے احکام کی تعمیل کر کے کامیابی حاصل کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ ان کی نکبت و ادبار دُور ہوتا ہے یا نہیں؟ وہ ذلت و مسکنت کے گڑھے سے نکلتے ہیں یا نہیں؟ وہ عزت و وقار حاصل کرتے ہیں یا نہیں؟ لیکن اگر ایک طرف تو مسلمان خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے راہنما کا انکار کریں۔ اور باوجود راہنمائی کی ضرورت کا کھلا کھلا اعتراف کرنے کے انکار کریں۔ اور دُوسری طرف یہ چاہیں۔ کہ انہیں کوئی ایسا راہنما بھی مل جائے۔ جو اُن کے نوّے فیصدی مصائب کا فوراً خاتمہ کر دے۔ تو یہ خیال است و محال است و جنون سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور اس صورت میں ناممکن ہے کہ قیامت تک انہیں کوئی راہنما مل سکے۔ خدا تعالیٰ کی معمولی سی نعمت کی قدر نہ کرنا اور اُس سے مستفیض نہ ہونا بھی بہت بڑے وبال میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے انعام پانے سے محروم کر دیتا ہے۔ تو کجا اس انسان کا انکار جسے خدا تعالیٰ نے ثریا پر اُٹھایا ہوا ایمان واپس لاکر لوگوں کو عطا کرنے کے لئے بھیجا۔ جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کی ذلت اور ادبار کا علاج رکھا۔ جسے انکا تفرقہ و انشقاق دُور کرنے کے لئے، ایک مرکز پر جمع کرنے کے لئے مبعوث کیا۔

نکبت و ادبار دُور کرنے کا طریق۔

اتنی بڑی نعمت اور اتنے بڑے فضل کا کفران کرنیوالوں کا یہ اُمید رکھنا کہ خدا تعالیٰ ان کی ترقی اور خوشحالی کا کوئی اور سامان کریگا۔ اُن کے مصائب و آلام دُور کرنے کیلئے ان سے مشورہ لینے کے بعد ان کی رائے کے مطابق کوئی راہنما بھیجیگا۔ سراسر ناواجب

ہے۔ اور اس کا پُورا ہونا قطعاً محال ہے۔ کیونکہ دُنیا اسی قسم کی محرومی کا نظّارہ ایک دفعہ پہلے دیکھ چکی ہے۔ بلکہ دیدہ وروں کی عبرت کے لیئے وہ نظّارہ اب بھی موجود ہے حضرت موسیٰؑ کی اُمّت کو اِسی طرح ایک موعود کے آنے کا وعدہ دیا گیا تھا جس طرح رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّت کو دیا گیا تھا۔ مگر جب وہ موعود آیا۔ تو اکثر لوگ اُس کی اطاعت سے محروم رہ گئے اور وہ کسی اور کی راہ تکنے لگے۔ اور آجتک وہ اسی انتظار میں رو رو کر دُعائیں کر رہے ہیں۔ اور ناک رگڑ رہے ہیں۔ اور بیحد اضطراب اور بیتابی ظاہر کر رہے ہیں۔ لیکن جس کے منتظر ہیں اُس کا پتہ تک نہیں۔ پھر یہ لوگ نہ صرف اُمّت موسویؑ کے موعود کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ بلکہ رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی شناخت نہ کر سکے۔ اور اب بھی جو لوگ اُمّت محمّدیّہ کے موعود کو چھوڑ کر کسی اور کا انتظار کر رہے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان کا انتظار کبھی ختم ہو۔ اور انہیں کوئی راہ نما مل سکے۔"

پس اگر مُسلمان اپنی اصلاح اور ترقی چاہتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کریں۔ ہاں اسی مسیح موعودؑ کو قبول کریں جو عین وقت پر آیا۔ جو الٰہی وعدوں کے مطابق آیا۔ اور جس نے کہ قادیان میں آکر اسلام کے لیئے ایک ایسا مرکز قائم کیا جو خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے دُنیا کی ہدایت وراہنمائی کا باعث ہو رہا ہے۔ ہاں اُس موعودؑ کو قبول کریں۔ کہ جس نے مایوس، افسردہ، اور پریشان مسلمانوں سے بایں الفاظ خطاب کیا اور بشارت دی کہ:۔

مایوس مسلمانوں کو بشارت

"اے دانشمندو! اس سے تعجب مت کرو۔ کہ خدا تعالیٰ نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحت عام کے لیئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام واشاعت نُور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کیلئے اور نیز اُن کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دُنیا میں بھیجا۔ تعجّب تو اس بات میں ہوتا کہ

وہ خدا جو حامیٔ دینِ اسلام ہے۔ جس نے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ تعلیمِ قرآنی کا نگہبان رہوں گا۔ اور اسے سرد اور بے رونق اور بے نُور ہونے نہیں دُوں گا۔ وہ اس تاریکی کو دیکھکر اور ان اندرُونی اور بیرونی فسادوں پر نظر ڈال کر چُپ رہتا اور اپنے اُس وعدہ کو یاد نہ کرتا جس کو اپنے کلام میں مؤکّد طور پر بیان کر چکا تھا۔ پھر مَیں کہتا ہُوں کہ اگر تعجب کی جگہ تھی تو یہ تھی کہ اُس پاک رسُولؐ کی یہ صاف اور کُھلی کُھلی پیشگوئی خطا جاتی۔ جس میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدائیتعالیٰ ایک ایسے بندہ کو پیدا کرتا رہیگا۔ جو اسکے دین کی تجدید کرے گا۔ سو یہ تعجب کا مقام نہیں۔ بلکہ ہزار در ہزار شکر کا مقام اور ایمان اور یقین بڑھانے کا وقت ہے کہ خُدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے وعدہ کو پُورا کیا۔ اور اپنے رسُولؐ کی پیشگوئی میں ایک منٹ کا بھی فرق پڑنے نہیں دیا۔ اور نہ صرف اس پیشگوئی کو پُورا کر کے دکھلایا۔ بلکہ آیندہ کے لئے بھی ہزاروں پیشگوئیوں اور خوارق کا دروازہ کھول دیا۔ اگر تم ایماندار ہو تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجالاؤ۔ کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گذر گئے۔ اور بیشمار رُوحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں، وہ وقت تم نے پالیا۔ اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا، اور اس سے فائدہ اُٹھانا یا نہ اُٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ مَیں اس کو بار بار بیان کروں گا۔ اور اسکے اظہار سے مَیں رُک نہیں سکتا کہ مَیں وہی ہوں جو وقت پر اصلاحِ خلق کے لئے بھیجا گیا تا دین کو تازہ طور پر دِلوں میں قائم کر دیا جائے۔" (رسالہ فتح اسلام)

اور جس نے کہ اپنے من جانب اللہ ہونے کے متعلق قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا کہ آپؑ وہی موعود ہیں جنکا وعدہ دیا گیا تھا جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے ظاہر ہے:۔

مؤکّد بہ حلف دعویٰ

"میں اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ اُس نے ابراہیمؑ سے مکالمہ مخاطبہ کیا۔ اور پھر اسحٰقؑ اور اسمٰعیلؑ سے اور یعقوبؑ سے اور یُوسفؑ سے اور موسیٰؑ

سے اور مسیح ابن مریمؑ سے اور سب کے بعد ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
ایسا ہمکلام ہوا کہ آپؐ پر سب سے زیادہ روشن اور پاک وحی نازل کی۔ ایسا ہی اُس نے
مجھے بھی اپنے مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بخشا۔ مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا۔ اگر میں آنحضرت صلعم کی اُمت نہ ہوتا۔ اور
آپؐ کی پیروی نہ کرتا۔ تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے۔ تو پھر
بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ و مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔ اور یہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ جو مجھ سے
ہوتا ہے یقینی ہے۔ اگر میں ایک دم کے لئے بھی اس میں شک کروں تو کافر ہو جاؤں
اور میری آخرت تباہ ہو جائے۔ وہ کلام جو میرے پر نازل ہوتا ہے یقینی اور قطعی ہے۔
اور جیسا کہ آفتاب اور اسکی روشنی کو دیکھ کر کوئی شک نہیں کر سکتا کہ یہ آفتاب اور یہ
اس کی روشنی ہے۔ ایسا ہی میں اس کلام میں بھی شک نہیں کر سکتا۔ جو خدا تعالےٰ
کی طرف سے میرے پر نازل ہوتا ہے۔ اور میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں۔
جیسا کہ خدا کی کتاب پر۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

صرف اسی پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اپنے دعویٰ کو منہاج نبوت پر پرکھ کر بھی
دکھا دیا کہ آپؐ واقعی صادق اور راستباز ہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام کی تصانیف
و اشتہارات سے عیاں ہے۔

مگر آہ! کس قدر دلخراش حقیقت ہے کہ آنکھ کے اندھوں نے دلائل پر دلائل
سُنے، نشان پر نشان دیکھے مگر قبول نہ کیا۔ حضور علیہ السلام کی صداقت پر آسمان نے
گواہی دی۔ زمین نے گواہی دی۔ وقت نے گواہی دی۔ فرشتوں نے گواہی دی۔
انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی پیشگوئیوں نے پورا ہو کر آپؐ کی حقانیت پر گواہی
دی۔ مگر افسوس کہ قسمت کے ہیٹوں پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے ان غالی،
اور حد سے بڑھے ہوئے مخالفین کو جو کہ اپنی کساد بازاری کے خدشہ سے عوام کو

حضورؑ سے متنفر و بیزار کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ یہ بھی کہا اور پورے زور کے ساتھ کہا کہ :۔

مخالفین کو دعوتِ فیصلہ

"اگر مجھے آپ لوگ کاذب سمجھتے ہیں تو آپکو یہ بھی تو اختیار ہے کہ مساجد میں اکٹھے ہو کر یا الگ الگ میرے پر بد دعائیں کریں اور رو رو کر میرا استیصال چاہیں۔ پھر اگر میں کاذب ہوں گا۔ تو ضرور وہ دعائیں قبول ہو جائیں گی۔ اور آپ لوگ ہمیشہ دعائیں کرتے بھی ہیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ اگر آپ اسقدر دعائیں کریں کہ زبانوں میں زخم پڑ جائیں اور اس قدر رو رو کر سجدوں میں گریں کہ ناک گھس جائیں اور آنسوؤں سے آنکھوں کے حلقے گل جائیں اور پلکیں جھڑ جائیں۔ اور کثرت گریہ وزاری سے بینائی کم ہو جائے۔ اور آخر دماغ خالی ہو کر مرگی پڑنے لگے یا مالیخولیا ہو جائے۔ تب بھی وہ دعائیں سُنی نہیں جائیں گی۔ کیونکہ میں خدا سے آیا ہوں۔ جو شخص میرے پر بد دعا کرے گا۔ وہ بد دعا اُسی پر پڑے گی۔ جو شخص میری نسبت یہ کہتا کہ اُس پر لعنت ہو۔ وہ لعنت اُس کے دل پر پڑتی ہے۔ مگر اس کو خبر نہیں۔ اور جو شخص میرے ساتھ اپنی کشتی قرار دیکر یہ دعائیں کرتا ہے کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے۔ وہ پہلے مرے۔ اُس کا نتیجہ وہی ہے جو مولوی غلام دستگیر قصوری نے دیکھ لیا۔

...... میری رُوح میں وہی سچائی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ مجھے خدا سے ابراہیمی نسبت ہے۔ کوئی میرے بھید کو نہیں جانتا مگر میرا خدا۔ مخالف لوگ عبث اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ میں وہ پودا نہیں ہوں کہ اُن کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور پچھلے، اور ان کے زندے اور مردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لئے دُعائیں کریں تو میرا خدا ان تمام دُعاؤں کو لعنت کی شکل پر بنا کر اُن کے مُنہ پر مارے گا۔

دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت میں ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے۔ اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچکر اس طرف لا رہے ہیں۔ اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے۔ بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ تمام مکر و فریب جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے ہیں وہ سب کرو۔ اور کوئی تدبیر اٹھا نہ رکھو۔ ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بد دعائیں کرو۔ کہ موت تک پہنچ جاؤ۔ پھر دیکھو کیا بگاڑ سکتے ہو۔ (اربعین)

مخالفوں کی بد دعائیں بے اثر رہیں۔

اس پر مخالفین نے حضورؑ اور حضورؑ کے خدام کی تباہی و بربادی کے لئے رو رو کر دعائیں کیں۔ خدا سے آپؑ کی ہلاکت، تباہی اور بربادی بھی چاہی۔ مگر اُس خدا نے جو کہ اپنے مسیحؑ کا حامی و ناصر تھا۔ مخالفین کی لعنتیں اور مخالفین کی بد دعائیں انہی پر انڈیل دیں اور وہ لوگ جو حضورؑ کی ناکامی و نامرادی کے دل سے متمنی تھے خود ہی ناکام، نامراد اور شرمندہ و ذلیل ہو کر رہ گئے۔ اور یہ دلیل ہے حضورؑ کے منجانب اللہ ہونے کی۔ صادق اور راستباز ہونے کی۔ اگر وہ لوگ جو حضورؑ کے دعویٰ کے متعلق متردد ہیں۔ اس واقعہ کو گہری نظر سے دیکھیں۔ تو انہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ اول تو ایک مفتری اور جھوٹا اپنے مخالفین کو ایسا مشورہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی تباہی و بربادی کیلئے رو رو کر اور ناک رگڑ رگڑ بد دعائیں کریں۔ دوم وہ اتنے یقین اور وثوق کے ساتھ یہ تحدی کر ہی نہیں سکتا کہ تم ہر ایک مکر اور ہر ایک فریب اور ہر قسم کے حیلے میری ناکامی کے لئے کام میں لا کر دیکھ لو۔ تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ ایسی تحدی وہی کر سکتا ہے۔ جو اپنی راستبازی پر یقین کامل رکھتا ہو۔ اور جو سمجھتا ہو کہ مجھے خدا نے ہی مامور کر کے بھیجا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ حضور علیہ السلام نے ان لوگوں کے اطمینان کی خاطر خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے خود بھی یہ کہا۔ اور بڑے سوز و گداز کے ساتھ کہا کہ :۔

فیصلہ کن دُعاء

اَے قدیر و خالقِ ارض و سماء | اَے رحیم و مہربان و راہنماء

اے میرے قادر زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے | اے میرے رحیم اور ہادی آقا

اے کہ میداری تو بر دِلہا نظر | اے کہ از تو نیست چیزے مستتر

اے دلوں کے بھید جاننے والے | کہ جس پر کوئی بات بھی مخفی نہیں

گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر | گر تو دیدا ستی کہ ہستم بد گوہر

اگر تو مجھے شرارت اور فسق سے بھرا ہوا پاتا ہے | اور دیکھتا ہے کہ میں بدطینت انسان ہوں

پارہ پارہ کُن منِ بدکار را | شاد کُن ایں زُمرۂ اغیار را

تو تو مجھ بدکار کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے | اور میرے دشمنوں کو خوشی و شادمانی بخش

بر دلِ شاں ابرِ رحمتہا بِبار | ہر مُرادِ شاں بفضلِ خود بر آر

اور اُن پر اپنی رحمت کے بادل برسا | اور اپنے فضل سے اُن کی ہر مُراد پوری کر

آتش افشاں بر در و دیوارِ مَن | دُشمنم باش و تباہ کُن کارِ مَن

اور جیساکہ دشمن کہتے ہیں میں ویسا ہوں تو پھر میرے در و دیوار پر آگ برسا اور خود میرا دشمن بنکر میرے کاروبار کو تباہ و برباد کر دے

مگر وا حسرتا! سیہ بخت انسان پھر بھی کچھ نہ سمجھے حالانکہ حقیقت بین اگر سوچیں تو انہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ کوئی جھوٹا اور مفتری اس قسم کے کلمات منہ سے نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کسی کاذب کی زبان پر اس قسم کی بات آ سکتی ہی نہیں۔ اس قسم کی ہیبت ناک اور دل پر لرزہ طاری کر دینے والی دُعاء وُہی کر سکتا ہے جو صادق ہو۔ راستباز ہو۔ اور سمجھتا ہو کہ میں خدا کا ہوں اور وُہی میرا حامی و ناصر ہے۔ حق کے طالب

کوئی کاذب اِس طرح کی دُعا نہیں کر سکتا۔

اور سچائی کے متمنی اگر حضور علیہ السلام کی اس دُعا کو ہی سامنے رکھکر غور کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کی دُعا کرنے والا ہرگز ہرگز جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور جب وہ یہ دیکھیں کہ اس دُعاء کے بعد مخالف ناکام، نامراد، خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔ اور دُعا کرنے والا دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتا چلا گیا۔ اور اس کے وصال کے بعد بھی اس کا لگایا ہوا پودا پھولتا پھلتا اور پھیلتا ہوا دُنیا کے کناروں تک اپنی جھلک پہنچانے کے قابل ہو گیا ہے تو انہیں آپ کی صداقت پر

خدا کسی مفتری کا معاون نہیں ہو سکتا

یقینِ کامل حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ ہرگز ہرگز کسی مفتری کی مدد اور اعانت نہیں کیا کرتا۔ وہ کسی جھوٹے اور کاذب کو اپنے افضال و انعامات کا مورد نہیں بنایا کرتا وُہ تو اُسی کو بشارتیں سُناتا اور انہیں پُورا کرتا ہے۔ جو اُسکے مقرب اور پیارے ہوں۔ اور اُسی کے ہاتھوں پاک کئے گئے ہوں۔ مقامِ غور ہے کہ کیا ایک مفتری

گمنامی کی حالت میں اپنی اور اپنی جماعت کے متعلق پیشگوئیاں

انسان جسکا حقیقت میں خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہ ہو وہ اپنی گمنامی اور بے کسی کی حالت میں کہہ سکتا ہے کہ خدا میرا نام عزت کیساتھ دُنیا کے کناروں تک پہنچائیگا؟ اور وہ بات اپنے وقت پر پُوری بھی ہو جائے۔ کیا کوئی دنیادار اور خدا تعالیٰ سے بے تعلق، اپنے مفتریانہ کاروبار کی ابتداء میں یہ کہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بشارت دی ہے کہ تیری بستی جو اپنے ضلع میں بھی معمولی اور بے حقیقت گاؤں کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ وقت آنے پر مرجع خلائق بنجائے گی۔ اور لوگ دُور دُور سے اس میں آئیں گے۔ اور اس کثرت سے آئیں گے کہ راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ کیا کوئی نفس کا بندہ دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے والا۔ جس کا خدا سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو اپنے گمنام گاؤں کی رفعت و بزرگی کے متعلق، اپنی جماعت کی ترقی و اتعالی کے متعلق

اپنے لگائے ہوئے پودے کی سرسبزی و شادابی کے متعلق کوئی دعویٰ کر سکتا ہے؟
اور یہ ممکن ہے کہ وقت پر وہ ساری باتیں حرف بحرف پوری ہوں؟ اور مخالفین کی
شدید ترین مخالفت کے ہوتے ہوئے بھی پوری ہوں۔ جیسا کہ حضورؑ کی مندرجہ
ذیل پیشگوئیوں سے ظاہر ہے جو براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۱ء میں شائع ہو چکی ہیں :۔

(۱) فحان ان تعان وتعرف بین الناس۔ یعنی وقت آ رہا ہے جب
لوگ تیری مدد کیلئے تیار کئے جائیں گے۔ اور تجھ کو دنیا میں مشہور کیا جائے گا۔

(۲) انت وجیہٌ فی حضرتی اخترتك لنفسی وانی
جاعلك للناس اماما۔ تو میرے حضور عزت رکھتا ہے۔ میں نے تجھے
اپنے لئے چن لیا۔ میں بہت سے لوگ تیرے تابع کرونگا اور تو ان کا راہنما بنایا جائیگا۔

(۳) الا ان نصر اللہ قریب۔ یأتیك من كل فج عمیق۔ یأتون
من كل فج عمیق۔ ینصرك اللہ من عندہ ینصرك رجالٌ
نوحی الیھم من السماء۔ لا مبدل لکلمات اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ
کی نصرت قریب ہے۔ دور دراز اور عمیق راہوں سے تجھے مالی مدد پہنچے گی اور
لوگ تیری خدمت میں دور دور کی راہوں سے آئیں گے۔ خدا تجھے اپنے پاس
سے نصرت دیگا۔ تیری مدد کے لئے وہ لوگ کھڑے کئے جائینگے جن کی طرف
آسمان سے ہم الہام نازل کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

(۴) واتل علیھم ما اوحی الیك ربك ولا تصعر لخلق اللہ
ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفہ وما ادراك ما اصحاب
الصفہ۔ تری اعینھم تفیض من الدمع یصلون علیك۔
لوگوں کو وہ وحی سنا جو تیرے ربّ نے تیری طرف نازل کی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے
ترش روئی سے پیش نہ آنا۔ اور ان کی کثرت اور انبوہ اور فوج در فوج آنے سے

تھک نہ جانا۔ کچھ لوگ اصحاب الصفہ ہوں گے تجھے کیا معلوم کہ اصحاب الصفہ کیا چیز ہیں۔ تو دیکھے گا کہ اُنکے آنسو جاری ہونگے اور وہ تجھ پر درود بھیجیں گے ؛

(۵) ویقولون ان ھٰذا الا اختلاق قل اللّٰہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلّہٖ یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ واللّٰہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون۔ وان لم یعصمک الناس یعصمک اللّٰہ من عندہٖ۔

یعنی لوگ کہیں گے کہ یہ محض بناوٹ ہے۔ اُنہیں کہدے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کاروبار ہے۔ پھر انہیں ان کے لہو ولعب میں چھوڑ دے۔ خدا وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اسے تمام ادیان باطلہ پر غالب کرے۔ یہ لوگ ارادہ کریں گے کہ جس نور کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے اسکو بجھا دیں۔ مگر خدا اِس نور کو پورا کریگا۔ اگرچہ منکروں کو تکلیف ہو۔ خدا تجھے لوگوں کے حملوں سے محفوظ رکھے گا۔ اگرچہ لوگ تجھے نہ بچائیں ؛

یہ خدا تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو ۱۸۸۱/۸۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اور اُس وقت نازل ہوا۔ جب آپؑ اکیلے تھے۔ کوئی جماعت آپؑ کیساتھ نہ تھی کسی ملک یا شہر میں آپؑ کی شہرت نہ تھی۔ آپؑ دُنیا سے الگ تھلگ ایک گوشۂ گمنامی میں رہتے اور طبعاً ہر قسم کی شہرت سے متنفر تھے۔ (جیساکہ آگے چل کر مختلف شہادتوں سے معلوم ہوگا) ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام اُترتا ہے اور وہ بتاتا ہے کہ اگرچہ اس وقت تو اکیلا ہے۔ مگر عنقریب ایسا زمانہ آنیوالا ہے۔ جب لوگ تیری مدد کے لئے تیار کئے جائیں گے۔ تو لوگوں میں مشہور کیا جائیگا۔ اور تو ان کا امام بنیگا۔ لوگ دُور دُور کے علاقوں سے تیرے پاس آئینگے۔ اور عمیق راہوں سے تجھے مالی امداد ملے گی۔۔ وہ وقت قریب ہے جب کثرت سے

لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ یہ تو ماننے والوں کا حال ہے۔ تیرے مخالف بھی ہوں گے۔ سخت مخالفت کریں گے۔ مگر خدا ایسے سامان پیدا کریگا۔ کہ وہ اپنی تدبیروں میں ناکام رہیں گے۔ اور روز بروز تجھے ترقی ہوتی چلی جائے گی ؛

الٰہی وعدوں کا ظہور

چنانچہ دیکھ لیجئے۔ اس وحی الٰہی کے نزول کے بعد جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ ماموریت کیا۔ تو دُور دراز کے علاقوں کے لوگ ایک ایسے گاؤں میں آنے لگے جس میں ظاہری زیب و زینت اور دلکشی کے لحاظ سے کوئی دلچسپی کا سامان نہ تھا۔ مخالفین نے آپ کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ کفر کے فتوے شائع کئے۔ لوگوں میں آپ کے متعلق نفرت وعداوت پیدا کرنے کے لئے بڑے بڑے پوسٹر، لمبے لمبے اشتہار اور ضخیم کتابیں شائع کیں۔ مگر ہوا کیا؟ کیا مخالف کامیاب ہو گئے؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ بہت بُری طرح اپنے اس مقصد میں ناکام رہے۔ اِس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مسیح و مہدی کو دُنیا میں کامیابی عطا کی۔ اور آج وہ دن ہے کہ لاکھوں خدام آپؑ کے حلقۂ بیعت میں شامل ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ تائید و نصرت بتاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے دعویٰ میں صادق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی ویسی ہی تائید کی جیسی وہ اپنے رسولوں کی کیا کرتا ہے ؏

پس سوچئے۔ کیا کوئی دغاباز اور خدا تعالیٰ سے دُور اپنی اور اپنے مشن کی کامیابی اور اپنے دشمنوں کی ناکامی و نامرادی کے متعلق پورے یقین اور تحدّی کے ساتھ کوئی پیشگوئی کر سکتا ہے؟ اور کیا وہ اپنے وقت پر پوری ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہونا محال اور ناممکن ہے تو پھر کیا بات ہے۔ کہ جو باتیں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے گاؤں کے متعلق۔ اپنی جماعت کے متعلق۔ اور اپنے مشن کے متعلق قبل از وقت بتلائیں (ہاں ایسے

وقت بتلائیں جبکہ ان کو سنکر ہرایک ہنس دیا) اور وہ وقت پر اپنی پُوری شان اور آب و تاب کے ساتھ پُوری ہوگئیں۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آپؑ وُہ موعود نہیں تھے جس کے آنے کی بشارت انبیائے کرام اور صلحائے اسلام نے دی تھی اور فرمایا تھا۔ کہ آخری زمانہ میں جبکہ اسلام کا ہرا بھرا چمن مرجھا جائے گا تو اس کو دوبارہ سرسبز و شاداب بنانے کے لئے خدائیتعالیٰ قریہ قدعہ (قادیان) میں مسیح کا نام دیکر ایک مردِ جری کو مبعوث فرمائے گا۔ تاکہ وہ اس جگہ ایک ایسا مرکز قائم کرے جو مرجع خلائق ہو۔ قدوسیوں کی بستی ہو۔ اسلام کے شیدائیوں کا مسکن اور ملت خیرالانام کے فدائیوں کا مامن ہو۔ جہاں سے نُور کی شعاعیں نکلیں اور اکناف عالم کو منور کردیں۔ جہاں سے وہ چشمے پھوٹیں جو ساری دنیا کو سیراب کردیں۔ اور جہاں سے ایسی ہوائیں چلیں کہ جو مسلمانوں کے نکبت و ادبار کو خس و خاشاک کی طرح اڑا لیجائیں۔ اور اُنکے پژمردہ دلوں کو از سر نو تازہ اور شگفتہ بنادیں۔ اور اُن کے اندر ایک نئی زندگی اور نئی رُوح پھونک دیں۔ ہمارے نزدیک تو مسلمانوں کو چاہئیے۔ کہ وہ اس موعود کی آمد پر مسرّت کا اظہار کریں۔ خوشی کے شادیانے بجائیں۔ کیونکہ خداتعالیٰ نے اُن پر ایسا فضل کیا ہے۔ کہ جو اور کسی قوم پر نہیں ہوا۔ اور اُن پر ایسی نعمت نازل کی ہے۔ کہ جس سے دُوسری قومیں محروم ہیں۔ اور ایسا لطف و احسان فرمایا ہے۔ کہ جو اور کسی کے نصیب میں نہ تھا۔ بیشک خوش قسمت تھے وے جنہوں نے آپؑ کا زمانہ پایا۔ بلند بخت تھے وے جو آپؑ کی زیارت سے سرفراز ہوئے۔ طالعمند تھے وے قُدسی۔ جو آپکو پہچان سکے۔ اور برضا و رغبت اپنے کندھوں پر آپؑ کی غلامی کا جُوا رکھا۔ اور اسلام کے شیدائیوں کی فہرست میں اپنا نام لکھایا۔ مگر آہ! کس قدر بدقسمت تھے وہ جنہوں نے آپکا زمانہ پایا۔ آپکو دیکھا۔ یا آپؑ کی آواز سُنی مگر کوئی فیض حاصل نہ کرسکے۔ اور اُن

برکتوں اور رحمتوں اور فضلوں سے محروم ہو گئے۔ جو حضورؐ پر ایمان لانیوالوں کے لئے مقدر تھے

اب بھی مسلمان سنبھل سکتے ہیں

لیکن ابھی کچھ نہیں گیا۔ اب بھی وقت ہے۔ کہ مسلمان اگر سنبھلنا چاہیں تو سنبھل سکتے ہیں۔ خُدا کو راضی کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ اور اُس کے فضلوں کے وارث بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں۔ کیا ہوا ـــ اگر اس وقت خُدا کا مسیح دنیا میں نہیں۔ کیا ہوا ـــ اگر اس وقت آپؑ کی زیارت سے کوئی شاد کام نہیں ہو سکتا۔ اس وقت اگر خُدا کا محبوب دنیا میں نہیں۔ تو حُسن و احسان میں آپؑ کا نظیر تو موجود ہے۔ آپؑ کی تعلیم تو موجُود ہے۔ آپؑ کی ذریّتِ طیّبہ تو موجُود ہے۔ آپؑ کے صحابۂ کرام تو موجود ہیں۔ اُنہی سے کسبِ فیض ہو سکتا ہے۔

پیارو! اگر تم واقعی اس امر کے متمنّی ہو کہ حق واضح ہو جائے، حقیقت بے نقاب ہو جائے، اور سچّائی اپنی پُوری تابانیوں کے ساتھ تم پر منکشف ہو جائے۔ تو پھر آپ لوگ حضرت سُلطان القلم کی حقایق و معارف سے لبریز تصانیف کا مطالعہ کریں۔ جو کہ ہر جگہ سے بآسانی مِلسکتی ہیں۔ اور کہ جن کے مطالعہ سے سعادتمند انسان حقیقت حال سے بخوبی واقف ہو سکتا ہے۔

اور اگر کسی وجہ سے یہ مُیسّر نہ آسکیں تو پھر خُدا کے مسیح کے اُن صحابہ کو ملیں۔ جو کہ خُدا کے فضل و کرم سے ملک کے اکثر و بیشتر مقامات میں پھیلے ہوُئے ہیں۔ جن سے حضور علیہ السّلام کے حال اور قال کا علم بخوبی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اگر اسکا بھی موقعہ نہ مل سکے۔ تو پھر خود مرکزِ احمدیّت میں آئیں اور اپنی آنکھوں سے اس منبعِ فیض بستی کو دیکھیں، اس کے نیک اور پاک مکینوں کو دیکھیں، اس کے علمی و رُوحانی خزینوں کو دیکھیں، اس میں آپکو صحابۂ کرام کے مثیل نظر آئینگے، قدّوسیوں کی جماعت نظر آئے گی۔ اسلام کی محبّت اور عشق میں سرشار افراد نظر آئیں گے، دین

کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرنے والے پروانے دیکھنے کو ملیں گے، ملّت خیر الانام پر دیوانہ وار نثار ہو جانے کے تمنائی دیکھنے کو ملیں گے، اگر آپ خشیّت اللہ کے حقیقی نمونے دیکھنے کے خواہاں ہوں تو وہ یہاں نظر آئینگے، اگر اسلام کی سچی رُوح، اور حقیقی رنگ میں ڈوبے ہُوئے لوگ دیکھنے کی خواہش ہو تو وہ یہاں نظر آئینگے، اگر علم وعرفان کے اُبلتے ہُوئے چشمے، دیکھنا چاہتے ہیں تو یہاں آکر دیکھئے۔ اگر رُوحانیت کا موجیں مارتا ہُوا سمندر، دیکھنا ہے تو یہاں آکر دیکھئے۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں حقیقت ہے[۱] جس کی تصدیق یہاں آکر ہو سکتی ہے مُسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خدا کے مسیح کے اس تخت گاہ میں آئیں۔

مگر ہاں! شرط یہ ہے کہ شوق بھری رُوح کے ساتھ آئیں، اخلاص مندی اور سچائی کی تڑپ لیکر آئیں۔ اور پھر وہ سب کچھ دیکھیں جس کو دیکھنے کے لئے صدیوں سے آنکھیں ترس رہی تھیں اور دل تڑپ رہے تھے۔

مایُوس مسلمانوں کو مخلصانہ دعوت

ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ مخلصانہ دعوت رائیگاں نہیں جائے گی۔ اور ہمارے مُسلمان بھائی وقت نکال کر بھی مرکزِ احمدیت میں آئینگے۔ بالخصوص وہ مسلمان جن کو مایوسی نے گھیر رکھا ہے، جو ناکامی ونامرادی کا شکار ہو چکے ہیں۔ جنہیں اُمید کی شعاع تک نظر نہیں آتی۔ جو اپنی اصلاح کی خاطر "ہزاروں قسم کی جد وجہد" کر چکے۔ جن کے ہاتھوں "بے شمار انجمنیں قائم ہوئیں اور مٹ گئیں، اور لاتعداد تجویزیں اور پروگرام مرتب ہوئے مگر کیڑوں کی غذا بن گئے۔ اور بے گنتی تحریکیں ہوئیں اور ختم ہو گئیں"۔ ہاں وہ مسلمان، جو سمجھتے ہیں کہ انہیں "اسکول وکالج کی پروفیسری، کونسلوں کی ممبری اور انگریزوں وہندوؤں کی چاپلوسی سے کچھ نہیں ملا"۔ اور وہ مسلمان جو دیکھ چکے ہیں۔ کہ "نہ بی، اے اور ایم، اے ہونے سے اِسلام کی ترقی ہُوئی"۔ اور "نہ عوی دانی، یتیم خانوں اور مدرسوں سے مُسلمانوں

[۱] یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے۔ اس کی تصدیق اگلے صفحات میں غیروں کی زبانی کیجئے۔ - مؤلف

کی مصیبت کا خاتمہ ہوا"۔ اور وہ مسلمان جو تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ اُن کے "درد کی دوا نہ کانگرس کے پاس ہے اور نہ مسلم کانفرنس کے پاس"۔ اور جو محسوس کرتے ہیں کہ "ہماری اصلاح و ترقی نہ مسلم لیگ اور ایجوکیشنل کانفرنس سے ہوئی اور نہ جمیعتہ العلماء سے"۔ ہاں ہاں وہ مسلمان، جو اپنی "اصلاح و ترقی کا مجرّب، یقینی، متحدہ اور جامع پروگرام" حاصل کرنے کے لئے سرگرداں ہیں۔ وہ دارُالامان میں آئیں اور اپنے دامن گلہائے مُراد سے بھر لیں۔

مسلمانوں کے درد کا علاج دارالامان میں

کون دارُالامان؟ وہ جسکے متعلق کہا گیا ہے کہ ؎

چہ گویم با تو گر آئی بجا در قادیاں بینی
دوا بینی، شفا بینی، غرض دارُالاماں بینی

خُدا کا بنا کردہ دارالامان نہ صرف یہ کہ اُنہیں اصلاح و ترقی کا مجرّب، یقینی، متحدہ اور جامع پروگرام بتلائیگا۔ بلکہ ان کے باقی تمام امراض کے لئے بھی ایسا یقینی، قطعی، مجرب اور تیر بہدف نسخہ بخشیگا کہ جس کے بعد نہ تو اُنہیں "ہزاروں انجمنیں بنانے اور مٹانے کی ضرورت پڑے گی۔ اور نہ لاتعداد تجویزیں اور پروگرام مرتب کرنے اور کیڑوں کی غذا بنانے" کی حاجت پڑے گی۔ کیونکہ قادیان اُنہیں وہ نسخہ بتلائے گا۔ جو کسی انسان کی دماغی کاوش یا غور و فکر کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ خود خُدائے قدوس کا تجویز کردہ ہے جس میں کسی قسم کی غلطی اور خطا کا امکان نہیں۔ جو کہ مجرّب المجرّب ہے، تیر بہدف ہے، یقینی ہے، قطعی ہے، اور سَو فیصدی شفا بخش ہے، مگر ہاں۔ اُنہیں کیلئے جو اپنے دلوں میں یقین، ارادت اور سچّی تمنّا لئے ہوئے آئیں۔

ممکن ہے۔ ان تمام حقائق کا مطالعہ کرنے کے بعد بھی محض اس لئے ہمارے صادقانہ و مخلصانہ مشوروں پر عمل کرنے کی جرأت نہ کی جائے کہ مسلمان مولوی ان کی مخالفت کرینگے۔ یا برادری کا خوف اور عزیزوں کے مقاطعہ اور بائیکاٹ کا خدشہ ہو۔

یا وہ غلط، لایعنی، اور معاندانہ پروپیگنڈا ان کے سدِّ راہ بنجائے۔ جو حق وصداقت کے دشمن، برسوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے متعلق، آپ کے خلفاء کے متعلق یا آپؑ کی جماعت اور آپؑ کے صدر مقام کے متعلق کر رہے ہیں۔ حالانکہ آجتک ان نام نہاد مولویوں اور سجادہ نشینوں نے حضور علیہ السّلام اور آپؑ کی جماعت کے متعلق جس قسم کی ناپاک، بیہُودہ، غیر شریفانہ اور مُفتریانہ باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔ یا جس قسم کا خوف دلا رکھا ہے۔ خُدا کے فضل سے ان میں سے کوئی ایک بات بھی حقیقت پر مبنی نہیں۔ اور ہم نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے مکروہ اور لایعنی پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر کون دانشمند ایک ایسی نعمت سے محرومی اختیار کریگا جو کہ اس کی دُنیا و آخرت دونوں کو سنوارنے والی ہے۔

لیکن ہو سکتا ہے کہ افترا پردازوں کی مفتریانہ باتوں نے ان کے دلوں پر گہرا اثر کر رکھا ہو۔ جن کی بنا پر ہمارے صد قدلانہ و دردمندانہ مشورے بے اثر ثابت ہوں۔ اسلئے ہم اپنے اُن عزیز اور پیارے مُسلمان بھائیوں کی خاطر — جو

حق کے طالب بھائیوں کے لئے آسانی۔

واقعی حق کے طالب، راستی کے دلدادہ، اور مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے متمنّی، بلکہ بیقرار ہیں۔ مگر ساتھ ہی حق کے دشمنوں کے پروپیگنڈا کا شکار ہونے کے باعث ہماری معروضات پر عمل کرنے کی جُرأت نہیں رکھتے۔ ہم ان کے بے بنیاد خدشات کا ازالہ کرنے کے لئے ایسے بہت سے اصحاب کے ذاتی مشاہدات پیش کئے دیتے ہیں کہ جنہوں نے سیّدنا و امامنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور آپ کے حال اور قال سے واقف

بہت سے عینی شاہدوں کی شہادتیں۔

ہوئے۔ یا آپؑ کی زندگی میں قادیان آئے۔ اور یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھا۔ جن میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کو دعویٰ ماموریت سے قبل دیکھا۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضورؑ کا بچپن اور جوانی کا

زمانہ دیکھا۔ بعض ایسے ہیں جو حضورؑ کی گمنامی و گوشہ نشینی کے وقت کے شاہد ہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضورؑ کو قادیان سے باہر دیکھا۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضورؑ کی زیارت قادیان میں آکر کی۔ اور پھر ان میں سے بھی بعض ایسے ہیں جو مسلمان تو تھے مگر حضورؑ کی جماعت میں داخل نہ تھے۔ مگر ہمیشہ آپؑ کے مدّاح رہے۔ بعض ایسے ہیں جو مسلمان بھی نہیں بلکہ سکھ اور ہندو ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو اسلام کے مخالف، عیسائیت کے علمبردار اور پادری تھے۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے آپؑ کے کمالات کو دیکھتے ہی آپؑ کی غلامی اختیار کر لی۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جو حضورؑ کا شہرہ سُنکر قادیان آئے، اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے حضورؑ کو جلوت میں دیکھا۔ بعض ایسے ہیں جنہوں نے آپؑ کو خلوت میں دیکھا بلکہ ان شاہدوں میں بعض خواتین بھی ہیں، جنہوں نے حضورؑ کی گھریلو زندگی پر بھی نگاہ ڈالی، اور آپؑ کی پُرکیف چال ڈھال کو جی بھر کر دیکھا۔ اور یہ ایسے شاہدوں کے بیانات ہوں گے کہ جن سے ہر ایک شخص آسانی کے ساتھ جہاں حضور علیہ السلام کی سادہ، پاکیزہ اور معصومانہ زندگی سے واقف ہو سکتا ہے۔ وہاں آپؑ کے دعویٰ کا صدق آپ کی جلالتِ شان، اور مرتبۂ بلند کا بھی پتہ لگا سکتا ہے۔ بلکہ آپؑ کے عظیم القدر مشن کی اہمیّت اور عظمت کو بھی محسوس کر سکتا ہے۔

پھر یہی نہیں بلکہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی خاطر ایسے شاہدوں کی شہادتیں بھی پیش کرنا چاہتے ہیں جو حضورؑ کے وصال کے بعد قادیان آئے۔ اور جنہوں نے یہاں کی تدریجی اور محیّر العقول ترقی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور آپؑ کے لگائے ہوئے سدا بہار چمن کی نشوونما اور اس کے پھولنے پھلنے کو حیرت اور استعجاب کی نظروں سے دیکھا۔ جن میں سے بعض مسلم ہیں اور بعض غیر مسلم بعض سکھ ہیں، بعض ہندو، بعض آریہ ہیں، بعض عیسائی ہیں۔ بعض یُورپین ہیں، اور بعض امریکن، بعض آزاد خیال ہیں اور

بعض اسلام اور احمدیت کے شدید ترین دشمن بھی ہیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ دشمنی و عداوت رکھتے ہوئے بھی حضور علیہ السلام کے لگائے ہوئے چمن کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور ان کی یہ شہادتیں اپنے اندر ایسی شان رکھتی ہیں کہ جن کا مطالعہ ہر اُس شخص کی رُوح کو وجد میں لے آئیگا۔ جو اسلام کی خوشحالی دیکھنے کا دل سے آرزومند ہے۔ اور پھر یہ شاہد اور گواہ کوئی عامی اور معمولی حیثیت کے آدمی نہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر و بیشتر اپنی اپنی قوم اور حلقۂ اثر میں خاص شان، مرتبہ اور رسُوخ رکھنے والے ہیں۔ اہلِ دانش ہیں صاحب فراست ہیں۔ اور حقیقت شناس ہیں۔

ہمیں توقع ہے۔ اور کامل توقع ہے کہ ان غیبی شاہدوں کی چشمدید شہادات اور پُرکیف تاثرات پُوری توجہ، دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ پڑھے جائیں گے۔ جو ایک ایسے شخص نے جمع کئے ہیں، جو کہ ایک لمبے عرصہ سے صاحب فراش ہے۔ بیمار ہے۔ اور فالج جیسے آزار میں مبتلا ہے۔ کہ جس میں معمولی اور ہلکی سی دماغی محنت بھی خطرہ سے خالی نہیں ہو سکتی۔ مگر وہ اس قسم کے خطرہ اور خدشہ کو محسوس کرتا ہوا بھی اس تکلیف کو اس لئے گوارا کر رہا ہے کہ اسکے دل میں اپنی قوم اور ملّت کا درد ہے۔ اور وہ اس کی ترقی و خوشحالی کا دل سے متمنّی ہے۔ اور جو اس امر کا خواہشمند ہے۔ کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے اسے احمدیت جیسی نعمتِ عظمیٰ عطا کی ہے اسیطرح اس کی قوم کے باقیماندہ افراد بھی اس کی لذّت سے حلاوت اندوز ہوں۔ اور اپنی مُراد کو پہنچیں۔ اور وہ سرور انگیز وقت جلد آئے جبکہ اسلام کی بیل پھر ہری بھری ہو، اور بطفیل مہدیٔ علیہ السلام مُسلمان پھر وہی پہلے کا سا اوج و کمال حاصل کر سکیں۔

لیکن قبل اسکے کہ ہم حسب وعدہ مختلف اصحاب کے تاثرات اور مشاہدات

درج کریں۔ ہم جویان حقیقت کی خاطر پہلے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رُوح پرور خود نوشت مگر مختصر حالات درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام جہاں حضور علیہ السلام کے ذاتی سوانح اور آپؑ کے خاندانی حالات سے واقف ہو سکیں وہاں قادیان کی بھی مختصر سی تاریخ سے واقف ہو جائیں۔ اور انہیں معلوم ہو سکے کہ اس بستی نے آجتک کیا کیا رنگ دیکھے ہیں۔ اور یہ اوج کمال سے گر کر کس طرح گمنامی کے گڑھے میں پڑی اور پھر کس طرح مصلح ربّانی کے طفیل اور خدا کی بشارتوں کے ماتحت حیرت انگیز طور پر اُبھری اور اب محیر العقول ترقی کر رہی ہے۔ جو کہ بذاتِ خود مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک بیّن دلیل ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے خود نوشت سوانح

"میرے سوانح اس طرح پر ہیں کہ میرا نام غلام احمدؐ میرے والد صاحب کا نام غلام مرتضیٰ، اور میرے دادا صاحب کا نام عطا محمدؐ اور میرے پردادا صاحب کا نام گل محمدؐ تھا۔ اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ ہماری قوم برلاس ہے۔ اور میرے بزرگوں کے کاغذات سے جو اَب تک محفوظ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور اُن کے ساتھ قریباً دوسو آدمی اُن کے توابع اور خُدام اور اہل و عیال میں سے تھے۔ اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اُس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمال مشرق واقعہ ہے۔ فروکش ہو گئے۔ جس کو اُنہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا۔ جو پیچھے سے اِسلام پُور قاضیؔ ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پُور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ پر قاضی رہا۔ اور پھر آخر قادی بنا اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی

ماجھی کیوجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً ساٹھ کوس ہے۔ اُن دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ غالباً اس وجہ سے اس کا نام ماجھہ تھا کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں۔ اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے۔ مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیان ملک میں سے تھے۔ اور انہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کیوجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہِ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر اُن کو ملے۔ چنانچہ اِس نواح میں ایک مستقل ریاست اُن کی ہوگئی۔

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمدؐ ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے۔ اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے اُن کے قبضہ سے نکل گئے تاہم اُن کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی۔ کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مُروّت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دیدیئے تھے جو ابتک اُن کے پاس ہیں۔ غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ اُن کے دسترخوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سَو کے قریب علماء اور صلحاء اور حافظ قرآن شریف کے اُن کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے اور اُن کے دربار میں اکثر قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر بہت ہوتا تھا۔ اور ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو تارک نماز ہو۔ یہانتک کہ چکّی پیسنے والی عورتیں بھی پنجوقتہ

نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو افغان تھے۔ قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا۔ مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارکہ پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق اور ظلم نظر آتا تھا۔ اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ مَیں نے خود اُس زمانہ سے قریب زمانہ پانے والوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے۔ کہ گویا وُہ اس زمانہ میں ایک باغ تھا۔ جس میں حامیانِ دین اور صلحاء اور علماء اور نہایت شریف اور جوانمرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں۔ کہ میرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے، اور صاحبِ خوارق اور کرامات تھے۔ جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات اُن کی ایسی مشہور ہیں۔ جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفانِ دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمائتِ دین اور ہمدردی میں مسلمانوں کی صف میں نہایت مشہور تھے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے، اور فسق و فجور سے دور رہنے والے، اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ مَیں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سُنا ہے، کہ اُس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اُس نے میرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل اور فہم اور حمایتِ اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا۔ اور اُن کے اُس مختصر دربار کو نہایت

متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پُر پایا۔ تب وہ چشم پُرآب ہوکر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی۔ کہ اِس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ کہ میرے دادا صاحب موصوف یعنی میرزا گل محمدؒ نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے، وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کے وقت اطباء نے اتفاق کرکے کہا۔ کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جائے۔ تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر جرأت نہیں رکھتے تھے۔ کہ اُن کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے اُن میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب اُنہوں نے کہا۔ کہ اگر خدا تعالیٰ کو شفا دینا منظور ہو۔ تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا۔ کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں۔ اور میں خُدا کے قضا و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض سے انتقال فرما گئے۔ موت تو مقدّر تھی۔ مگر یہ اُن کا تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا۔ کہ موت کو شراب پر اختیار کر لیا۔ موت سے بچنے کے لئے اِنسان کیا کچھ نہیں کرتا لیکن اُنہوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ افسوس اُن نوابوں اور امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خُدا اور اُس کے احکام سے بکلّی لاپرواہ ہوکر، اور خدا تعالیٰ سے سارے علاقے توڑکر دِل کھول کر ارتکاب معصیت کرتے ہیں۔ اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کرکے اور عمر طبعی سے بھی محروم رہ کر اور

بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہوکر جلد تر مر جاتے ہیں۔ اور آیندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جب میرے دادا صاحب فوت ہوئے۔ تو بجائے اُن کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمدؐ صاحب فرزند رشید اُنکے گدّی نشین* ہوئے۔ اُن کے وقت میں خُدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کیلئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضا و قدر اُن کے ارادہ کے موافق نہ تھی۔ اس لئے ناکام رہے۔ اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے، یہانتک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک گاؤں قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اُس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا۔ اور اس کے چار بُرج تھے۔ اور بُرجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں۔ اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل اسپر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا۔ کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اوّل فریب کی راہ سے اجازت لیکر قادیان داخل ہوا۔ اور پھر قبضہ کرلیا۔ اُس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی

* ہمارا شجرہ نسب اس طرح پر ہے۔ میرا نام غلام احمدؐ ابن مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ابن مرزا عطا محمدؐ صاحب ابن مرزا گل محمدؐ صاحب ابن مرزا فیض احمدؐ صاحب ابن مرزا محمدؐ قایم صاحب ابن مرزا محمدؐ اسلم صاحب ابن مرزا محمدؐ دلاور صاحب ابن مرزا الہ دین صاحب ابن مرزا جعفر بیگ صاحب ابن مرزا عبد الباقی صاحب ابن مرزا محمدؐ سلطان صاحب ابن مرزا ہادی بیگ صاحب مورثِ اعلیٰ۔ منہ

آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور اُن کے مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے، دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔ اُس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں سے پانسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اُن ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کی سلطنت کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ قادیان میں واپس آئے اور مرزا صاحب کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست اپنی بنالی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے لیکر پشاور تک اور دوسری طرف لودھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضیٰ اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے۔ گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں اُنہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حُکّام وقت سے

بجا آوری خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج اُن کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکّام کی نظر میں بہت ہردلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات اُن کی دلجوئی کے لئے حکّام وقت ڈپٹی کمشنر کمشنر اُن کے مکان پر آکر اُن کی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ مَیں ضروری نہیں دیکھتا۔ کہ اس کو بہت طول دُوں۔

اَب میرے ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہُوئی * ہے۔ اور مَیں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس کا یا سترھویں برس میں تھا، اور ابھی ریش و بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایک دفعہ ہندوستان کا پیادہ پا سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دِنوں میں اُن کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ مَیں نے اُن کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصّہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دُوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے کچھ حصّہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونے کے تھی۔ اور ملک داری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن یہ بات حاصل ہے۔ کہ ایسے رئیسوں اور ملک داروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید

* نوٹ۔ مَیں توام پیدا ہُوا تھا۔ ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی۔ وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ مَیں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے اُنثیت کا مادہ مجھ سے بکلّی الگ کر دیا۔ منہ

یہ اس لئے ہو۔ کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پُوری ہو۔ اگرچہ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر تاہم میں جانتا ہوں۔ کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملک داری کی لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہوگیا اور ایسا ہوا تاکہ خداتعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے۔ جیساکہ براہین احمدیہ میں اُس سُبحانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہ تبارك وتعالیٰ زاد مجدك ینقطع آباءك ویبدء منك۔ یعنی خُدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے۔ اُس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب تیرے آباء کا ذکر قطع کیا جائے گا۔ اور خدا تجھ سے شروع کریگا۔ اور ایسا ہی اُس نے مجھے بشارت دی کہ "میں تجھے برکت دُونگا۔ اور بہت برکت دُونگا، یہانتک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے"۔

پھر میں پہلے سلسلہ کی طرف عود کر کے لکھتا ہوں۔ کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اس طرح پر ہُوئی۔ کہ جب میں چھ سات سال کا تھا، تو ایک فارسی خوان معلّم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کے ہُوئی۔ تو ایک عربی خوان مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر کئے گئے، جن کا نام فضل احمدؐ تھا۔ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ چونکہ میری تعلیم خُداتعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس لئے اُن اُستادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے۔ وہ بہت توجّہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور مینے صرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو اُن سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ

برس کا ہوا۔ تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہانتک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی۔ کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے۔ کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے۔ کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ اور نیز اُن کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہوکر اُن کے غموم و ہموم میں شریک ہو جاؤں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے۔ انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے بھی لگا دیا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔

افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری اُمور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا تھا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے، کہ دنیا داروں کی طرح مجھے روبہ خلق بنا دیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ اُن کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی۔ اور میں

بیمار بھی تھا۔ اس لئے نہ جا سکا پس یہ امر بھی اُن کی ناراضگی کا موجب ہوُا۔ اور وہ چاہتے تھے، کہ مَیں دُنیوی اُمور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ مَیں نے نیک نیتی سے نہ دُنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور اُن کے لئے دُعا میں بھی مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے برّ بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ مَیں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دُنیا کے اُمور کی طرف توجہ دلاتا ہوں، ورنہ مَیں جانتا ہوں۔ کہ جس طرف اِس کی توجہ ہے یعنی دین کیطرف۔ صحیح اور سچ بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔ ایسا ہی انکے زیر سایہ ہونے کے ایّام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جُدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا مَیں نے استعفا دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی۔ سُبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوُا۔ کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں بہت کم ایسے ہوں گے، جو پُورے طور پر صوم اور صلوٰۃ کے پابند ہوں۔ اور جو اُن ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں، جو ابتلا کے طور پر انکو پیش آتے رہتے ہیں۔ مَیں ہمیشہ اُن کے مُنہ دیکھ کر حیران رہا، اور اکثر کو ایسا پایا کہ اُن کی تمام دلی خواہشیں مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو، یا حرام کے ذریعہ سے، محدود تھیں۔ اور بہتوں کو دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دُنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔ مَیں نے ملازمت پیشہ

لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے، کہ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کرکے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکساری اور خاکساری اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی اور اکل حلال اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ بلکہ بہتوں کو تکبر اور بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رُومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔ ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم ٭ جفت خوشحالان و بدحالان شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من ٭ وز درون من نجست اسرار من

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا۔ تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ مگر اکثر حصہ وقت کا قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سُنایا بھی کرتا تھا۔ اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار روپیہ کے قریب خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر ناکامی تھی کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے۔ اور اُن کا واپس آنا ایک خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہائیت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا۔ جو

دنیوی کدورتوں سے پاک ہے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے۔ اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے۔ اور بارہا کہتے تھے۔ کہ جس قدر میں نے اس پلید دُنیا کے لئے سعی کی ہے۔ اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شائد آج قطبِ وقت یا غوثِ وقت ہوتا۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔ ؎

عمر بگذشت و نماند ست جز ایامے چند ＊ بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا۔ کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ اور وہ یہ ہے۔ ؎

از درِ تو اے کسِ ہر بیکسے ＊ نیست امیدم کہ روم نا امید

اور کبھی دردِ دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے۔ ؎

آب دیدۂ عشاق و خاکپائے کسے ＊ مرا دلیست کہ در خوں تپد بجائے کسے

حضرت عزّ وجل شانہٗ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں اُن پر غلبہ کرتی گئی تھی۔ بارہا افسوس سے کہا کرتے تھے۔ کہ دُنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی۔ ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا۔ کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا۔ کہ ایک بڑی شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں۔ جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے۔ تو میں اُس وقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دَوڑا۔ جب قریب پہنچا۔ تو میں نے سوچا۔ کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے۔ یہ کہکر جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جس میں صرف ایک روپیہ تھا۔ اور جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ کھوٹا ہے۔ یہ دیکھ کر میں چشم پُرآب ہو گیا۔ اور پھر آنکھ کھل گئی۔ اور پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے۔ کہ دُنیا داری کے ساتھ خدا اور

رسول کی محبّت ایک کھوٹے روپیہ کی طرح ہے۔ اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخری حصّہ زندگی کا مصیبت اور غم اور حزن میں ہی گذرا، اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی۔ اور اپنے والد صاحب یعنی میرے پردادا صاحب کا ایک شعر بھی سُنایا کرتے تھے۔ جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھُول گیا ہے۔ اور دُوسرا یہ ہے کہ ع "جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے"۔ اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا۔ اسی خیال سے قریباً چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی۔ جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے۔ اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو۔ تا خُدائے عزّوجل کا نام میرے کان میں پڑتا رہے۔ کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت ہو۔ چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی۔ اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب صرف چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انہوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا۔ دفن کئے گئے۔ اللّٰھم ارحمہ و ادخلہ الجنۃ۔ آمین۔ قریباً اسّی یا پچاسی برس کے عمر پائی۔

ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ مَیں نے کیوں دنیا کے لئے وقتِ عزیز کھویا۔ اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں۔ اور مَیں جانتا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص جو دُنیا کا طالب ہوگا۔ آخر اس حسرت کو ساتھ لیجائے گا۔ جس نے سمجھنا ہو۔ سمجھے۔ میری عمر قریباً چونتیس یا پینتیس برس کے ہوگی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہؤا، مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا۔ کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے۔ مَیں اس وقت لاہور میں تھا، جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔ تب مَیں جلدی سے قادیاں میں پہنچا۔ اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا۔ لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی۔ کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم

ہوگئی تھی۔ اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔ دُوسرے دن شدّت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز اُن کی خدمت میں حاضر تھے۔ کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا۔ کہ اس وقت تم ذرا آرام کرلو۔ کیونکہ جُون کا مہینہ تھا۔ اور گرمی سخت پڑتی تھی۔ میَں آرام کے لئے ایک چوبارہ میں چلاگیا۔ اور ایک نوکر پیر دبانے لگا۔ کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہوکر مجھے الہام ہُوا۔ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ۔ یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبدأ ہے۔ اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا۔ اور مجھے سمجھایا گیا۔ کہ یہ الہام بطور عزا پُرسی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور حادثہ یہ ہے۔ کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہوجائے گا۔" سُبحان اللہ کیا شانِ خُداوندِ عظیم ہے۔ کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر افسوس کرتا ہُوا فوت ہُوا ہے، اُس کی وفات کو عزا پُرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ اس بات سے اکثر لوگ تعجّب کریں گے۔ کہ خُدا تعالےٰ کی عزا پُرسی کیا معنے رکھتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ حضرت عزّت جلّ شانہ، جب کسی کو نظرِ رحمت سے دیکھتا ہے، تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ کا ہنسنا بھی جو حدیثوں میں آیا ہے۔ انہی معنوں کے لحاظ سے ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلّ شانہ، کی طرف سے یہ الہام ہُوا جو مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا۔ کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ پھر نہ معلوم کیا کیا ابتلاء ہمیں پیش آئیں۔ تب اُسی وقت یہ دوسرا الہام ہُوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا خُدا اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔ اور اس الہام نے عجب سکینت اور اطمینان بخشا۔ اور فودی میخ کی طرح میرے

دِل میں دھنس گیا۔ پس مجھے اس خُدائے عزّ وجلّ کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ اس نے اپنے اس مبشّرانہ الہام کو ایسے طور سے مجھے سچّا کرکے دکھلایا۔ کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا۔ میرا وہ ایسا متکفل ہُوا کہ کبھی کسی کا باپ ہرگز ایسا متکفل نہیں ہوگا۔ میرے پر اُس کے وہ متواتر احسان ہُوئے۔ کہ بالکل محال ہے کہ مَیں ان کا شمار کر سکوں۔ اور میرے والد صاحب اُسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے۔ یہ ایک پہلا دن تھا۔ جو میں نے بذریعہ خُدا کے الہام کے ایسا رحمت کا نشان دیکھا جس کی نسبت مَیں خیال نہیں کر سکتا۔ کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو۔ مَیں نے اس الہام کو انہی دِنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر ایک انگشتری بنائی۔ جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہُوئی ہے۔ غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری۔ ایک طرف اُن کا دُنیا سے اٹھایا جانا تھا۔ اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہُوا۔ مَیں کچھ بیان نہیں کر سکتا۔ کہ میرا کونسا عمل تھا۔ جس کی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہُوئی۔ صرف اپنے اندر احساس کرتا ہوں۔ کہ فطرتاً میرے دِل کو خدا تعالےٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے۔ جو کسی چیز کے روکنے سے رُک نہیں سکتی۔ سو یہ اُسی کی عنایت ہے۔ مَیں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں۔ اور نہ زمانہ حال کے بعض صُوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا۔ اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلّہ کشی کی۔ اور نہ خلاف سُنّت کوئی ایسا عمل رہبانیّت کیا۔ جس پر خُدا تعالےٰ کے کلام کو اعتراض ہو۔ بلکہ مَیں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا۔ جو انواع و اقسام کے بدعات میں مبتلاء ہیں۔ ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ

وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ ایک بزرگ معمّر پاک صُورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اُس نے یہ ذکر کرکے کہ کسی قدر روزے انوارِ سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سُنّت خاندانِ نبوّت ہے۔" اس بات کی طرف اشارہ کیا۔ کہ میں سُنّتِ اہلِ بیتِ رسالت کو بجالاؤں۔ سو مَیں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا۔ کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس میں نے یہ طریق اختیار کیا۔ کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا۔ اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچّوں کو جنکو مَیں نے پہلے سے تجویز کرکے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کردی تھی، دیدیتا تھا۔ اور اسطرح تمام دن روزہ میں گزرتا۔ اور بجز خدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوُا۔ کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں، مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں۔ بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو مَیں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔ اور اِسی طرح مَیں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک شاید صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک مَیں نے ایسا کیا۔ اور باوجود اسقدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچّہ بھی اسپر صبر نہیں کرسکتا۔ خُدا تعالےٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے۔ وہ لطیف مکاشفات ہیں۔ جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس امت میں گذر چکے ہیں، اُن سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنینؓ و

علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی۔ غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں جنکا ذکر کرنا موجب تطویل ہے۔ اور علاوہ اس کے انوار رُوحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے۔ جن کا بیان کرنا بالکل طاقتِ تحریر سے باہر ہے۔ وہ نُورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے۔ جن میں بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سُرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا۔ کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دُنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہیں ہوگی۔ جیساکہ ان کو دیکھکر دل اور رُوح کو لذّت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے۔ کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صُورت میں ظاہر کئے گئے تھے یعنی وہ ایک نُور تھا۔ جو دل سے نکلا۔ اور دُوسرا وہ نور تھا۔ جو اُوپر سے نازل ہوُا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صُورت پیدا ہوگئی۔ یہ رُوحانی اُمور ہیں۔ کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دُور ہیں۔ لیکن دنیا میں ایسے بھی ہیں جنکو ان اُمور سے خبر ملتی ہے۔

غرض اس مدت تک روزہ رکھنے سے جو میرے پر عجائبات ظاہر ہوُئے، وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے۔ ایک اور فائدہ مجھے یہ حاصل ہوُا۔ کہ میں نے ان مجاہدات کے بعد اپنے نفس کو ایسا پایا۔ کہ میں وقت ضرورت فاقہ کشی پر زیادہ سے زیادہ صبر کر سکتا ہوں۔ میں نے کئی دفعہ خیال کیا۔ کہ اگر ایک موٹا آدمی جو علاوہ فربہی کے پہلوان بھی ہو۔ میرے ساتھ فاقہ کشی کے لئے مجبور کیا جائے۔ تو قبل اسکے کہ مجھے کھانے کے لئے کچھ اضطرار ہو، وہ فوت ہو جائے۔ اس سے مجھے یہ بھی ثبوت ملا۔ کہ انسان کسی حد تک فاقہ کشی

میں ترقی کرسکتا ہے۔ اور جب تک کسی کا جسم ایسا سختی کش نہ ہو جائے۔ میرا یقین ہے۔ کہ ایسا تنعم پسند رُوحانی منازل کے لائق نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے۔ اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔ مَیں نے کئی جاہل درویش ایسے بھی دیکھے ہیں۔ جنہوں نے شدید ریاضتیں اختیار کیں۔ اور آخر یبوستِ دماغ سے وہ مجنون ہو گئے۔ اور بقیہ عمر اُن کی دیوانہ پن میں گذری۔ یا دُوسرے امراض سل اور دق وغیرہ میں مبتلاء ہو گئے۔ انسانوں کے دماغی قویٰ ایک طرز کے نہیں ہیں۔ پس ایسے اشخاص جن کے فطرتاً قویٰ ضعیف ہیں۔ اُن کو کسی قسم کا مجاہدہ موافق نہیں پڑ سکتا۔ اور جلد تر کسی خطرناک بیماری میں پڑ جاتے ہیں۔ سو بہتر ہے۔ کہ انسان اپنی تجویز سے اپنے تئیں مجاہدہ شدیدہ میں نہ ڈالے۔ اور دین العجائز اختیار رکھے۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی الہام ہو۔ اور شریعت غرّاء اسلام سے منافی نہ ہو۔ تو اس کو بجالانا ضروری ہے۔ لیکن آجکل کے اکثر نادان فقیر جو مجاہدات سکھلاتے ہیں۔ ان کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔ پس ان سے پرہیز کرنا چاہیئے ؎

یاد رہے کہ میں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر جسمانی سختی کشی کا حصّہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا۔ اور بھوک اور پیاس کا مزا چکھا۔ اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا۔ اور کبھی کبھی اس کو اختیار بھی کیا۔ یہ تو سب کچھ ہوا۔ لیکن رُوحانی سختی کشی کا حصّہ ہنوز باقی تھا۔ سو وہ حصّہ ان دنوں میں مجھے اپنی قوم کے مولویوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور تکفیر اور توہین اور ایسا ہی دوسرے جہلاء کے دُشنام اور دل آزاری سے مل گیا۔ اور جس قدر یہ حصّہ بھی مجھے ملا۔ میری رائے ہے کہ تیرہ سَو برس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کم کسی کو ملا ہو گا۔ میرے لئے تکفیر کے فتوے تیار ہو کر مجھے تمام مشرکوں اور عیسائیوں

اور دہریوں سے بدتر ٹھہرایا گیا۔ اور قوم کے سفہاء نے اپنے اخباروں اور رسالوں کے ذریعہ سے مجھے وہ گالیاں دیں۔ کہ اب تک مجھے کسی دوسرے کے سوانح میں ان کی نظیر نہیں ملی۔ سو میں اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں۔ کہ دونوں قسم کی سختی سے میرا امتحان کیا گیا۔

اور پھر جب تیرھویں صدی کا اخیر ہوا۔ اور چودھویں صدی کا ظہور ہونے لگا۔ تو خدا تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ سے مجھے خبر دی۔ کہ تو اس صدی کا مجدد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ الہام ہوا:۔ الرحمٰن عَلّم القرآن لِتنذِر قوماً مّا اُنذِر اٰباءھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انّی اُمِرتُ وَانا اول المؤمنین۔ یعنے خدا نے تجھے قرآن سکھلایا۔ اور اس کے صحیح معنے تیرے پر کھول دیئے۔ یہ اسلئے ہوا۔ کہ تا تُو ان لوگوں کو بد انجام سے ڈراوے۔ کہ جو بباعث پشت در پشت کی غفلت اور نہ متنبہ کئے جانے کے غلطیوں میں پڑ گئے۔ اور تا ان مجرموں کی راہ کھل جائے۔ کہ جو ہدایت پہونچنے کے بعد بھی راہِ راست کو قبول کرنا نہیں چاہتے۔ ان کو کہدے کہ مامُور من اللہ اور اول المومنین اور یہ الہام براہین احمدیہ میں چھپ چکا ہے۔ جو ان ہی دنوں میں جس کو آج اٹھارہ سال کا عرصہ ہوا ہے۔ مَیں نے تالیف کر کے شائع کی تھی۔ اس کتاب کے الہامات پر نظر غور ڈالنے سے ہر ایک کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ خدا نے کیوں اور کس غرض سے مجھے اس خدمت پر مامور کیا۔ اور کیا حالت موجودہ زمانہ کی اور صدی کا سر اس بات کو چاہتا تھا یا نہیں۔ کہ کوئی شخص ایسے غربتِ اسلام کے زمانہ اور کثرت بدعات اور سخت بارش بیرونی حملوں کے دنوں میں خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید اور تجدید دین کیلئے آوے۔

اور اس جگہ یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے۔ کہ براہین احمدیہ کے زمانہ تک

اس ملک کے اکثر علماء میرے دعویٰ مجدّد ہونے کی تصدیق کرتے تھے۔ اور
کم سے کم یہ کہ نہایت حُسن ظن سے میرے الہامات پر بڑے بڑے سخت متعصبوں
کو بھی کوئی جرح نہ تھی۔ اور اکثر ان میں سے بڑی خوشی سے کہتے تھے۔ کہ خُدا نے
اِسلام کے لئے چودھویں صدی کو مبارک کیا۔ کہ اپنی طرف سے ایک مجدّد بھیجا
اور بعض نے ان میں سے نہایت اخلاص سے براہین احمدیہ کا ریویو بھی لکھا۔ اور
اس میں اس قدر میری تعریف کی۔ کہ جس قدر ایک انسان کسی کامل درجہ کے
راستباز اور پاک باطن اور خُدا رسیدہ اور ہمدرد اسلام کی تعریف کر سکتا ہے
حالانکہ اس مولوی صاحب کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ براہین احمدیہ میں وہ الہام بھی
ہیں۔ جن میں خُدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ اور مسیح موعود رکھا ہے۔ غرض
اس وقت تک کہ تصریح کے ساتھ میری طرف سے دعویٰ مسیح موعود ہونے کا
نہیں ہؤا تھا۔ اور صرف مجدّد چودھویں صدی ہونا عام لوگوں میں مشہور تھا۔
کوئی بڑی مخالفت علماء کی طرف سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اکثر ان میں مصدق اور
مطیع رہے۔ مگر اس دعویٰ مسیحیّت کے وقت میں عجب طور کا شور علماء میں پھیلا
اور ان میں سے اکثر لوگوں نے انواع و اقسام کی خیانت سے عوام کو دھوکہ دیا۔
اور بعض نے ان میں سے میری تکفیر کے بارے میں استفتاء طیار کیا۔ اور
بڑی کوشش کر کے صدہا کم فہم اور موٹی عقل والے لوگوں کے اس پر دستخط کرائے۔
مگر جیسا کہ پہلے آثار نبویہ میں لکھا گیا تھا۔ کہ "اُس آنے والے امام موعود کی تکفیر ہوگی"
اِس پیشگوئی کو پُورا کیا۔ کہ کیونکہ ان پاک نوشتوں کا پُورا ہونا ضروری تھا۔ اور
تعجب کہ مسیح موعود ہونے کے دعوے میں کوئی ایسی نئی بات نہیں تھی کہ جو
براہین احمدیہ میں اسوقت سے اٹھارہ برس پہلے درج نہیں ہو چکی تھی۔ مگر پھر
بھی نادان مولویوں نے اس دعوے پر بڑا شور برپا کیا۔ آخر ان کی فتنہ انگیزیوں کا

یہ نتیجہ ہوا۔ کہ گھر گھر میں عداوت پڑگئی۔ مسلمانوں کا ایک گروہ میرے ساتھ ہوگیا۔ اور ایک گروہ کج فہم مولویوں کے پیچھے لگا۔ اور ایک گروہ ایسا رہا۔ کہ نہ موافق اور نہ مخالف۔ اور اگرچہ ہمارا گروہ ابھی بکثرت دُنیا میں نہیں پھیلا۔ لیکن پشاور سے لیکر بمبئی اور کلکتہ اور حیدر آباد دکن اور بعض دیارِ عرب تک ہمارے پیرو دُنیا میں پھیل گئے۔ پہلے یہ گروہ پنجاب میں بڑھتا پھولتا گیا۔ اب میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہندوستان کے اکثر حصّوں میں ترقی کر رہا ہے۔ ہمارے گروہ میں عوام کم اور خواص زیادہ ہیں۔ اِس گروہ میں بہت سے سرکار انگریزی کے ذی عزّت عہدہ دار ہیں۔ جو ڈپٹی کلکٹر اور اکسٹرا اسسٹنٹ اور تحصیلدار وغیرہ معزز عہدوں والے آدمی ہیں۔ ایسا ہی پنجاب اور ہندوستان کے کئی رئیس اور جاگیر دار اور اکثر تعلیمیافتہ ایف، اے۔ بی، اے۔ اور ایم، اے اور بڑے بڑے تاجر اس جماعت میں داخل ہیں۔ غرض ایسے لوگ جو عقل اور علم اور عزّت اور اقبال رکھتے تھے، یا بڑے بڑے عہدوں پر سرکار انگریزی کی طرف سے مامور تھے۔ یا رئیس اور جاگیردار اور تعلقہ دار اور نوابوں کی اولاد تھے۔ اور یا ہندوستان کے قطبوں اور غوثوں کی نسل تھے۔ جن کے بزرگوں کو لاکھوں انسان اعلےٰ درجہ کے ولی اور قطب وقت سمجھتے تھے۔ وہ لوگ اِس جماعت میں داخل ہوئے۔ اور ہوتے جاتے ہیں۔ غرض اللہ تعالےٰ کے فضل اور قدرت نے مولویوں کو اُن کے ارادوں سے نامُراد رکھکر ہماری جماعت کو فوق العادت ترقی دی ہے اور دے رہا ہے۔ وہ لوگ جو درحقیقت پارسا طبع اور خدا ترس اور نوعِ انسان سے ہمدردی کرنیوالے اور دین کی ترقی کے لئے بدل وجان کوشش کرنیوالے اور خُدا تعالےٰ کی عظمت کو دل میں بٹھانے والے اور عقلمند اور ذی فہم اور اولوالعزم اور خدا اور رسولؐ سے سچّی محبّت رکھنے والے ہیں۔ اور وہ اس جماعت

میں بکثرت پائے جائیں گے۔ مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ خداوند کریم اِس بات کا ارادہ کر رہا ہے۔ کہ اس جماعت کو بڑھاوے۔ اور برکت دے۔ اور زمین کے کناروں تک سعادتمند انسانوں کو کھینچکر داخل کرے[۱]۔"

عینی شاہدوں کے مشاہدات و تاثرات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی حالات اور آپکے ذاتی سوانح پڑھ لینے کے بعد اب ان لوگوں کی عینی شہادتیں پڑھیئے۔ کہ جنہوں نے حضور علیہ السلام کو بچپن میں دیکھا، جوانی میں دیکھا، اور آپکے حال اور قال پر نگاہ ڈالی۔ تاکہ معلوم ہو سکے۔ کہ جس وجود باجُود کو کوتہ فہم اور حقیقت حال سے بے خبر مخالف گھنونی صُورت میں پیش کرتے رہتے ہیں۔ وہ کسقدر پاکیزہ اخلاق و شمائل اور کیسے اعلیٰ دلربا اور من کو موہ لینے والے اوصاف کا حامل تھا۔ کہ جس کی تعریف دوست، دشمن سبھی کرتے ہیں اور ان اپنے اور پرائیوں کے بیانات سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ حضور علیہ السلام حقیقت میں کس قدر مرتبۂ بلند اور شانِ ارفع رکھنے والے تھے۔ اور آپکی قوت قدسیّہ کس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ جو دیکھنے والوں پر بھی اپنا گہرا اثر چھوڑے بغیر نہیں رہتی تھی۔

پس سب سے پہلے ایک معمّر سکھ جاٹ مسمّی جھنڈا سنگھ ساکن موضع کاہلواں (متصل قادیان) کے تاثرات درج کیئے جاتے ہیں:۔

---

[۱] یہ تو ۱۸۹۸ء کی حالت ہے۔ اب تو خدا کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ آپکی وعدوں کے ماتحت ایسی تعجب خیز ترقی کر رہی ہے۔ کہ ایک دُنیا حیران اور انگشت بدندان ہے۔ جیساکہ آگے چل کر غیروں کی زبانی معلوم ہوگا۔ خاکسار مؤلف

ایک معمّر سِکھ جاٹ کے تأثرات

پیر سراج الحق صاحب نعمانی نے اپنی کتاب تذکرۃ المہدی حصہ دوم میں لکھا ہے کہ "قادیان کے پاس کے گاؤں کا ایک سکھ جاٹ (جھنڈا سنگھ) جو عرصہ ہوا۔ فوت ہوگیا ہے۔ اور وہ بہت معمر آدمی تھا۔ مجھ سے بیان کرتا تھا۔ کہ مَیں مرزا صاحب (حضرت مسیح موعودؑ) سے بیس۲۰ سال بڑا ہوں۔ اور بڑے مرزا صاحب (حضرت اقدسؑ کے والد) کے پاس میرا بہت آنا جانا رہتا تھا۔ میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لئے آتا تھا۔ تو باتوں باتوں میں اُن سے پوچھتا تھا۔ کہ مرزا صاحب! آپکے بڑے لڑکے مرزا غلام قادر کے ساتھ تو

حضورؑ کی گوشہ نشینی

ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا۔ وہ جواب دیتے تھے، کہ ہاں میرا ایک چھوٹا لڑکا بھی ہے۔ لیکن وہ تو الگ الگ ہی رہتا ہے۔ اور لڑکیوں کی طرح شرم کرتا ہے۔ اور شرم کی وجہ سے کسی سے ملاقات نہیں کرتا۔ پھر وہ کسی کو بھیجکر مرزا صاحب (یعنی حضرت مسیح موعودؑ) کو بلواتے

پُر کیف شرم وحیا

تھے۔ مرزا صاحب آنکھیں نیچے کئے ہوئے آتے اور اپنے والد سے کچھ فاصلہ پر سلام کر کے بیٹھ جاتے۔ بڑے مرزا صاحب ہنستے ہوئے فرماتے کہ لو! اب تو آپ نے اِس دُلہن کو دیکھ لیا ہے؟ (اور پیر صاحب نے لکھا ہے کہ) وُہی سِکھ جاٹ ایک دفعہ قادیان آیا۔ اُس وقت ہم بہت سے آدمی گول کمرے میں کھانا کھا رہے تھے۔ اُسنے پوچھا کہ مرزا جی کہاں ہیں؟ ہم نے کہا، اندر ہیں۔ اور چُونکہ اسوقت آپکے باہر تشریف لانے کا وقت نہیں ہے۔ اِسلئے ہم بُلا بھی نہیں سکتے۔ کیونکہ آپؑ کام میں مشغول ہونگے۔ جب وہ تشریف لائیں گے تو مل لینا۔ اِسپر اُسنے خود ہی بیدھڑک ہوکر آواز دیدی کہ مرزا جی ذرا باہر آؤ؟ حضرت اقدسؑ برہنہ سر

اس کی آواز سنکر باہر تشریف لے آئے اور اُسے دیکھ کر مُسکراتے ہوئے فرمایا۔ سردار صاحب! اچھے ہو، خوش ہو، بہت دنوں کے بعد ملے۔ اُسنے کہا۔ ہاں میں خوش ہوں۔ مگر بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ چلنا پھرنا بھی دشوار ہو رہا ہے۔ پھر زمینداری کے کام سے فرصت کم ملتی ہے۔ (پھر بولا) مرزا جی آپکو وہ پہلی باتیں بھی یاد ہیں۔ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے۔ نہ نوکری کرتا ہے، نہ کماتا ہے۔ اور پھر وہ ہنس کر کہتے تھے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مُلّا کروا دیتا ہوں۔ دس من دانے گھر میں کھانے کو آجایا کرینگے۔ پھر آپکو وہ بھی یاد ہے کہ بڑے مرزا صاحب مجھے بھیجکر آپکو اپنے پاس بُلا بھیجتے تھے۔ اور آپکو بڑے افسوس کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کہ افسوس میرا یہ لڑکا دُنیا کی ترقی سے محروم رہا جاتا ہے۔ آج وہ زندہ ہوتے۔ تو یہ چہل پہل دیکھتے۔ کہ کس طرح اُن کا وُہی مسیتڑ لڑکا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور بڑے بڑے لوگ دُور دُور سے آکر اُسکے در کی غلامی کرتے ہیں۔ حضرت اقدسؑ اس کی باتوں کو سُنکر مُسکراتے جاتے تھے۔ اور پھر آخر میں آپؑ نے فرمایا۔ ہاں مجھے یہ ساری باتیں یاد ہیں۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اور پھر بڑی محبت سے اُسے فرمایا۔ کہ ٹھہرو میں تمہارے لئے کھانے کا انتظام کرتا ہوں۔ اور یہ کہہ کر آپؑ اندر مکان میں تشریف لے گئے (پیر صاحب لکھتے ہیں کہ) پھر وہ بُڈھا سکھ جاٹ میرے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے۔ کہ میرا یہ لڑکا مُلّا ہی رہیگا! اور مجھے فکر ہے۔ کہ میرے بعد یہ کس طرح زندگی بسر کرے گا۔ ہے تو یہ نیک مگر اب زمانہ ایسا نہیں۔ چالاک آدمیوں کا زمانہ ہے۔ پھر بعض اوقات آب دیدہ ہو کر کہتے تھے۔ کہ غلام احمدؐ نیک اور پاک ہے۔ جو حال اس کا ہے وہ ہمارا کہاں۔

حضرت مسیح موعود کے والد کی گواہی

(پیر صاحب کہتے ہیں کہ) یہ باتیں سُناتے ہوئے وہ سِکھ خود بھی چشم پُرآب ہوگیا اور کہنے لگا۔

آج مرزا غلام مرتضیٰ زندہ ہوتا۔ تو کیا نظّارہ دیکھتا" (از سیرۃ المہدی حصّہ دوم)

اِسی طرح ایک آریہ کی شہادت سُن لیجئے۔ جس نے کہ حضور علیہ السّلام کا بچپن اور جوانی کو دیکھا۔ کیونکہ وہ بھی آپ سے عمر میں بڑا تھا:۔

بھائی کِشن سنگھ آریہ کا عینی مشاہدہ

مولوی غلام رسُول صاحب لنگوی نے بھائی کِشن سنگھ آریہ کی گواہی جو کہ اسکے ذاتی مشاہدہ پر مبنی ہے۔ بایں الفاظ شائع کروائی تھی:۔

"ایک دفعہ قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل اور خاکسار دونوں ملک شُبھ چنتک اخبار کے ایڈیٹر پنڈت سوم راج کے پاس گئے۔ (اُن دنوں وہ اپنے اخبار میں حضرت اقدس ؑ کی شان میں گستاخانہ الفاظ اِستعمال کیا کرتا تھا) اور اُسپر یہ ظاہر کیا۔ کہ ہم حضرت مرزا صاحب کے حالات کی تحقیق کرنے آئے ہیں۔ اُس وقت بھائی کِشن سنگھ آریہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ سوم راج نے حضرت اقدس ؑ کی شان میں فضول گوئی شروع کی۔ جو ہمیں ناگوار گذری۔ اِسپر بھائی کِشن سنگھ نے کہا۔ کہ میں حضرت مرزا صاحب سے عمر میں بڑا ہوں۔ اور بچپن سے لیکر جوانی تک آپ کے ساتھ رہا ہوں۔ مرزا صاحب بہت پاک فطرت اور نیک اِنسان ہیں۔ پنڈت (سوم راج) صاحب نے جو گستاخانہ الفاظ آپکی شان میں بیان کئے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہیں۔ اِسپر وہ پنڈت بہت شرمندہ ہوا۔ پھر کِشن سنگھ نے کہا کہ مرزا صاحب بہت بزرگ اور خدا رسیدہ اِنسان ہیں۔" (الحکم قادیان فروری ۳۵ء)

نیکی و پاک فطرتی

اسکے بعد مولوی رحیم بخش صاحب کی عینی شہادت پیش کی جاتی ہے جسمیں

ان کے علاوہ اور بھی کئی معاصرین کی حضرت اقدسؑ کے کیرکٹر کے متعلق عینی شہادتیں موجود ہیں ۔ ان کے پڑھنے سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ کہ حضور علیہ السلام کا بچپن کیسا معصومانہ اور دلربا تھا ۔ اور جوانی بھی کیسی بے داغ اور پاکیزہ تھی، کہ جس کے دیکھنے والے سبھی آپؑ کی تعریف میں تر زبان نظر آتے ہیں ۔ اور یہ معصومانہ بچپن ۔ اور پاکبازانہ عالم جوانی، اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپؑ مفتری نہ تھے ۔ کیونکہ جو شخص بچپن اور جوانی کے دونوں میں بھی نیک، پاک، راستباز اور دل میں خشیت اللہ رکھنے والا ہو، وہ کس طرح بڑھاپے میں قدم رکھتے ہی یک دم خدا پر افترا باندھنے لگ جائیگا ۔ اور خدا کے غضب اور عقبیٰ کے خوف سے بے پرواہ ہو کر نہ صرف خود گمراہی اختیار کریگا ۔ بلکہ دوسروں کی بھی ضلالت اور گمراہی کا باعث بنیگا ۔ کیا ایسا ہونا ممکن ہے ۔ اور اس سے پیشتر کوئی اس قسم کی نظیر مل سکتی ہے ؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ نعوذ باللہ آپؑ مفتری اور غیر صادق تھے ؟

مولوی رحیم بخش صاحب ساکن تلونڈی جھنگلاں کے تاثرات

"یہ عاجز دراصل موضع بہادر حسین کا رہنے والا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اتفاقاً ایک حافظ صاحب بہادر حسین آ گئے ۔ اُن کا نام حافظ محمدؐ تھا ۔ مَیں نے قرآن شریف اور کچھ تھوڑی سی فارسی اُن سے پڑھی ۔ پھر وہ قادیان آ گئے ۔ اور (حضرت مسیح موعودؑ کے صاحبزادگان) مرزا سلطان احمدؐ صاحب مرحوم اور مرزا فضل احمدؐ صاحب کے پڑھانیکے واسطے مقرر ہو گئے ۔

حافظ محمدؐ صاحب کی گواہی ۔

مَیں اُن سے ملنے (قادیان) آیا ۔ تین چار روز رہا ۔ حافظ صاحب اور یہ عاجز جس کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے (وہاں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لائے ۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ حافظ صاحب

آپ نے کھانا کھایا۔ تو انہوں نے کہا۔ مرزا صاحب کھا لیا۔ پھر حضورؑ اپنی گفتگو کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ حافظ صاحب نے اِس عاجز کو کہا۔ کہ " یہ لڑکے مرزا صاحب (مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) کے بڑے ہی نیک ہیں۔ گوشہ نشین ہیں۔ ہمیشہ یادِ الٰہی کرتے ہیں۔ دُنیاوی کاروبار سے کچھ تعلّق نہیں رکھتے" پھر جب مَیں بہادر حسین واپس گیا۔ تو ایک نمبردار کے پاس مسیح موعود علیہ السلام کی تعریف جو حافظ صاحب سے سُنی تھی کی۔ (یہ بات قابل ذکر ہے کہ اُسوقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کوئی ۲۵، ۳۰ سال کے درمیان ہو گی۔ اور مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ابھی زندہ تھے) آپ نے بھی کہا کہ " وہ بہت نیک ہیں۔ ایک مرتبہ وہ مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کیساتھ اسجگہ آئے تھے۔ یہ گاؤں اُن کی جاگیر تھا۔ اور کہا کہ اسجگہ سے غلّہ بٹائی کو تے تھے۔ مرزا غلام قادر صاحب ہمارے ساتھ کھیلتے تھے۔ اور جو جو کھیلیں ہم کرتے وہ بھی کرتے۔ مگر مرزا غلام احمدؑ صاحب نہ لڑکوں کے ساتھ کھیلتے اور نہ شوخی وغیرہ کی باتیں کرتے۔ بلکہ چُپ چاپ بیٹھے رہتے" ان دونوں کی باتوں سے جو عاجز نے سُنی تھیں، عاجز کے دل میں مرزا صاحب کی مُلاقات کا شوق پیدا کر دیا۔ لیکن جا نہ سکا۔ ... مولوی محمد حسین بٹالوی کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے جایا کرتا تھا۔ مولوی صاحب توحید کے مسائل بیان کرتے تو دل خوش ہوتا۔ قرآن شریف اور حدیث شریف سُنایا کرتے تھے۔ اور اس زمانہ میں مولوی صاحب کو شمس الہند کا لقب ملا ہُوا تھا۔ میرا اُن پر بہت اعتقاد ہو گیا۔ مولوی صاحب کی آمد و رفت قادیان میں حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس ہُوئی۔ اور آپ کی مولوی صاحب تعریف بھی بیحد کیا کرتے کہ ایسا شخص پہلے کبھی نہیں گذرا، خاکسار سُنتا رہتا۔ اور ایک مرتبہ شیخ رحیم بخش صاحب

نمبردار موضع بہادر حسین کی گواہی

شیخ رحیم بخش صاحب والد مولوی محمد حسین بٹالوی کی گواہی۔

مولوی صاحب کے والد قادیان سے ہو کر آئے تھے۔ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے۔ یہ عاجز بھی جمعہ پڑھنے گیا۔ شیخ صاحب سے حضرت مرزا صاحب کا حال پوچھا۔ لیٹے لیٹے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا۔ کہ مرزا صاحب کا کیا حال پوچھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا سینہ نور سے بھر دیا ہے۔ (اسکے علاوہ) اور لوگ بھی تعریف کرتے تھے۔ عاجز کے دل میں آپکی خدمت میں جانے کا شوق ہوا۔ جب حضور کے پاس پہنچا۔ تو حضورؑ کے اخلاق و عادات رحیمانہ، اور سادگی طبیعت کو دیکھ کر بار بار آنے کا شوق ہوا۔ ..... ایک مرتبہ کا ذکر ہے۔ کہ حضورؑ ایک کمرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ اور خاکسار اُس کمرہ کے دروازہ کے

قرآن کریم سے عشق والہانہ

باہر ایک تخت پوش پر بیٹھا ہوا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ حضورؑ قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے تھے۔ رات کو جو عاجز کی آنکھ کھلی تو کیا سُنتا ہوں۔ کہ حضورؑ چلا چلا کر قرآن شریف کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ جیسے کوئی عاشق اپنے محبوب کی ملاقات کے وقت عشق کا اظہار کرتا ہے۔ حضورؑ کے عشق کی کیفیت عاجز کے بیان سے باہر ہے"۔

اور اس زمانہ میں ایک ہندو جٹ ساکن بوٹر (حضورؑ کے پاس) آیا کرتا تھا۔

تبلیغ اسلام کا جوش

آپ اسلام کی خوبیاں ہر ایک کے پاس بیان کیا کرتے تھے۔ وہ سُن کر مسلمان ہو گیا۔ اور ملاوامل اور شرمپت ہندو بھی آپکے پاس آیا کرتے تھے اُن کے پاس بھی اسلام کی خوبیاں بیان اور برکات اسلام بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ملاوامل ہندو اور میں حضورؑ کے پاس دونو تھے۔ (اسوقت) ملاوامل نے ختم اللہ علیٰ قلوبھم کی آیت پڑھی۔ پھر وہ چلا گیا۔ میرے دل میں اس کے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔ کہ یہ تو اسلام کے قریب ہے۔ ظاہر کیوں نہیں ہوتا۔ اسکی دکان پر پہنچا۔ وہ خط لکھ رہا تھا۔ اس میں لعنت اللہ لکھا۔ میں نے کہا۔ لعنت کرنی اسلام میں

جائز نہیں۔ اسنے اسپر قلم پھیر دی۔ اسکے بعد اُس (ملاوامل) نے اپنا واقعہ بیان کیاکہ

حضور کا اعجاز مسیحائی

مَیں تپ دق سے قریب المرگ ہوگیا تھا۔ یوگی حکیم اور ڈاکٹر سب کی رائے تھی۔ کہ صبح یا شام کا مہمان ہے، یعنی مرجائیگا۔ مَیں مرزا صاحب کے پاس گیا۔ اور بہت رویا کہ مَیں نے زندگی کا کچھ نہ دیکھا۔ آپ اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ فرمایا۔ ملاوا۔ تو اچھا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ملاوا اچھا ہوگیا ہے۔ ایک مرتبہ عاجز اور شرمپت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام مسجد اقصیٰ میں تھے۔ آپؑ اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ ساتھ ساتھ ہم بھی پھرتے تھے۔ شرمپت کو حضورؑ نے

اظہار غیب

مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ شرمپت مجھ کو الہام ہوا ہے۔ کہ ملاوامل یہودا اسکریوطی ہے۔ اور یہودا اسکریوطی وہ تھا جس نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو پکڑوا دیا تھا۔ یہ ہمارا دوست ہے، اس کو نہ بتانا۔ شاید یہ الفاظ سنکر رنجیدہ ہوگیا۔ لیکن یہ فرمایا کہ تاریخ اور الہام لکھ رکھو۔ اسکے ایک مدت کے بعد ملاوا آپ کا سخت مخالف ہوگیا تھا۔ الخ

(الحکم ۱۴ ارجون ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۰)

اسی طرح حضور انور کی نوجوانی کے دنوں کے متعلق مولوی ظفر علی خان صاحب کے والد صاحب منشی سراج الدین صاحب کے تاثرات بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

منشی سراج الدین صاحب والد مولوی ظفر علی خان صاحب ایڈیٹر زمیندار

یہ صاحب ۱۸۷۷ء میں قادیان آئے تھے۔ اور آپنے حضرت اقدس کا رنگ ڈھنگ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے تاثرات حضورؑ کی وفات پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر فرمائے تھے:۔

"مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے ۲۶ مئی کی صبح کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم ضلع گورداسپور کے ایک معزز خاندان کے رُکن تھے۔ ہمیں انکے

والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ خان صاحب اور ان کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب مرحوم سے بھی تعارف کی عزت حاصل تھی۔ مرزا غلام مرتضیٰ صاحب اعلیٰ پایہ کے طبیب بھی تھے، رئیس بھی تھے، اور صاحبِ رسوخ بھی تھے۔ چنانچہ مفسدہ ۱۸۵۷ء میں آپ نے گورنمنٹ کو کسی قدر فوجی امداد بھی دی تھی۔ مرزا غلام قادر صاحب کو جب ہم نے دیکھا وہ سپرنٹنڈنٹ دفتر فارسی ضلع گورداسپور تھے۔ مرزا غلام احمد صاحب

جوانی میں شان اتقا

۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اُس وقت آپکی عمر ۲۲ و ۲۳ سال ہوگی۔ اور ہم چشمدید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی (آپ) نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔ عوام سے

عبادت میں استغراق۔

کم ملتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں ہمیں ایک شب قادیان میں آپکے یہاں مہمانی کی عزت حاصل ہوئی۔ ان دنوں میں بھی آپ عبادت اور وظائف میں اسقدر محو و مستغرق تھے۔ کہ مہمانوں سے بھی بہت کم گفتگو کرتے تھے۔ ۱۸۸۱ء یا ۱۸۸۲ء میں آپنے براہین احمدیہ کی تصنیف کا اعلان دیا اور ہم اُن خریداروں میں سے تھے" الخ (اخبار زمیندار مئی ۱۹۰۸ء)

مولوی سید میر حسن صاحب سیالکوٹی

یہ صاحب سیالکوٹ کے باشندے، عربی، فارسی کے ماہر، سر سید کے مداح اور سر محمد اقبال کے اُستاد تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب ۱۸۶۴ء کے قریب بسلسلہ ملازمت سیالکوٹ میں بایام جوانی قیام فرما تھے۔ تو یہ صاحب حضورؑ سے ملتے رہتے تھے۔ جب ان سے حضورؑ کے متعلق دریافت کیا گیا، تو آپ نے اُسوقت کے تأثرات بایں الفاظ قلمبند کر کے قادیان بھجوائے:-

عزلت پسندی اور پارسائی۔

"حضرت مرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا، اور فضول و لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اسواسطے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے۔ آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ لالہ بھیم سین صاحب وکیل جن کے نانا ڈپٹی متھن لال صاحب بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے، ان کے بڑے رفیق تھے۔ اور چونکہ بٹالہ میں مرزا صاحب اور لالہ صاحب آپس میں تعارف رکھتے تھے۔ اس لئے سیالکوٹ میں بھی ان سے اتحاد کامل رہا پس سب سے کامل دوست مرزا صاحب کے اگر اس شہر (سیالکوٹ) میں تھے تو لالہ صاحب ہی تھے۔ اور چونکہ لالہ صاحب سلیم طبع، اور لیاقت زبان فارسی اور ذہن رسا رکھتے تھے۔ اس سبب سے بھی مرزا صاحب کو علم دوست ہونے کے باعث ان سے بہت محبت تھی۔ مرزا صاحب کی علمی لیاقت

انکشاف لیاقت و فضیلت

سے کچہری والے آگاہ نہ تھے۔ مگر چونکہ اسی سال کے اوائل گرما میں ایک عرب نوجوان محمدؐ صالح نام شہر میں وارد ہوئے۔ اور اُن پر جاسوسی کا شُبہ ہوا، تو ڈپٹی کمشنر صاحب نے (جن کا نام پرکسن تھا اور پھر وُہ آخر میں کمشنر راولپنڈی کی کمشنری کے کمشنر ہو گئے تھے) محمدؐ صالح کو اپنے محکمہ میں بغرض تفتیش حالات طلب کیا۔ ترجمان کی ضرورت تھی۔ مرزا صاحب چونکہ عربی میں کامل استعداد رکھتے تھے۔ اور عربی زبان میں تحریر و تقریر بخوبی کر سکتے تھے۔ اس واسطے مرزا صاحب کو بُلوا کر حکم دیا۔ کہ جو جو بات ہم کہیں عرب صاحب سے پوچھو۔ اور جو جواب وہ دیں وہ اُردو میں ہمیں لکھواتے جائیں۔ مرزا صاحب نے اس کام کو کما حقہ، ادا کیا۔ اور آپ کی لیاقت لوگوں پر منکشف ہوئی۔ ..... مرزا صاحب کو اس زمانہ میں

غیر مذاہب والوں سے مباحثہ کا شوق

بھی مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ پادری الائشہ صاحب جو دیسی پادری تھے۔ اور حاجی پورہ سے جانب جنوب

کی کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے، مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے کہا کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجیئے۔ پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی، اور مباحثہ ختم کر بیٹھے اور کہا۔ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔ پادری بٹلر صاحب ایم، اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے۔ مرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہوا۔ یہ صاحب موضع گوبلور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ پادری صاحب فرماتے تھے کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ بہتر تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور آدم کی شرکت سے جو گنہگار تھا بری رہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے؟ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درخت ممنوعہ کا پھل کھایا اور گنہگار ہوا پس چاہیئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اسپر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔

پادری بٹلر صاحب مرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے، اور بڑے ادب سے ان سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو مرزا صاحب سے بہت محبت تھی چنانچہ جب پادری صاحب ولائت جانے لگے، تو مرزا صاحب کی ملاقات کیلئے کچہری تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں مرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا چونکہ میں وطن جانے والا ہوں۔ اس واسطے ان سے آخری ملاقات کرونگا چنانچہ جہاں مرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے۔ اور فرش پر بیٹھے رہے۔ اور ملاقات کر کے چلے گئے۔

چونکہ مرزا صاحب پادریوں کے ساتھ مباحثہ بہت پسند کرتے تھے۔ اسواسطے مرزا شگفتہ تخلص نے جو بعد ازاں موحد تخلص کیا کرتے تھے، اور مراد بیگ نام جالندھر کے

رہنے والے تھے۔ مرزا صاحب کو کہا کہ سیّد احمدؐ خان صاحب نے توراۃ اور انجیل کی تفسیر لکھی ہے۔ آپ ان سے خط وکتابت کریں۔ اس معاملہ میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے سرسیّد کو عربی میں خط لکھا۔

کچہری کے منشیوں سے شیخ الہ داد صاحب مرحوم سابق محاسب دفتر سے بہت انس تھا۔ اور نہایت پکّی اور سچّی محبّت تھی۔ شہر کے بزرگوں سے ایک مولوی صاحب محبوب عالم نام سے جو عزت گزیں اور بڑے عابد اور پارسا نقشبندی طریق کے صُوفی تھے، مرزا صاحب کو دلی محبّت تھی۔ . . . . . چُونکہ مرزا صاحب ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اسواسطے آپ نے مختاری کے امتحان کی طیاری شروع کردی۔ اور قانونی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ پر امتحان میں کامیاب نہ ہُوئے۔ اور کیونکر ہوتے۔ وُہ دنیوی اشغال کے لئے بنائے نہیں گئے تھے۔ سچ ہے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند

مدرسی وملازمت سے کراہت

ان دنوں میں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہُوئی تھی۔ اس میں عربی اُستاد کی ضرورت تھی، جس کی تنخواہ ایک سَو روپیہ ماہوار تھی۔ میںنے ان کی خدمت میں عرض کی۔ آپ درخواست بھیج دیں۔ چونکہ آپکی لیاقت عربی زباندانی کی نہایت کامل ہے۔ آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائینگے۔ فرمایا۔ کہ مَیں مدرسی کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں۔ اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا کرتے ہیں۔ مَیں اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم۔ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے نیک باطن تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے پُوچھا۔ کہ انبیاءؑ کو احتلام کیوں نہیں ہوتا؟ آپ نے فرمایا۔ کہ چُونکہ انبیاءؑ سوتے جاگتے پاکیزہ خیالوں کے سوا کچھ نہیں رکھتے۔ اور ناپاک خیالوں کو دِل میں آنے نہیں دیتے۔ اسواسطے

ان کو خواب میں بھی احتلام نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ لباس کے بارہ میں ذکر ہو رہا تھا۔ ایک کہتا کہ بہت کھلی اور وسیع موہری کا پاجامہ اچھا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہندوستانی اکثر پہنتے ہیں۔ دوسرے نے کہا کہ تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ مرزا صاحب نے فرمایا کہ بلحاظ ستر عورت تنگ موہری کا پاجامہ بہت اچھا اور افضل ہے۔ اور اس میں پردہ زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی تنگ موہری کے باعث زمین سے بھی ستر عورت ہو جاتا ہے۔ سب نے اس کو پسند کیا۔

آخر مرزا صاحب نوکری سے دل برداشتہ ہو کر استعفا دیکر ۱۸۶۸ء میں یہاں سے تشریف لیگئے۔ ایک دفعہ ۱۸۷۷ء میں آپ تشریف لائے۔ اور لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ اور بتقریب دعوت حکیم حسام الدین صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔ اسی سال سر سید احمد خان غفرلہ نے قرآن شریف کی تفسیر شروع کی تھی۔ تین رکوع کی تفسیر یہاں میرے پاس آچکی تھی۔ جب میں اور شیخ الہ داد صاحب مرزا صاحب کی ملاقات کے لئے لالہ بھیم سین صاحب کے مکان پر گئے۔ تو اثناء گفتگو میں سر سید صاحب کا ذکر شروع ہوا۔ اتنے میں تفسیر کا ذکر بھی آگیا۔ راقم نے کہا کہ تین رکوعوں کی تفسیر آگئی جس میں دعاء اور نزول وحی کی بحث آگئی ہے۔ فرمایا۔ کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں۔ جب دوسرے دن وہاں گئے۔ تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سُنے۔ اور سُنکر خوش نہ ہوئے، اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔ اس زمانہ میں مرزا صاحب کی عمر راقم کے قیاس میں تخمیناً ۲۴ سے کم اور ۲۸ سے زیادہ نہ تھی۔ غرضیکہ ۱۸۶۴ء میں آپ کی عمر ۲۸ سے تجاوز نہ تھی۔"

راقم میر حسن (منقول از حیاۃ النبی)

اس کے بعد پھر ایک خط میں مولوی صاحب موصوف نے حضورؑ کے متعلق یہ لکھا کہ "چونکہ عرصہ دراز ہو گیا ہے۔ اور اُس وقت یہ باتیں چنداں قابلِ توجہ اور التفات

نہیں خیال کی جاتی تھیں، اس واسطے اکثر فراموش ہوگئیں جو یاد کرنے میں بھی یاد نہیں آتیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادنیٰ تامل سے بھی دیکھنے والے پر واضح ہوتا تھا کہ حضرت اپنے ہر قول و فعل میں دوسروں سے ممتاز ہیں۔

بے نظیر خشوع و خضوع حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں جو اس عاصی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے، عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے۔ تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر کھڑے ہوکر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے۔ زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ حسب عادت زمانہ صاحبِ حاجات جیسے اہلکاروں کے پاس جاتے ہیں، ان کی خدمت میں بھی آجایا کرتے تھے۔ اسی عمرا مالک مکان کے بڑے بھائی فضل الدین نام کو جو فی الجملہ محلہ میں موقر تھا۔ آپ بلاکر فرماتے۔ میاں فضل الدین ان لوگوں کو سمجھا دو کہ یہاں نہ آیا کریں۔ نہ اپنا وقت ضائع کیا کریں اور نہ میرے وقت کو برباد کیا کریں۔ مَیں کچھ نہیں کر سکتا۔ مَیں حاکم نہیں ہوں جتنا کام میرے متعلق ہوتا ہے کچہری میں ہی کر آتا ہوں۔ فضل الدین ان لوگوں کو نکال دیتے۔" الخ (سیرۃ المہدی حصہ اول)

پھر ایک دفعہ جبکہ حضرت عرفانی صاحب ایڈیٹر الحکم مولوی صاحب موصوف کی خدمت میں سیالکوٹ حاضر ہوئے۔ تو اُس وقت آپ نے چشم پُرآب ہوکر فرمایا کہ

"افسوس! ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ ان کے کمالات رُوحانی کو بیان نہیں کر سکتا۔ ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی۔ بلکہ وہ اُن لوگوں میں سے تھے۔ جو خدا تعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں۔ اور دُنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔" (الحکم ۷ اپریل ۱۹۳۴ء)

پادری بٹلر ایم۔ اے کی شہادت

مولوی صاحب موصوف نے اپنے تاثرات میں جس پادری کا ذکر فرمایا ہے اس کے متعلق یہ بھی سنا گیا ہے۔ کہ یہ پادری صاحب سکاچ مشن سیالکوٹ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور حضرت اقدسؑ سے ان کو بڑی ارادت تھی۔ وہ حضرت اقدسؑ کے پاس چھٹی کے وقت دفتر میں آپؑ کو لینے آجاتا۔ اور آپؑ کے معمولی مکان (واقعہ سیالکوٹ) میں گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ پادریوں کو یہ امر ناگوار گذرا۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ آپ کے اس فعل سے آپ کی اور مشن کی خفّت ہے۔ آپ وہاں نہ جایا کریں۔ مگر پادری صاحب نے بڑی نرمی سے جواب دیا کہ:۔

"یہ عظیم الشان آدمی ہے۔ تم اس کو نہیں سمجھتے۔ مَیں سمجھتا ہُوں"

(الحکم ۷ر اپریل ۳۴ء)

میاں بوٹا کشمیری کی گواہی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے مکان واقعہ محلہ کشمیریاں سیالکوٹ میں حضرت اقدس مدت تک قیام پذیر رہے۔

قیام سیالکوٹ کے متعلق میاں بوٹا کی گواہی

چوہدری عبدالسلام صاحب کاٹھ گڑھی کی روایت ہے۔ کہ "۷ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو مَیں سیالکوٹ برائے تبلیغ پہنچا۔ تو میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ چونکہ دعویٰ سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام سیالکوٹ میں رہے ہیں۔ اس لئے وہ مکان دیکھنا چاہیئے جس میں حضورؑ رہتے تھے۔ اور حالات دریافت کرنے چاہئیں۔ چنانچہ ایک

رہائش گاہ کی بے حیثیتی۔ احمدی دوست کو ساتھ لیکر مَیں گیا۔ وہ مکان محلہ کشمیریاں میں واقعہ ہے۔ اور جامع مسجد احمدیہ کے نزدیک ہے۔ اور ایک معمولی سی کوٹھڑی

ہے۔ جس کے آگے ایک چھوٹا سا صحن ہے۔ اِرد گرد کے مکانات سے بہت کم حیثیت کا ہے۔ جس سے حضرت مسیح موعود کی کمال سادگی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس مکان کے پڑوس میں میاں بوٹا صاحب کشمیری رہتے ہیں۔ جو بیان کرتے ہیں۔ کہ

"حضرت مرزا صاحبؑ ہمارے ہی مکان میں رہتے تھے۔ آپؑ اس زمانہ میں ہمارے مکان میں دس سال کے قریب رہے، آپؑ کا کھانا پکانے والا ایک ملازم تھا۔ آپؑ جب کچہری سے آتے، تو اپنے مکان کا دروازہ بند کر لیتے۔ کوئی آدمی اُن کے پاس ملنے کے لئے نہیں آتا تھا۔ اور نہ وہ کسی کے پاس جایا کرتے تھے۔ اس کوچہ میں رہنے کے باعث لوگ تو انہیں جانتے تھے۔ مگر وہ کسی کو نہ جانتے تھے۔ میاں بوٹا صاحب

اعجازِ مسیحائی

کشمیری نے یہ بھی بیان کیا۔ کہ مَیں تو ان کو ولی اللہ جانتا ہوں۔ ایک دفعہ میرے والد صاحب بیمار ہو گئے۔ تمام ڈاکٹر اور حکیم جواب دے چکے۔ لیکن ہم نے حضرت مرزا صاحب کو بُلایا۔ آپ نے دُعاء فرمائی۔ اور کچھ علاج بھی بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی

قبولیت دُعاء

دُعا سے میرے والد صاحب کو شفا دی۔ اور بہت سی دُعائیں ہمارے حق میں قبول ہوئیں۔ حضرت مرزا صاحب دعویٰ کے بعد جب سیالکوٹ آیا کرتے تو مجھے بلاتے اور بہت محبت کیا کرتے تھے۔ اور گھر کی خیر و عافیت دریافت فرمایا کرتے تھے۔ جب حضرت مرزا صاحب ہمارے مکان میں رہتے تھے۔ تو مکان کے صحن میں ٹہلتے رہتے اور قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے۔"

(عبدالسلام کاٹھ گڑھ (الفضل ۸ر اکتوبر ۲۵ء))

حکیم مظہر حسین سیالکوٹی کی شہادت

اس کے علاوہ ایک اور شخص حکیم مظہر حسین جو سیالکوٹ ہی کا باشندہ تھا۔ اور جو حضور کے حال اور قال سے اچھی طرح واقف تھا۔ مگر شامت اعمال سے بعد میں

آپ کا دشمن عنید ہوگیا تھا۔ اور اسی دشمنانہ حالت میں اس نے ناول کے طور پر حضرت اقدس کی پیشگوئیوں پر اعتراض کئے۔ اور آخر اُس نے اپنے کئے کا نتیجہ بھی بھگت لیا۔ مگر باوجودیکہ اس نے نہایت سفیہانہ حملے کئے۔ اور سوقیانہ طریقِ اعتراض اختیار کیا۔ تاہم وہ حضرت اقدس ؑ کے متعلق یہ لکھنے پر مجبور ہوا کہ :۔

"ثقہ صورت، عالی حوصلہ اور بلند خیالات کا انسان اپنی علو ہمتی کے مقابل کسی کا وجود نہیں سمجھتا۔ اندر قدم رکھتے ہی وضو کے لئے پانی مانگا۔ اور وضو سے فراغت پا نماز ادا کی۔ وظیفہ میں تھے۔"

"درود، وظائف کا لڑکپن سے شوق ہے۔ مکتب کے زمانہ میں تحفہ ہند، تحفۃ الہنود، حلفت ہنود، وغیرہ کتابیں۔ اور سُنّی اور شیعہ اور عیسائی مناظرہ کی کتابیں دیکھا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ آپکا ارادہ تھا۔ کہ کُل مذاہب کے خلاف اسلام کی تائید میں کتابیں لکھکر شائع کریں۔" (الحکم، ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ء)

میاں امام الدین صاحب سیکھوانی کے تأثرات

جن دنوں حضور علیہ السلام ملازمت چھوڑ کر سیالکوٹ سے قادیان واپس تشریف لے آئے تھے۔ انہی دنوں کے متعلق میاں امام الدین صاحب جو کہ موضع سیکھواں (متصل قادیان) کے رہنے والے ہیں۔ اور گاہے گاہے قادیان آیا کرتے تھے۔ اُس وقت کے قادیان اور حضور علیہ السلام کے متعلق اپنے تأثرات بایں الفاظ رقم فرماتے ہیں۔ کہ

اہالیان قادیان کی حالت،

"قادیان میں میرے ننہال تھے۔ اس لئے میں یہاں لڑکپن سے ہی آتا تھا۔ اس وقت قادیان کی یہ حالت تھی۔ کہ نہایت بے رونق بستی تھی۔ بازار خراب ہوتے تھے۔ اور کثرت سے قمار بازی ہوتی

تھی۔ گویا یہ ایک پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ ہنسی اور ٹھٹھا سے بات ہوتی تھی۔ کوئی بھی خدا کو نہیں جانتا تھا۔ میاں جان محمدؐ صاحب مرحوم امام مسجد تھے۔ وہ اکیلے ہی نمازی تھے۔ وہ حضرت صاحب کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ وہ ہمارے ماموں تھے۔ میں نے کچھ تو ان سے حضرت صاحب کے متعلق سُنا اور کچھ عام لوگوں سے سُنا کہ حضرت مرزا صاحب اندر ہی رہتے ہیں۔ باہر نہیں نکلتے۔ اس سبب سے مجھے محبت ہوئی۔ اور حضرت صاحب کے مکان پر میری آمد و رفت ہو گئی۔ اس وقت آپ ایک کوٹھڑی میں ہی رہتے تھے۔ جو بیت الفکر کے نام سے کتابوں میں موسوم کیگئی ہے۔ جب کبھی مَیں جاتا۔ تو آپ ٹہلتے ہی نظر آتے تھے۔ یا کچھ لکھتے رہتے تھے۔ اسوقت کچھ صحن ہوتا تھا۔ آپ وہاں ٹہلتے تھے۔ میں جب جاتا تو کبھی بیٹھ جاتا۔ اور کبھی آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا رہتا۔ جو نہایت روشن ہوتا تھا۔ گویا خاص طور پر نور الٰہی چمکتا تھا۔ آپ اس زمانہ میں براہین احمدیہ لکھتے تھے۔ پھر آپ کے اشتہارات بھی نکلتے رہتے تھے۔ مگر مَیں اسوقت کچھ پڑھا ہوُا نہیں تھا۔ کچھ باتیں اپنے بڑے بھائی جمال الدین صاحب سے سُنا کرتا تھا۔ کہ آج حضرت صاحب نے فلاں مذہب یعنی عیسائیت وغیرہ کے خلاف اشتہار دیا ہے۔ کیونکہ وہ مجھ سے عمر میں بڑا تھا۔ اِسواسطے اس کی آمد و رفت مجھ سے پہلے کی تھی۔ اور وہ مجھ سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ وہ جب جاتا تو نماز مسجد اقصیٰ میں پڑھا کرتا تھا۔ حضرت اقدس بھی گاہے گاہے اِس مسجد میں آکر نماز پڑھا کرتے تھے۔ امام میاں جان محمدؐ مرحوم ہوُا کرتے تھے کبھی کبھی آپ بھی نماز پڑھاتے تھے۔ اسوقت کوئی نمازی نہیں ہوتا تھا حضورؑ کے مضامین اس زمانہ میں بہت کثرت سے نکلتے تھے۔ جن سے حضورؑ کی شہرت بہت ہوُئی۔ پھر جب کبھی مَیں جاتا، اور حضورؑ کے پاس جاتا، تو مجھے آپؑ کی محبت کے سوا کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا"

(الحکم ۷ راکتوبر ۳۵ء)

قادیان کی بے رونقی اور زبوں حالی اور حضرت انور کی تنہائی و گمنامی کے متعلق پیر سراج الحق صاحب نے بھی اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں:-

صاحبزادہ پیر سراج الحق نعمانی مرحوم

حضرت پیر صاحب مرحوم ۱۸۸۲ء میں قادیان اسوقت تشریف لائے۔ جبکہ ابھی حضور انور حالت گمنامی میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور قادیان بھی گمنامی و بے رونقی کا شکار تھا۔ اور یہی وہ وقت ہے جبکہ خدا تعالیٰ سے خبر پاکر حضور نے اپنی اور قادیان کی شہرت، ترقی اور کامیابی کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ جو دلیل ہے آپ کے منجانب اللہ اور راستباز ہونے کی۔

۱۸۸۲ء میں آپ کی اور قادیان کی حالت

"۱۲۹۸ھ ہجری مطابق ۱۸۸۲ء میں جب خاکسار بمقام قادیان حضرت اقدس .... کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا، تو یہ مقام قادیان ایسا بے رونق تھا کہ جس کے بازار خالی پڑے تھے۔ اور بہت کم آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔ بعض دوکانیں ٹوٹی پھوٹی اور بعض غیر آباد خالی پڑی تھیں۔ اور دو تین یا کم و بیش دوکانیں نون مرچ کی تھیں۔ وہ ایسی کہ اگر چار پانچ آنے کا مصالحہ خریدنے کا اتفاق ہو، تو ان دوکانوں سے بجز دو چار پیسہ کے نہیں مل سکتا تھا۔ اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں کیواسطے بٹالہ جانا پڑتا تھا۔ علیٰ ہذالقیاس اور چیزوں کا بھی یہی حال تھا۔ دو دوکان حلوائیوں کی بھی تھیں۔ لیکن اُن کی بے رونقی اور کم مائیگی کا یہ حال تھا کہ شائد دو تین پیسہ کی ریوڑیاں گڑ کی جن سے دانتوں کے بھی ٹوٹنے کا احتمال ہو۔ اگر کوئی خریدے تو خریدے ورنہ اور مٹھائی کے لئے مصالح کی طرح بٹالہ ہی یاد آئے۔ مجھے ابتک وہ دُکان یاد ہے۔ کہ جس میں کسی قدر نون مرچ اور کچھ تیل کے علاوہ دو چار تھان کپڑے کے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک تھان گاڑھے اور ادھوڑ کا جس کو پنجاب میں کھدر کہتے ہیں۔ اور ایک دو تھان گھٹیل قند سُرخ کے جس کو الوان بھی کہتے ہیں۔ اور

شائد ایک دو دکان نکمی سی سُوسی اور بھدی سی چھینٹ کے رکھے ہوئے تھے جنکو جٹیوں کے سوا اور کوئی خریدنے کا نام تک نہ لے۔ اناج کی منڈی، سبزی کی منڈی یا اور اس قسم کے فواکہ اور میوے کا تو ذکر کیا گھی، چاول، دُودھ کمیاب، اور دیگر اشیاء ضروری مفقود۔ قصائی کی ایک دوکان ایسی تھی، کہ اگر قصاب اپنی شامت سے ایک بکرا کرلیتا، تو وہ بکرا اُس کی جان کا وبال ہوجاتا تھا۔ اگر گرمیوں کا موسم ہے۔ تو گل سڑ کر خراب ہوگیا۔ اور جو سردیاں ہوئیں۔ تو چار پانچ روز تک رکھکر کچھ یہاں کچھ دیہات میں اناج کے بدلے۔ بمشکل تمام بیچ کھوچ کر پُورا کیا۔ جس میں نفع نقصان برابر سرابر۔ کچھ مکان یہاں پختہ بھی تھے، مگر بے رونق۔ جب چھوٹی چھوٹی ضرورت کیلئے سات کوس بٹالہ جانا پڑتا تھا۔ تو اسپر انسان خود قیاس کر سکتا ہے کہ قادیان میں کیسی رونق ہوگی۔ گو اس سے پہلے کسی زمانہ میں قادیان پُر رونق تھا جس میں کئی سَو حافظِ قرآن اور علماء و فضلاء کا مجمع رہتا تھا۔ اور اس لحاظ سے اس کا نام اِسلام پُور تھا۔ اور قادیان کے اردگرد کے رہنے والے اس کو مکہ خورد کہا کرتے تھے۔ لیکن وہ ایک دُور دراز کا زمانہ تھا جسکو ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔ اس ترقی کے بعد اسپر ایسا تنزل آیا۔ گویا قادیان ایک بے حیثیت گاؤں کی طرح ہوگیا پس جس طرف دیکھو کچے مکان اور بے مرمت مکان پڑے تھے۔ ہاں حضرت اقدس و اکرم کا مکان پختہ تھا، یا آپ کے بڑے بھائی کا لیکن وہ کچے مکانوں کی طرح مکان تھے۔ جو بعض حصہ انکا زمین دوز تھا۔ اندر کا پانی باہر جانا برسات میں دشوار تھا۔ جس کا نمونہ ابتک موجود ہے کہ حضرت اقدسؑ کے مکان کے ملحق مرزا غلام قادر صاحب مرحوم کا مکان ہے۔ حضرت اقدسؑ جس مکان میں جلوہ افروز تھے، وہ ایک چھوٹا سا حُجرہ تھا، اور اب بھی ہے۔ اِس میں دس پندرہ آدمیوں کے سوا زیادہ نہیں آسکتے تھے۔ اس حُجرہ کا نام بیت الفکر ہے۔ اور اسکے دیوار بدیوار ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اور وہ اب بھی ہے

جس کا نام بیت الذکر ہے، جس کا ذکر براہین احمدیہ میں درج ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اس مسجد کا نام مُبارک رکھا ہے۔ اور ایک الہام بھی اس کی نسبت ہے۔ جس میں تاریخ بنائے تعمیر نکلتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ مبارک و مبارک وکل امر مبارک یجعل فیہ۔ اور اس حجرے کے آگے ایک دالان تھا۔ اور نیچے کے مکان میں بھی ایک دالان تھا۔ اور ایک دو مکان اور مختصر سے تھے۔ اور ایک طرف کی عمارت خام بھی۔ اور ایک گول کمرہ تھا جسکو تیار کرایا جاتا تھا یعنی کچھ حصّہ اس کا بن چکا تھا۔ اور کچھ بن رہا تھا۔ اور مسجد مبارک بھی اُسوقت ناتمام تھی یعمار، مزدُور لگ رہے تھے۔ اور اب تو اس مکان میں بہت سے مکان بعمارت پختہ عالیشان بن گئے ہیں۔ آپکے ہاں لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ یہانتک کہ بعض دو دو چار چار یا دس دس کوس کے آدمی بھی آپسے کم واقفیت رکھتے تھے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اُس وقت دو چار نمازی آپکے ساتھ ہوتے تھے اکثر حضرت اقدس نماز پڑھایا کرتے تھے اور کبھی میں ایک ہی مقتدی ہوتا تھا اور آپ امام اور کبھی میں امام اور آپ مقتدی۔ سیر کا بھی یہی حال تھا کہ کبھی ایک دو آدمی ساتھ ہوتے تھے۔ اور کبھی آپ اکیلے ہی سیر کو تشریف لیجاتے تھے۔ ایک دو ہندو اُس زمانہ میں آیا کرتے تھے۔ وہ ہندو آپکے الہامات کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتے تھے، لکھا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ آپکی پیشگوئیوں کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے کہ آیا یہ پیشگوئی پُوری ہُوئی یا نہیں آخرکار انہوں نے صدہا پیشگوئیاں آپ کی پُوری ہوتی دیکھیں۔ مگر خُدا جانے انکے اندر کیا پنہانی معصیت تھی جس کے سبب وہ برکات سے محروم رہ گئے۔ اور اب تک محروم ہیں"۔ (اخبار الحکم)

۱۸۸۲ء میں حضرت اقدس کی حالت گمنامی و تنہائی اور پھر قادیان کی بے رونقی اور زبوں حالی کو دیکھئے۔ اور پھر آپ کی کامیابی اور قادیان کی موجودہ حالت پر نگاہ ڈالیئے

آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ کاروبار انسانی دماغ کا کرشمہ نہیں۔ بلکہ اسکی تہ میں خدائی ہاتھ کام کر رہا ہے کہ جسنے مخالفین کی شدید ترین مخالفت کی موجودگی میں بھی جہاں اپنے محبوب کی شہرت کو چاردانگ عالم میں پھیلا دیا وہاں اس کے گاؤں کو بھی گمنامی سے نکال کر شہرت کے بلند بام تک پہنچا دیا۔ اور یہی وہ انقلاب ہے جو ایک طرف خدائے رحمان کی ہستی کا چمکتا ہوا نشان ہے۔ وہاں آپؑ کی صداقت، راستبازی اور منجانب اللہ ہونے کا روشن اور بدیہی ثبوت ہے۔

حضرت پیر صوفی احمدؐ جان صاحب لدھیانوی کے تاثرات

پیر صاحب موصوف لدھیانہ کے رہنے والے نہایت پاکباطن اور روحانی بصیرت رکھنے والے بزرگ تھے۔ اور آپکے مریدوں کا حلقہ بھی کافی وسیع تھا۔ ملک میں آپ کی عزت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اوصاف حسنہ کو دیکھ کر آپؑ سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ آپ حضرت اقدسؑ کے دعویٰ ماموریت اور سلسلہ بیعت کے شروع ہونے سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔ مگر اپنی خداداد روحانی بصیرت کیوجہ سے حضورؑ کے مقام اور مرتبہ سے خوب واقف تھے۔ اور حضور سے نہایت اخلاص اور محبت رکھتے تھے۔ جب حضورؑ نے براہین احمدیہ شائع کرنا شروع کی تو اس وقت اس کتاب کا پبلک سے تعارف کروانے اور اسکی اشاعت کی تحریک کرنے کے لئے ایک مفصل اشتہار بھی بعنوان "اشتہار واجب الاظہار" شائع فرمایا تھا جس میں اپنی ذاتی مشاہدہ اور مطالعہ کے بعد یہ رائے دی کہ "عالی جناب، فیض رسان، عالم معدن جود و کرم حجۃ الاسلام، برگذیدہ خاص و عام حضرت میرزا غلام احمدؐ صاحب دام برکاتہم رئیس اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب نے ایک کتاب مسمّی براہین احمدیہ سلیس اردو زبان میں جس کی ضخامت

قریب تین سو جزو کے ہے۔ چاروں دفتر جو کہ تقریباً ۳۵ جزو ہیں نہایت خوشخط چھپ بھی گئے ہیں۔ اور باقی وقتاً فوقتاً چھپتے جائینگے اور خریداروں کے پاس پہنچتے رہیں گے۔

یہ کتاب دین اسلام اور نبوت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کی حقانیت کو تین سو مضبوط دلائل عقلی اور نقلی سے ثابت کرتی ہے۔ اور عیسائی، آریہ، نیچریہ، ہنود، اور برہمو سماج وغیرہ جمیع مذاہب مخالف اسلام کو از روئے تحقیق ردّ کرتی ہے۔ حضرت مصنف نے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا ہے کہ اگر کوئی مخالف اسلام یا مکذب اسلام تمام دلائل یا نصف یا خمس تک بھی ردّ کردے۔ تو مصنف صاحب اپنی جائیداد دس ہزار روپے کی اُس کے نام منتقل کردیں گے۔ چنانچہ یہ اشتہار براہین احمدیہ کے حصہ اول میں درج ہے۔ یہ کتاب مشرکین و مخالفین اسلام کی بیخ و بنیاد کو اکھاڑتی ہے۔ اور اہل اسلام کے اعتقادات کو ایسی قوت بخشتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام کیا نعمت عظمیٰ ہے۔ اور قرآن شریف کیا دولت ہے۔ اور دین محمدی کیا صداقت ہے۔ اور آیات قرآن مجید جن کا اس کتاب میں اپنے اپنے موقعوں پر حوالہ دیا گیا ہے۔ ۲۰ سپارہ کے قریب ہیں۔ منکروں کو معتقد اور سُست اعتقادوں کو چُست اور غافلوں کو آگاہ۔ مومنوں کو عارف کامل بناتی ہے۔ اور اعتقادات قویہ اسلامیہ کی جڑ قائم کرتی ہے۔ اور جو وساوس مخالف پھیلاتے ہیں، ان کو نیست و نابود کرتی ہے۔ اس چودھویں صدی کے زمانہ میں کہ ہر ایک مذہب و ملت میں ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے بقول شخصے ؎ دیر و حرم میں کوئی نہیں اپنی راہ پر۔ کافر نئے نئے ہیں مسلماں نئے نئے ایک ایسی کتاب اور ایک ایسے مجدد کی بیشک ضرورت تھی جیسی کہ کتاب براہین احمدیہ اور

اس کے مؤلف جناب مخدومنا مولٰنا میرزا غلام احمدؐ صاحب دام فیوضہٗ ہیں۔ جو ہر طرح سے دعوئے اسلام کو مخالفین پر ثابت فرمانے کے لئے موجود ہیں۔ جناب موصوف عامی علماء اور فقراء میں سے نہیں۔ بلکہ خاص اس کام پر منجانب اللہ مامور اور ملہم اور مخاطب الٰہی ہیں۔ صدہا سچے الہام اور مخاطبات اور پیشگوئیاں اور رویاء صالحہ اور امر الٰہی اور اشارات اور بشارات اجراء کتاب اور فتح و نصرت اور ہدایات امداد کے باب میں زبان عربی، فارسی، اردو، انگریزی وغیرہ میں حالانکہ مصنف صاحب نے ایک لفظ بھی انگریزی کا نہیں پڑھا۔ چنانچہ صدہا مخالفین اسلام کی گواہی سے ثابت کر کے کتاب میں درج کئے گئے ہیں۔ جن سے بخوبی صداقت پائی جاتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مصنف صاحب بیشک امر الٰہی سے اس کتاب کو لکھ رہے ہیں۔ اور صاف ظاہر ہوتا ہے۔ بموجب حدیث نبویؐ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے۔ عَنْ اَبِیْ ھریرۃ قال فیما اَعْلَمُ عَنْ رسول للہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم قال انَّ اللہ عزّ وجلّ یبعث لھٰذہٖ الامۃِ علیٰ راس کُلِّ مایۃِ سنۃٍ من یجدّد لھا دینھا۔ (رواہ ابو داؤد) جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد منجانب اللہ پیدا ہوتا ہے جو تمام مذاہب باطلہ کے ظلمات کو دور کرتا ہے۔ اور دین محمدیؐ کو منور اور روشن کرتا ہے۔ ہزارہا آدمی ہدایت پاتے ہیں۔ اور دین اسلام ترو تازہ ہو جاتا ہے۔ مصنف صاحب اس چودھویں صدی کے مجدّد اور مجتہد اور محدّث اور کامل مکمل افراد اُمّت محمدؐیہ میں سے ہیں۔ اور دوسری حدیث نبوی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یعنی علماء اُمّتی کانبیاء بنی اسرائیل اسی کی تائید میں ہے۔ اس موقعہ پر چند اشعار

فارسی اسی کتاب کے لکھتا ہوں۔ جن کو پڑھ کر ناظرین خود جناب ممدوح کا مرتبہ دریافت فرمالیں گے۔ اور یقین ہے کہ خلوص دل اور صدق عقیدت سے یہ شعر زبانِ حال سے فرمائیں گے۔ کہ

سب مریضوں کی ہے تمہیں پہ نگاہ
تم مسیحا بنو خدا کے لئے

.......حضرت ممدوح نے ایک ہندو بھی روز نامچہ نویس اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ وقتاً فوقتاً جو الہام یا خواب یا کسی واقعہ آئندہ (پیشین گوئی) کا انکشاف یا کوئی اطلاع جناب باری سے ہوتی ہے، اس ہندو سے لکھواتے ہیں۔ اور مخالفین اسلام کی اسپر گواہی کرالیتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے وقت پر پورا ہوجاتا ہے، اسوقت بھی مخالفان اسلام مذہب کو ثبوت دیگر گواہی کرالیتے ہیں۔ اور پھر کتاب میں درج فرماتے ہیں۔ میں بہت سے الہامات اِس کتاب سے لکھ کر اس بات کو ثابت کرسکتا ہوں۔ مگر طوالت سے ڈرتا ہوں ناظرین خود کتاب کو ملاحظہ فرماکر اپنی تسلّی و تشفّی فرمالیں۔

سن شریف حضرت کا قریباً ۴۰ یا ۴۵ سال ہوگا۔ اصلی وطن اجداد کا قدیم ملک فارس معلوم ہوتا ہے۔ نہایت خلیق، صاحبِ مروت وحیا جوان رعنا، چہرہ سے محبّت الٰہی ٹپکتی ہے۔ اے ناظرین۔ میں سچی نیّت اور کمال جوش صداقت سے التماس کرتا ہوں کہ بے شک وشبہ جناب میرزا صاحب موصوف مجدّد وقت، اور طالبان سلوک کے لئے کبریت احمر، اور سنگ دلوں کے واسطے پارس، اور تاریک باطنوں کے واسطے آفتاب، اور گمراہوں کے لئے خضر، اور منکرانِ اسلام کیواسطے سیف قاطع اور حاسدوں کے واسطے حجۃ بالغہ ہیں یقین جانو

کہ پھر ایسا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ آگاہ ہو کہ امتحان کا وقت آگیا ہے۔ اور حجت الٰہی قائم ہو چکی ہے۔ اور آفتاب عالمتاب کی طرح بدلائل قطعیہ ایسا ہادی کامل بھیج دیا ہے کہ سچوں کو نور بخشے اور ظلمات و ضلالت سے نکالے۔ اور جھوٹوں پر حجت قائم کرے۔ تاکہ حق و باطل چھٹ جائے۔ اور خبیث و طیّب میں فرق بیّن ہو جائے۔ اور کھوٹا کھرا پرکھا جائے۔ الخ"

اسکے بعد ہم ایک ایسے شخص کی شہادت یا تأثرات درج کرنا چاہتے ہیں جو اپنے وقت کے علماء میں سے نامور مولوی تھا۔ صاحب رسوخ باعزّت، با اثر اور وسیع شہرت کا مالک تھا۔ اور جو کہ حضور علیہ السّلام کا ہموطن اور ہم مکتب بھی تھا۔ جب حضورؑ نے براہین احمدیہ کتاب شائع کی۔ اور بعض نادان مسلمانوں نے اسپر اعتراض کئے۔ تو یہی پہلا شخص تھا۔ جو مَرد میدان بنکر پبلک میں آیا اور مخالفین کے ہر ایک اعتراض کو کچل کر رکھدیا۔ ہاں یہی شخص جو شومئ قسمت، یا کسی مخفی کبر کے باعث بعد میں سب سے بڑا دشمن بن گیا۔ اپنے رسالہ اشاعت السُنّہ میں براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ اور دیکھئے کس والہانہ اور محققانہ انداز میں لکھتا ہے کہ:۔

ابو سعید مولوی محمد حسین بٹالوی کے تأثرات

ہموطنی و ہم مکتبی | در مؤلف براہین احمدیہ کے حالات سے جسقدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین میں ایسے کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح مُلّا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اس زمانہ سے آجتک ہم میں اور ان میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلات برابر جاری رہی۔

اس لئے ہمارا یہ کہنا کہ ہم ان کے حالات و خیالات سے بہت واقف ہیں مبالغہ قرار نہ دئے جانے کے قابل ہے۔ ہم اسپر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ

کتاب کی بینظیری

میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آجتک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالك امرًا"

(رسالہ اشاعت السنّہ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۷۶)

مؤلف براہین کی مالی جانی، قلمی و حالی نصرت کا اقبال۔

"اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی جانی و قلمی ولسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مُسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایسی کتاب بتا دے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو، اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی ولسانی کے علاوہ نصرت حالی کا بیڑا اُٹھایا ہو۔ اور مخالفین اِسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو۔ کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو۔ وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا غیر اقوام کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"

(رسالہ اشاعت السنّہ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹)

پرہیزگاری و صداقت شعاری

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کے رُو سے (واللّٰہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ اور الہامات مؤلف براہین سے (انگریزی میں ہوں خواہ ہندی و عربی وغیرہ) آجتک ایک بھی جھوٹا نہیں نکلا۔" الخ (جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۸۴)

اِسلام کی بحالی عزّت

"مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزّت رکھ دکھائی ہے۔ اور مخالفین اِسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدّی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر رُوئے زمین پر کردی ہے کہ جس شخص کو اِسلام کی حقانیت میں شک ہو، وہ ہمارے پاس آئے۔ اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ و معجزات نبویہ محمدیہ (جس سے وہ اپنے الہامات و خوارق مُراد رکھتے ہیں)، بچشم خود ملاحظہ کرلے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب ہم اس ریویو کو اس دُعا پر ختم کرتے ہیں۔ اے خدا اپنے طالبوں کے راہنما اُن پر اُن کی ذات سے اُنکے ماں باپ سے تمام جہاں کے مشفقوں سے زیادہ رحم فرما۔ تو اِس کتاب کی محبّت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے۔ اور اس کے برکات سے اُنکو مالا مال کردے۔ اور کسی اپنے صالح بندہ کے طفیل اس خاکسار، شرمسار، گنہگار کو بھی اپنے فیوض و انعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیضیاب کر آمین۔ وللارض من کاس الکرام نصیب۔"

(رسالہ اشاعت السُنّۃ جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۳۴۸)

حضرت مولوی حکیم نورُالدّین رضؓ صاحب کے تاثرات

اِس کے بعد ہم محمد حسین سے بھی کہیں زیادہ عالم، فاضل، زیرک، دانا، فہیم، اور صاحب فراست اور جو کہ اپنے علمی و رُوحانی کمالات کے باعث اپنے تمام معاصرین سے ہر رنگ میں فائق تھا۔ اس کے تاثرات نقل کرتے ہیں کہ جس کا نام نامی و اسم گرامی نورُالدّین رضؓ تھا۔ ہاں وہ نورالدین جس کو خود سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عالم رویاء میں فرمایا کہ "تو مجھے محبوب ہے۔"

وہ نورالدین جس کے متعلق مسلمانوں کے مسلّمہ لیڈر سر سیّد احمد خان نے اپنے

خط میں لکھا کہ "۔۔۔ جاہل جب پڑھکر ترقی کرتا ہے تو پڑھا لکھا کہلاتا ہے۔ مگر جب اور ترقی کرتا ہے تو فلسفی بننے لگتا ہے۔ پھر ترقی کرے تو اُسے صُوفی بننا پڑتا ہے۔ جب یہ ترقی کرے تو کیا بنتا ہے۔ سو اس کا جواب اپنے مذاق کے مواقف عرض کرتا ہوں کہ جب صوفی ترقی کرتا ہے، تو مولانا نورالدین ہو جاتا ہے۔"

...(الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۳ء) [?]

ہاں وہ نورالدین جس کے متعلق خدا کا مسیحؑ رقمطراز ہے کہ:۔

فھو کحدقتہ العیون فی العُلماء { وہ علماء میں حلقۂ آنکھ کی طرح ہے
وفی فلک الحکمۃ کالشمس البیضاء { اور حکمت میں آفتاب درخشاں ہے

(التبلیغ عربی)

ہاں یہی نورالدین اعظم جب حضورؑ کے کمالات کا شہرہ سُنتا ہے، اَور دِل میں آپؑ کی زیارت کی تمنا کی چٹکیاں لینے لگتی ہے، تو کارِ مفوضہ کو چھوڑ چھاڑ کر قادیان آتا ہے۔ اور یہاں آکر جو کچھ دیکھتا ہے، وہ اسی کے کلام بلاغت نظام سے معلوم کر لیجئے۔

"میں جب پہلے پہل قادیان میں آیا، تو یکّہ بان نے مجھے مرزا امام دین کی طرف رہنمائی کی کہ یہی مرزا صاحب ہیں[۱]۔ اس کو دیکھتے ہی میرے قلب پر کچھ ایسا انقباض طاری ہوا کہ میں نے کہا کہ اگر یہ مرزا صاحب ہیں تو تم ٹھہرو۔ مَیں ابھی واپس جاؤنگا۔ وہاں میں بیٹھ گیا، مگر بادل نخواستہ۔ اُس نے (امام دین) خود ہی کہا کہ آپ مرزا صاحب کو ملنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میری جان میں جان آئی اور مَیں نے خدا کا شکر کیا۔ (کہ میرا مطلوب مرزا یہ نہیں کوئی اور ہے۔ ناقل) ایک آدمی میرے ساتھ گیا۔ اور مَیں آپکے مکان پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ آپ عصر کے وقت مل سکینگے۔ چنانچہ آپ اسوقت سیڑھیوں سے اُترے تو مَیں نے دیکھتے ہی دل میں کہا کہ بس یہی مرزا ہے اور اسپر مَیں

---

[۱] یہ شخص حضرت اقدس کا رشتہ دار تھا۔ مگر اباحتی، اور دین سے بے بہرہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے۔ نورالدین اعظم کو انقباض ہوا۔ (مؤلف)

سارا ہی قربان ہو جاؤں۔ (واپسی پر) آپ دُور تک میرے ساتھ چلے گئے۔ اور مجھے یہ بھی فرمایا کہ امید ہے کہ آپ جلد واپس آجائیں گے۔ حالانکہ مَیں ملازم تھا اور بیعت وغیرہ کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ پھر مَیں آگیا۔ اور ایسا آیا کہ یہیں کا ہو رہا۔ مومن میں ایک فراست ہوتی ہے۔" (الحکم، فروری ۱۹۱۰ء صٹ)

اُور اسی مومنانہ فراست کی بدولت اس باکمال انسان نے خدا کے مسیح کو دیکھتے ہی اپنا دل اپنا مال اپنی عزت اپنی دولت الغرض سبھی کچھ نذر کر دیا۔ اور اس ملاقات کے بعد اپنے محبوب آقا کی خدمت میں دلی عقیدت و ارادت کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ :-

عقیدت و ارادت

"مولنا، مُرشدنا، امامنا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عالیجناب، میری دُعا، یہ ہے کہ ہر وقت حضور کی جناب میں حاضر رہوں۔ اور امام زمان سے جس مطلب کے واسطے وہ مجدد کیا گیا ہے، وہ مطالب حاصل کروں۔ اگر اجازت ہو تو مَیں نوکری سے استعفاء دیدوں، اور دن رات خدمت عالی میں پڑا رہوں۔ یا اگر حکم ہو تو اس تعلق کو چھوڑ کر دُنیا میں پھروں۔ اور لوگوں کو دین حق کیطرف بلاؤں، اور اسی راہ میں جان دوں۔ مَیں آپکی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپکا ہے۔ حضرت پیر و مُرشد مَیں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جاوے، تو مَیں مراد کو پہنچ گیا۔ اگر خریدار براہین کے توقف طبع کتاب سے مضطرب ہوں۔ تو مجھے اجازت فرمائیے کہ مَیں یہ ادنیٰ خدمت بجالاؤں۔ کہ ان کی تمام قیمت ادا کردہ اپنے پاس سے واپس کر دوں۔ حضرت پیر و مُرشد، نابکار شرمسار عرض کرتا ہے، اگر منظور ہو تو میری سعادت ہے۔ میرا منشاء ہے کہ براہین کے طبع کا تمام خرچ میرے پر ڈال دیا جاوے۔ پھر جو قیمت میں وصول ہو وہ روپیہ آپکی ضروریات میں خرچ ہو۔

مجھے آپ سے نسبت فاروقی ہے۔ اور سب کچھ اس راہ فدا کرنے کے لئے طیار ہوں۔ دُعاء فرمائیں کہ میری مَوت صدیقوں کی مَوت ہو۔" (الحکم ۱۴ جون ۱۹۱۱ء)

جیسا کہ ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ نورالدینؓ کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ بلکہ وہ جامع کمالات اِنسان تھا جس کے علم و فضل اور حکمت و دانش کا چار دانگ عالم میں غلغلہ تھا۔ اور وہ اپنے فضائل کی بدولت دنیا بھر کے علماء میں ممتاز تھا۔ اور جس کی لیاقت و علمیت کا دلوں پر سکّہ بیٹھا ہوا تھا۔ ہاں وُہی فہم و فراست سے مالا مال نورالدینؓ جب اس قدسی صفات انسان کو دیکھتا ہے۔ تو زمینی علماء کی طرح اس سے بحث نہیں کرتا۔ اس سے دعویٰ کے دلائل نہیں پوچھتا۔ اس کے کسی الہام یا کشف پر تنقیص نہیں کرتا۔ بلکہ حضورؑ کا رُخ انور دیکھکر ہی بول اٹھتا ہے کہ "بس یہی مرنا ہے اور اسپر میں سارا ہی قربان ہو جاؤں۔"

اور پھر اس وقت جو کچھ اس کے دِل نے کہا وہ کر کے بھی دکھا دیا۔ اور اس کی موت بھی صدیقوں کی ہی موت ہوئی۔ اے کاش کہ ہمارے مُسلمان بھائی اس نظیر سے کوئی فائدہ اُٹھائیں۔

مولوی حسن علی مرحوم مسلم مشنری

نورالدین اعظم اگر علمائے زمان پر ہر رنگ میں فضیلت رکھتا تھا۔ تو یہ شخص علمائے ہند میں ایک ممتاز اور نمایاں شخصیّت کا مالک تھا۔ اور یقیناً یقیناً یہ اپنے وقت کا فقید المثال انسان تھا۔ یہ سرسیّد کا معاصر تھا۔ اور ملک میں اس کی تقریروں اور لیکچروں کی دھوم مچی ہُوئی تھی۔ اور یہی وہ شخص ہے کہ جس کے ہاتھ پر سینکڑوں ہندو اِسلام لائے۔ اور ہزاروں نام کے مسلمان جو کہ جدید تعلیم کے زیر اثر اسلام سے قطعی طور پر دُور ہو چکے تھے۔ از سرِ نو تائب ہوئے۔ اور صحیح معنوں میں مُسلمان بنے۔ اور جس نے کہ ملک میں

جا بجا یتیم خانے، مدرسے، اور تعلیمی ادارے قائم کیئے۔ ہاں یہی اپنے وقت کے مسلمانوں کا محبوب مشنری، اپنے تاثرات کو جن لفظوں میں قلمبند کر گیا ہے۔ وہ ہر دلدادہ راستی کو چشم واسے پڑھنے چاہئیں اور ان سے فائدہ بھی اُٹھانا چاہیئے۔

صاحب موصوف اپنی کتاب تائید حق میں اپنے علمی و تبلیغی مشاغل کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ کہ

امرتسر میں حضورؑ کا شہرہ سُنا۔

"جب میں امرتسر گیا تو ایک بزرگ کا نام سُنا۔ جو مرزا غلام احمدؑ کہلاتے ہیں۔ ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان نامی میں رہتے ہیں۔ اور عیسائیوں، برہمو، اور آریہ سماج والوں سے خوب مقابلہ کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک کتاب براہین احمدیہ نام بنائی ہے جس کا بڑا شہرہ ہے۔ اُن کا بہت بڑا دعویٰ یہ ہے کہ اُن کو الہام ہوتا ہے۔ مجھ کو یہ دعویٰ معلوم کر کے تعجب نہ ہوا۔ گو میں ابھی تک اُس الہام سے محروم ہوں جو نبی کے بعد محدّث کو ہوتا رہا ہے لیکن میں اِس بات کو بہت ہی عجیب نہیں سمجھتا تھا۔ مجھ کو معلوم تھا کہ علاوہ نبی کے بہت سے بندگانِ خدا ایسے گزرے ہیں جو شرف مکالمۂ الٰہی سے ممتاز ہوا کئے ہیں غرض

حضورؑ سے ملنے کی خواہش۔

میرے دل میں جناب مرزا غلام احمدؑ صاحب سے ملنے کی خواہش ہوئی۔ امرت سر کے دو ایک دوست میرے ساتھ چلنے کو مستعد ہوئے۔ ریل پر سوار ہوا، بٹالہ پہونچا۔ ایک دن بٹالہ میں رہا۔ پھر بٹالہ سے یکّے کی سواری ملتی ہے۔ اُس پر سوار ہو کر قادیان پہونچا۔ مرزا صاحب مجھ سے بڑے تپاک اور محبّت سے ملے۔ جناب مرزا صاحب کے مکان پر میرا وعظ ہوا۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے لئے کچھ چندہ بھی ہوا۔ میرے ساتھ جو صاحب تشریف لے گئے وہ مرزا صاحب کے دعویٰ الہام کی وجہ سے سخت مخالف تھے اور مرزا صاحب کو فریبی اور مکار سمجھتے تھے۔ لیکن مرزا صاحب سے ملکر اُن کے سارے خیالات

بدل گئے۔ اور میرے سامنے اُنہوں نے جناب مرزا صاحب سے اپنی سابق کی بدگمانی کے لئے معذرت کی۔ مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھکر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا، ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں جس سے سامعین اُن کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بُری عادت تھی۔ اَمرت سر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو پان کہیں نہ ملا۔ ناچار الائچی وغیرہ کھاکر صبر کیا۔ میرے اَمرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اِس بُری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا۔ مرزا صاحب نے مجھ کو الگزنڈر ویب صاحب کا خط دکھایا۔ مَیں نے اُس انگریزی خط کو پڑھا۔ اس خط میں ویب صاحب نے اپنے تحقیقات دینی کے جوش کو ظاہر کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ "میں نے ترک حیوانات کر دیا ہے"۔ مَیں نے مرزا صاحب سے کچھ دینی باتیں پوچھی تھیں۔ قادیان کے رہنے والوں سے بھی ملا۔ حتّٰی کہ مرزا صاحب کے ایک سخت مخالف سے ملا۔ جو غالباً اُن کے چچا تھے یا کون۔ مَیں نے بوڑھے میاں سے سوال کیا۔ کہ آپ مرزا صاحب کو کیا سمجھتے ہیں۔ تو اس کا جواب اُنہوں نے یہ دیا۔ کہ ہم اِس کے دعوئ الہام کو جھوٹا سمجھتے ہیں، لیکن ایک بات ضرور کہیں گے۔ کہ یہ لڑکا (یعنی جناب مرزا صاحب) شروع سے ہی نیک چلن تھا۔ اور کتابوں کے پڑھنے کا اِس کو بہت شوق تھا۔ اور عبادت الٰہی کا اس کو بچپن ہی سے ذوق تھا۔ غرض مَیں مرزا صاحب سے رخصت ہوا۔ چلتے وقت انہوں نے اس کمترین کو براہین احمدیہ اور سُرمہ چشم آریہ کی ایک ایک جلد عنایت کی۔ انہیں مَیں نے پڑھا۔ ان کے پڑھنے سے مجھ کو

حضورؑ کی مہمان نوازی

حضرت مسیح موعودؑ کے اشد مخالف کی گواہی

معلوم ہوا کہ جناب مرزا صاحب بہت بڑے رتبے کے مصنف ہیں۔ خاص کر براہین احمدیہ میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر دیکھ کر مجھ کو کمال درجہ کی حیرت مرزا صاحب کی ذہانت پر ہوئی۔ الہامات جو میں نے براہین احمدیہ میں دیکھے، اُن پر مجھ کو یقین نہ ہوا۔ لیکن چونکہ میں مرزا صاحب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ میرے دل میں کسی وقت یہ خیال نہیں آیا کہ معاذ اللہ مرزا صاحب نے لوگوں کو دھوکا دینا چاہا ہے۔ بلکہ خیال بد آیا اگر تو یہ آیا کہ خود حضرت مرزا صاحب کو دھوکا ہو گیا ہے۔ لیکن چونکہ (جیسا کہ میں سابق میں بیان کر چکا ہوں) میرے خیال میں اِس صدی کے مجدد کا ایک نقشہ تھا اور اس نقشے کے مطابق مرزا صاحب میں کئی باتیں نہیں پاتا تھا۔ اِس لئے میرا خیال یہ نہیں ہوا کہ وہ اس صدی کے مجدد ہیں۔"

"جب میں مدراس گیا ہوا تھا۔ تو میرے مکرم دوست جناب عبدالرحمٰن ابن حاجی اللہ رکھا سیٹھ صاحب جن کو اُردو کی جدید کتابوں کے پڑھنے اور اخباروں کے دیکھنے کا شوق ہے، مجھ سے کہنے لگے کہ کیا تم نے سُنا ہے کہ جناب مرزا غلام احمدؐ صاحب رئیس قادیان نے ایک عجیب دعویٰ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "حضرت رسُول اکرم صلعم نے جس مسیح کے آخر زمانے میں مسلمانوں کی تائید کے لئے آنیکا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ مسیح ابن مریم میں ہوں۔" اس دعویٰ کے سبب علمائے ہند کے درمیان بڑی شورش مچ گئی ہے۔ اور مرزا صاحب کی تکفیر کی جا رہی ہے۔ اِس خبر کو سُنکر میں نے اپنے مہربان دوست سے کہا کہ میں مرزا صاحب سے مل آیا ہوں۔ وہ مکار و فریبی آدمی نہیں۔ اُن کو خود دھوکا ہو گیا ہو گا۔ پھر میں نے کہا۔ عشق الٰہی کی راہ میں بہت سے ایسے واقعات پیش آتے ہیں۔ بعض اولیاء اللہ تو انا الحق کا نعرہ مارنے لگتے ہیں۔ علماء اُن کی تکفیر کرتے ہیں۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں مجھ کو شریک ہونیکا

اتفاق ہوا۔ یہاں پر میں اُس عالم و مفسر قرآن سے ملا۔ جو اپنی نظیر اس وقت سارے ہند کیا بلکہ دُور دُور تک نہیں رکھتا۔ یعنی مولوی حکیم نورالدین صاحب سے ملاقات ہُوئی۔ مَیں ۱۸۸۷ء کے سفر پنجاب میں بھی حکیم صاحب ممدوح کی بڑی تعریفیں سُن چکا تھا۔ غرض حکیم صاحب نے انجمن کے جلسے میں قرآن مجید کی چند آیتیں تلاوت کر کے اُن کے معنی و مطالب کو بیان کرنا شروع کیا۔ کیا کہوں اُس بیان کا مجھ پر کیا اثر ہوا۔ حکیم صاحب کا وعظ ختم ہوا۔ اور مَیں نے کھڑے ہو کر اتنا کہا کہ مجھ کو فخر ہے کہ مَیں نے اپنی آنکھوں سے اتنے بڑے عالم اور مفسر کو دیکھا۔ اور اہل اسلام کو جائے فخر ہے کہ ہمارے درمیان میں اِس زمانے میں ایک ایسا عالم موجود ہے۔

جب رات کو مَیں اپنے قیام گاہ پر آیا، وہاں ایک نامی لکچرار صاحب بھی قیام پذیر تھے۔ اُن کی ملاقات کو بہت سے حضرات جمع تھے۔ حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب کے دعویٰ مسیحیت کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ موافقین اُس جلسے میں بہت کم تھے زیادہ مخالفین ہی تھے۔ مخالفین نے بہت سے الزامات حضرت مرزا صاحب کے بارے میں پیش کئے۔ مگر مَیں چُپ چاپ سُنتا رہا۔ جب رات کو نماز کے لئے اُٹھا، مَیں نے دُعا کی کہ خداوندا مجھ کو معلوم نہیں ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ کیسا ہے۔ اِس میں آنکھ لگ گئی تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں۔ اور مجھ سے سوال کیا۔ "کیا تم جناب مرزا غلام احمدؑ صاحب کے بارے میں پُوچھتے ہو؟" مَیں نے کہا "ہاں" تو اُنہوں نے کہا۔ "ایک توے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی"۔ اتنا سننا تھا کہ میری نیند کھل گئی۔ صبح کو مَیں نے احباب سے تذکرہ کیا۔ اور خواب کا حال سُنایا۔ مجھ کو اِس خواب کی تعبیریں بتائی گئیں۔ کسی نے کہا کہ تمہاری رُوح کی بناوٹ اور

جناب مرزا صاحب کی رُوح کی بناوٹ ایک ہی طرح کی ہے۔ صرف درجے کا فرق ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ مرزا صاحب اور مخالفین مرزا صاحب دونوں مُسلمان ہیں لوگ ناحق تکفیر کر رہے ہیں۔ روٹی سے مُراد مُسلمان ہوتا ہے۔ چھوٹا اور موٹا ہونا صرف فرقِ مراتب کا بتانا منظور ہے۔ ایک تعبیر یہ بتائی گئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مثل عیسیٰ دو تو ایک ہی ڈھنگ کے بزرگ ہیں۔ گویا ایک توے کی روٹی ہیں۔ یعنی مرزا صاحب کا دعویٰ سچّا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میری خواہش تھی کہ جناب مولوی حکیم نور الدین سے ملاقات کرتا۔ لیکن مولوی صاحب از راہِ کرم خود اِس خاکسار سے ملنے آئے۔ مَیں نے اُن سے تنہائی میں سوال کیا کہ مرزا صاحب سے جو آپ نے بیعت کی ہے، اُس میں کیا نفع دیکھا ہے۔ جواب دیا کہ ایک گناہ تھا جس کو مَیں ترک نہیں کر سکتا تھا۔ جناب مرزا صاحب سے بیعت کر لینے کے بعد وہ گناہ نہ صرف چھوٹ ہی گیا بلکہ اُس سے نفرت ہو گئی۔ جناب مولوی حکیم نور الدین صاحب کی اس بات کا مجھ پر ایک خاص اثر ہوُا۔ حکیم صاحب مجھ سے فرماتے رہے کہ قادیان چل لیکن مَیں نہ گیا۔"

"انجمن حمایت اِسلام مدراس کے سالانہ جلسے میں شریک ہونے کے لئے حسبِ دعوت انجمن چلا جا رہا تھا کہ بمبئی میں جناب عبد الرحمٰن حاجی اللہ رکھا سیٹھ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ معلوم ہوُا کہ جلسۂ انجمن ایک ماہ کے لئے ملتوی رکھا گیا ہے۔ جناب سیٹھ صاحب نے مجھ سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مَیں انکے سَاتھ ہندوستان کے مشہور شہروں کی سیر کروں اور اُن کے ساتھ قادیان شریف بھی جاؤں۔ جناب عبد الرحمٰن سیٹھ صاحب کا ارادہ تھا کہ حضرت، مرزا غلام احمد

صاحب سے بیعت کریں۔ پہلے تو مَیں نے حیلہ حوالہ کر کے اِس سفر کی تکلیف سے بچنا چاہا، لیکن سیٹھ صاحب نے مجھ کو خوب مضبوط پکڑا۔ سیٹھ صاحب کو مجھ سے حُسن ظن تھا۔ وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ چلکر دیکھو کہ مرزا صاحب صادق ہیں یا کاذب۔ مَیں نے کہا کہ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل مجھ پر کیا ہے کہ مَیں چہرہ دیکھ کر آدمی کی باطنی کیفیت سے آگاہ ہو جاتا ہوں۔ انسان سے سب کچھ ممکن ہے۔ نیک بد ہو جاتا ہے، بد نیک ہو جاتا ہے۔ اگر مرزا صاحب وہ نہیں رہے ہیں، جو مَیں نے ۱۸۸۷ء میں دیکھا تھا۔ اور اگر اُن میں دُنیا داری مکاری آگئی ہے تو میں چہرہ دیکھ کر کہدوں گا۔ سیٹھ صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے تو میں تجھ کو ساتھ لیجانا چاہتا ہوں۔ غرض میں عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب کے ساتھ قادیان شریف روانہ ہوُا۔ قادیان شریف پہونچا۔ ہاں امرتسر میں مَیں نے ایک خواب دیکھا کہ ایک پلنگ خاص جناب مرزا صاحب کا ہے۔ حضرت مرزا صاحب مجھ سے فرماتے ہیں کہ اِس پلنگ پر جاکر لیٹ رہو۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں یہ گُستاخی کیونکر کروں کہ حضور کے بستر پر لیٹوں۔ حضرت نے مُسکرا کر فرمایا کہ نہیں جی کوئی مضائقہ نہیں تکلّف کیوں کرتے ہو۔ غرض تاریخ ۲ر جنوری ۱۸۹۴ء کو قادیان پہونچا۔ جناب مرزا غلام احمدؑ صاحب رئیس قادیان نے حسب دستور ہم سے ملاقات فرمائی۔ میرے اور سیٹھ صاحب کے قیامگاہ کا بندوبست کیا اور نہایت محبّت و اخلاق سے باتیں کیں۔ اِس پہلی ملاقات ہی میں نگاہ دو چار ہوتے ہی ہمارے پیارے دوست جناب عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب تو اُس امام الوقت کے ہزار جان سے عاشق ہو گئے۔ مجھ سے سیٹھ صاحب نے پُوچھا کہو جناب مرزا صاحب کو کیسا پاتے ہو۔ مَیں کیا جواب دیتا، میرے تو ہوش دنگ ہو گئے۔ تھے ۱۸۸۷ء میں جب مرزا صاحب کو دیکھا تھا۔

وہ نہ تھے۔ آواز ونقشہ تو وہی تھا لیکن کُل بات ہی بدلی ہوئی تھی۔ اللہ اللہ سر سے پا تک ایک نور کے پُتلے نظر آتے تھے۔ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں اور اخیر رات اُٹھکر اللہ کی جناب میں رو یا دھویا کرتے ہیں، اُنکے چہروں کو بھی اللہ اپنے نور سے رنگ دیتا ہے۔ اور جن کو کچھ بھی بصیرت ہے وہ اُس نور کو دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب کو تو اللہ نے سر سے پاؤں تک **محبوبیت کا لباس** اپنے ہاتھوں سے پہنایا تھا۔ تیرہ دن قادیان شریف میں رہا۔ دونوں وقت اُس امام ربانی محبوب سُبحانی سے ملاقات رہی۔ یہ زمانہ میری عمر کا بہت ہی عمدہ زمانہ تھا۔ حضرت کی بے مثل تصانیف کے دیکھنے کا مجھ کو یہاں اچھا موقعہ ملا۔ آئینہ کمالات اسلام۔ فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ ازالہ اوہام شہادت القرآن۔ برکات الدُعا وغیرہ کتابوں کو تھوڑا تھوڑا دیکھا۔ عبدالرحمٰن سیٹھ صاحب نے مہربانی فرماکر ایک ایک جلد حضرت کی تصانیف کی میرے دیکھنے کے لئے خرید فرمائی۔ سیٹھ صاحب کی یہ عمدہ یادگار ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔ اور مَیں نے اس سے بہت بڑا نفع اُٹھایا۔

حضرت کی تصانیف کو دیکھ کر مجھ کو یہ معلوم ہوُا کہ جس مجدّدِ زمان کی مجھ کو تلاش تھی، درحقیقت علم الٰہی میں وہ جناب حضرت مرزا غلام احمدؑ صاحب ہی تھے۔ اللہ نے حضرت ہی کو اِس موجودہ زمانے کے فتن کے مقابلے میں غلبۂ اِسلام ظاہر کرنے کے لئے پَیدا کیا تھا۔" . . . .

"اے حضرات میں نے فرشتہ کی بات سُن لی۔ اور تاریخ ۱۱ جنوری ۱۸۹۴ء شب جمعہ کو حضرت امام الوقت مجدّدِ زمان جناب مرزا غلام احمدؑ صاحب رئیس قادیان سے بیعت کرلی۔ اور ان کو اپنا امام قبول کرلیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلك۔

بیعت کرنے کے بعد تین دن تک قادیان شریف میں رہنے کا موقعہ ملا۔ ان اخیر

کے تین دن میں جب میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ تو مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ اب میں نماز پڑھتا ہوں۔ یعنی مجھے عجیب حلاوت اور عجیب مزا نماز میں ملتا تھا۔ ۱۳ر جنوری ۱۸۹۷ء میں اپنے امام سے رخصت ہو کر لاہور میں آیا۔ اور ایک بڑی دھوم دھام کا لیکچر انگریزی میں دیا جس میں حضرت اقدس کے ذریعے سے جو کچھ روحانی فائدہ ہوا تھا۔ اس کا بیان کیا۔ جب میں اس سفر پنجاب سے ہو کر مدراس پہنچا۔ تو میرے ساتھ وہ معاملات پیش آئے۔ جو صداقت کے عاشقوں کو ہر زمانے و ہر ملک میں اُٹھانے پڑے ہیں۔ مسجد میں وعظ کہنے سے روکا گیا۔ ہر مسجد میں اشتہار کیا گیا کہ حسن علی سُنّت و جماعت سے خارج ہے کوئی اس کا وعظ نہ سُنے" الخ

ڈاکٹر ٹی ایل پینل ڈی ڈی مشنری آف چرچ مشنری کے تاثرات

اس کے بعد ہم پادری ٹی ایل پینل ڈی ڈی کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ یہ صاحب چرچ مشنری سوسائٹی کی طرف سے (بنوں) صوبہ سرحد میں متعین تھے۔ اور کافی عرصہ تک سرکاری اور آزاد علاقہ میں تبلیغ مسیحیت کا کام کرتے رہے۔ ایک دفعہ سارے ہندوستان کا دورہ کرنے کے لئے سائیکل پر سوار ہو کر بنوں سے روانہ ہوئے اور ۴ر جنوری ۱۹۰۴ء کو قادیان بھی آئے۔ یہاں آکر جو کچھ دیکھا۔ وہ انہی کے الفاظ میں پڑھیئے:۔

"بٹالہ سے ہم لوگ قادیان کی طرف روانہ ہوئے تاکہ وہاں پہنچکر مرزا غلام احمد کے درشن بھی کریں۔ ابھی ہم روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ چاروں طرف کالی کالی گھٹائیں چھاگئیں۔ بارش سے محفوظ رہنے کے لئے ہم نے بہت تیزی کے ساتھ اپنے سائیکلوں کو چلایا۔ اور جب ہم قادیان کے نزدیک پہنچ گئے تو بارش شروع ہوئی۔ اور پھر سارے دن مینہ زور شور کے ساتھ برستا رہا۔

آجکل تین اشخاص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ مسٹر پگٹ نے ولایت میں دھوم مچا رکھی ہے۔ کہ "آنیو الا مسیح میں ہوں"۔ امریکہ میں مسٹر ڈوئی نے اپنے تئیں ایلیجاہ ثابت کیا ہے۔ اور ادھر مرزا غلام احمد نے اپنے آپکو مسیح موعود ثابت کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ ان تینوں شخصوں نے اپنے اپنے دعاوی کے ثبوت میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ ان تینوں شخصوں نے اپنے اپنے دعاوی کے ثبوت میں خوب ہاتھ پاؤں مارے اور اپنے مُریدوں کے دلوں میں جگہ حاصل کی ہے۔ سب سے زیادہ پیرو ڈاکٹر ڈوئی کے ہیں۔ اور سب سے کم مسٹر پگٹ کے۔ تینوں پیشگوئیاں کرنے کا بھی دم مارتے ہیں۔ اور ڈاکٹر ڈوئی کو مریضوں کو شفا بخشنے کی قدرت بھی حاصل ہے۔

اگرچہ تینوں شخص اپنے چال چلن کی دلکش طاقت کے ذریعہ لوگوں کو اپنا مُرید بنانے میں اپنے اندر ایک مقناطیسی اثر رکھتے ہیں۔ لیکن یہ امر ضرور قابلِ غور ہے کہ جب یہ تینوں شخص ایک ہی دعویٰ کرتے اور ایک حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ تو ان میں دو ضرور جھوٹے ہیں۔ کیونکہ نبی تو ایک ہی ہونا چاہیئے اور جب تینوں ایک نبی اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں تو ان میں دو کا جھوٹا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ اور اسکے ساتھ ہی یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے کہ جب تیسرے شخص کے بھی وہی وجوہات ہیں جو باقی دو کے ہیں۔ تو وہ بھی اپنے تئیں سچا ثابت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا ہے اور اگر بالفرض محال یہ مان لیا جائے کہ ان میں ایک ضرور سچا ہے، تو اس کو واجب ہے کہ اس دعویٰ کے ثبوت میں ایسی وجوہات پیش کرے جو باقی دو نہ پیش کر سکیں۔ لیکن اس میں بھی تینوں ایک برابر ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ مرزا غلام احمد نے مسٹر پگٹ کے پہلے مر جانے کی پیشگوئی کی۔ اور ڈاکٹر ڈوئی کو باہم مباہلہ کرنے کا چیلنج بھیجا کہ جس میں ہر ایک اپنے مخالف کی موت

کے لئے دُعا مانگتا ہے۔ یعنی جو مَر جائے وہ جھوٹا اور جو زندہ رہے وہ ان لوگوں میں جو اس قسم کے مباہلہ کو پسند کرتے ہیں سچّا تصور کیا جائے۔ مرزا غلام احمد صاحب کی کمزوری (صحت) کو دیکھتے ہُوئے ہم نہایت وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ چیلنج واقعی دلیرانہ ہے۔[۱]

۱۴ر جنوری کو میں قادیان پہنچا۔ افسوس کہ مرزا صاحب کی طبیعت کچھ علیل تھی اور ملاقات شام پر ملتوی رکھی گئی۔ لیکن جب شام تک طبیعت کا وہی حال رہا تو بات دُوسرے روز پر جا پڑی۔ اور دوسرے روز علے الصبح یہ کہلا بھیجا کہ ”میری طبیعت اسقدر علیل ہے کہ مَیں بول بھی نہیں سکتا ہوں“۔ آخر ہمیں مرزا صاحب کے ساتھ بغیر کسی قسم کی گفتگو کرنے کے واپس ہونا پڑا۔ لیکن مرزا صاحب کے مُریدوں اور اُن کے کام کو دیکھ کر ہم نے کچھ نہ کچھ ضرور فائدہ اُٹھایا۔ مرزا صاحب اور ان کے مریدوں کی سادہ مزاجی قابل تعریف ہے۔ اور اِس میں کچھ شک نہیں کہ وہ اس معاملہ میں پگٹ اور ڈوئی پر سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ مرزا صاحب کے دلدادگان میں سے کوئی شخص ان کے سامنے پوشاک وغیرہ نذر کرتا ہے تو مرزا صاحب بغیر کسی قسم کے خیال کے کہ وہ اچھا ہے یا بُرا۔ اُسے استعمال میں لے آتے ہیں۔ ایک دن مرزا صاحب کا ایک مُرید اُن کے پاس انگریزی جوتی کا ایک جوڑا لایا۔ لیکن مرزا صاحب دائیں اور بائیں کے بوٹ میں تمیز نہ کر سکے۔ یہ دیکھ کر اُن کے ایک مُرید نے دائیں پاؤں کے بوٹ پر ایک

---

[۱] دُنیا پر ظاہر ہے کہ پگٹ اور ڈوئی جن کی صحت حضرت مسیح موعودؑ سے زیادہ اچھی۔ اور عمر بھی تھوڑی تھی۔ حضورؑ کی زندگی میں ہی مَر گئے۔ اور اپنی مَوت سے حضورؑ کی صداقت پر شہادت دے گئے۔ فالحمدللہ

سیاہی کانشان لگادیا۔ اورجب تک وہ نشان رہا مرزا صاحب کو بھی کچھ تکلیف نہ ہوئی۔ لیکن جب سیاہی کانشان جاتا رہا۔ تو مرزا صاحب پھر اُسی الجھن میں جا پڑے۔ اور آخر کار بوٹ کا پہننا بالکل ترک کردیا کہ ہمیں مناسب نہیں کہ اپنا سارا وقت اس امر کے سوچنے میں خرچ کریں۔ کہ پاؤں میں کونسی جوتی پہنی ہُوئی ہے۔

مرزا صاحب کے مُریدوں میں سادگی کی مشہور و معروف مثال ریاست مالیرکوٹلہ کے نواب ہیں موجود ہے کہ جنہوں نے اپنی ریاست کے انتظام اور عیش و عشرت کولات مار کر ایک چھوٹے سے مکان میں رہنا اور دل وجان سے مرزا صاحب کی خدمت کرنا پسند کیا ہے۔ ایسے تعلیم یافتہ لیکن سادہ مزاج نواب سے میری ملاقات ہونا میرے لئے قادیان کی ایک اعلیٰ ترین یادگار ہے۔

قادیان میں تین مطبع ہیں۔ ایک میں تو ریویو آف ریلیجنس بزبان انگریزی ایک ماہوار رسالہ چھپتا ہے، اور باقی دو میں الحکم اور البدر دو اُردو زبان کے ہفتہ وار اخبار شائع ہوتے ہیں۔ ایک جگہ ایک ہائی سکول بھی ہے۔ جس میں ۲۰۰ مُسلمان طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سکول کے ساتھ ہی بورڈنگ ہوس بھی ہے۔ جس میں قریباً ساٹھ طلبا جو دیگر مقامات سے بغرض تعلیم آئے ہیں رہتے ہیں۔ اس سال اس سکول میں ایف، اے کلاس بھی کھولی گئی ہے کہ جسکو منشی محمد علی خان صاحب ایم اے صرف گذارہ کے موافق تنخواہ لیکر تعلیم دیتے ہیں۔ سکول کے ہیڈ ماسٹر مفتی محمد صدیق (صادق) ہیں کہ جنہوں نے ہماری خاطر تواضع کرنے کے علاوہ رہائیش کے لئے ایک کمرہ بھی عنایت کیا۔ قلیل تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ قرآن کی تعلیم اور زبان عربی کی تحصیل لازمی ہے۔ اور یہ بہت عمدہ قاعدہ ہے کہ تمام بورڈر علی الصبح جبکہ گھنٹا بجتا ہے بستروں سے

نکل کر صبح کی نماز پڑھنے مسجد میں جاتے ہیں خواہ کتنی ہی سردی کیوں نہ ہو۔ قادیان میں یہ حالت دیکھ کر مجھے کسی قدر افسوس بھی ہؤا کہ میں نے بچشم خود مرزا صاحب کو نہ دیکھا۔ اگرچہ ان کے شاگردان کی خدمت دل وجان سے ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے زمانہ کے مسلمانوں کے خیالات کی پابندی کے متضاد دین عیسوی اور انجیل کی تعلیم پھیل جانے کی بدولت اس روحانی جوش میں یہ حرکت پیدا ہوئی ہے۔ جس طرح کہ ہندوؤں، اور مسیحیوں کے درمیان آریہ سماجی ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان میرزا صاحب اور اُن کے مُرید ہیں "

(سفر نامہ ابن السبیل صفحہ ۴۲ تا ۴۵)

مولانا ابوالکلام آزاد کے برادر مرحوم ابوالنصر آہ کے تأثرات

اس کے بعد ہم مولٰنا ابوالنصر آہؔ برادر مولٰنا ابوالکلام آزاد کے تأثرات درج کرتے ہیں۔ جو کہ مئی ۱۹۰۵ء میں قادیان تشریف لائے اور حضرت مسیح موعودؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور قادیان اور اہل قادیان کو دیکھا اور واپسی پر اخبار وکیل امرتسر میں اپنے سفر قادیان کے تأثرات بایں الفاظ شائع کئے :۔

"میں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ میرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے۔ اور میں شور غذا نہیں کھا نہیں سکتا تھا۔ میرزا صاحب نے (جبکہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔

آجکل مرزا صاحب قادیان سے باہر ایک وسیع اور مناسب باغ میں (جو خود انہیں کی ملکیت ہے) قیام پذیر ہیں۔ بزرگان ملت بھی وہیں ہیں۔ قادیان کی آبادی تقریباً ۳ ہزار آدمیوں کی ہے۔ مگر رونق اور چہل پہل بہت ہے۔ نواب صاحب مالیر کوٹلہ کی شاندار اور بلند عمارت تمام بستی میں صرف ایک ہی عمارت ہے۔ راستے کچے اور ناہموار ہیں۔ بالخصوص وہ سڑک جو بٹالہ سے قادیان تک آئی ہے۔ اپنی نوعیت میں سب پر فوق لے گئی ہے۔ آتے ہوئے یکہ میں مجھے تکلیف ہوئی تھی۔ نواب صاحب کے رتھ نے لوٹتے وقت اس میں نصف کی تخفیف کر دی۔ اگر مرزا صاحب کی ملاقات کا اشتیاق میرے دل میں موجزن نہ ہوتا۔ تو شاید آٹھ میل تو کیا آٹھ قدم بھی آگے نہ بڑھ سکتا۔

اکرام الضیف کی صفت خاص اشخاص تک محدود نہ تھی۔ چھوٹے سے لیکر بڑے تک ہر ایک نے بھائی کا سا سلوک کیا۔ اور مولانا حاجی حکیم نور الدین صاحب جن کے اسم گرامی سے تمام انڈیا واقف ہے۔ اور مولانا عبد الکریم صاحب جنکی تقریر کی پنجاب میں دھوم ہے۔ مولوی مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر بدر جنکی تحریروں سے کتنے انگریز یورپ میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ جناب میر ناصر نواب صاحب دہلوی جو میرزا صاحب کے خسر ہیں۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ایل۔ ایل۔ بی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز، مولوی یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم جناب شاہ سراج الحق صاحب وغیرہ وغیرہ پرلے درجہ کی شفقت اور نہایت محبت سے پیش آئے۔ افسوس مجھے اور اشخاص کا نام یاد نہیں۔ ورنہ میں اُنکی مہربانیوں کا بھی شکریہ ادا کرتا۔

میرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے۔ جس کا اثر بہت

قوی ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز، مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا، بُردباری شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں۔ کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے، بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے۔ عمر تقریباً ۶۶ سال کی ہے۔

مرزا صاحب کے مریدوں میں مَیں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی اور بے حد عقیدت مند تھے۔

مرزا صاحب کی **وسیع الاخلاقی** کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔ "ہم آپکو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں۔" اسوقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔

مَیں جس شوق کو لیکر گیا تھا۔ ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے کہ "حسّن خُلقک ولوم الکفّار"۔

میرزا صاحب کے خیالات کے متعلق عنقریب میری تحریر شائع ہوگی۔ اِس مضمون میں صرف مَیں نے وہاں کے برتاؤ کو دکھایا ہے۔

مَیں نے اور کیا دیکھا؟ بہت کچھ دیکھا۔ مگر قلمبند کرنے کا موقع نہیں۔ سٹیشن جانے کا وقت سر پر آچلا ہے۔ پھر کبھی

بتاؤں گا کہ میں نے کیا دیکھا؟[۱]

راقم۔ ا۔ ہ۔ دہلوی" (بحوالہ اخبار وکیل از بدر ۲۵ رمئی ۱۹۰۵ء)

لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر دیش و مولوی فضل دین وکیل لاہوری کے تاثرات

اس کے بعد ہم پنجاب کے مشہور اخبار نویس لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر ہندوستان و دیش اور انہی کے ساتھ لاہور کے نامی گرامی وکیل مولوی فضل الدین وکیل (جو کہ انجمن حمایت اسلام کے بانیوں میں سے تھے) کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ مؤخر الذکر بزرگ عموماً حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمات کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اور ذیل میں جس مقدمہ کا ذکر ہے وہ اس مشہور اقدام قتل کا مقدمہ ہے جو پادری مارٹن کلارک نے حضورؑ پر کیا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ہمارے محترم بزرگ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر اخبار الحکم لاہور میں لالہ دینا ناتھ صاحب سے ملے۔ اور دوران ملاقات میں آپکو مخاطب کرتے ہوئے لالہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ :۔

"آپکو معلوم ہے کہ میرے دِل میں مرزا صاحب کی کسقدر عظمت ہے؟ میں انکا مقام اور مرتبہ بہت عظیم الشان سمجھتا ہوں۔ اگرچہ انکے دعاوی کے متعلق علم النفس کی رو سے میں یہ مانتا ہوں کہ ان کو سمجھنے میں غلطی ہوئی لیکن ایک مہاپرش اور رُوحانی آدمی کے لحاظ سے بہت بڑے مرتبہ کے انسان تھے۔ اور میرا یہ عقیدہ ان کے متعلق ایک واقعہ سے ہُوا۔ حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء کو آپ جانتے ہیں۔ اور مولوی فضل الدین صاحب وکیل کو بھی۔ حکیم صاحب کے مکان پر اکثر دوستوں کا اجتماع

---

[۱] مگر افسوس کہ مرحوم کو موت نے مہلت نہ دی۔ ورنہ دوبارہ بھی قادیان آتے۔ اور اپنے تاثرات قلمبند کرتے۔ مؤلف

شام کو ہوا کرتا تھا۔ میں بھی وہاں چلا جاتا تھا۔ ایک روز وہاں کچھ احباب جمع تھے۔ اتفاق سے مرزا صاحب کا ذکر آگیا۔ ایک شخص نے ان کی مخالفت شروع کی۔ لیکن ایسے رنگ میں کہ وہ شرافت و اخلاق کے پہلو سے گری ہوئی تھی۔ مولوی فضل الدین صاحب مرحوم کو یہ سنکر بہت جوش آگیا۔ اور انہوں نے بڑے جذبہ سے کہا کہ میں مرزا صاحب کا مرید نہیں ہوں۔ اُن کے دعاوی پر میرا یقین نہیں اس کی وجہ خواہ کچھ ہو لیکن مرزا صاحب کی **عظیم الشان شخصیت اور اخلاقی کمال کا میں قائل ہوں**۔ میں وکیل ہوں اور ہر قسم کے طبقہ کے لوگ مقدمات کے سلسلہ میں میرے پاس آتے ہیں اور ہزاروں کو میں نے اس سلسلہ میں دُوسرے وکیلوں کے ذریعہ بھی دیکھا ہے۔ بڑے بڑے نیک نفس آدمی جن کے متعلق کبھی وہم بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ کسی قسم کی نمایش یا ریاکاری سے کام لیں گے۔ انہوں نے مقدمات کے سلسلہ میں اگر قانونی مشورہ کے ماتحت اپنے بیان کو تبدیل کرنے کی ضرورت سمجھی بلا تامل بدل دیا۔ لیکن میں نے اپنی عمر میں **مرزا صاحب ہی کو دیکھا ہے جنہوں نے سچ کے مقام سے قدم نہیں ہٹایا**۔ میں اُن کے ایک مقدمہ میں وکیل تھا۔ اس مقدمہ میں میں نے اُن کے لئے ایک قانونی بیان تجویز کیا اور ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا کہ **اس میں تو جھوٹ ہے**۔ میں نے کہا کہ ملزم کا بیان حلفی نہیں ہوتا۔ اور قانوناً اسے اجازت ہے کہ جو چاہے وہ بیان کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ قانون نے اسے یہ تو اجازت دیدی ہے کہ جو چاہے بیان کرے۔ **مگر خدا تعالیٰ نے تو اجازت نہیں دی کہ وہ جھوٹ بھی بولے**۔ اور نہ قانون ہی کا یہ منشاء ہے۔ پس میں کبھی ایسے بیان کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ جس میں واقعات کا خلاف ہو۔ میں صحیح صحیح امر پیش کروں گا۔

مولوی صاحب کہتے تھے کہ میں نے کہا کہ آپ جان بوجھ کر اپنے آپکو بلا میں

ڈالتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا۔ جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا یہ ہے کہ میں قانونی بیان دیکر ناجائز فائدہ اُٹھانے کے لئے اپنے خُدا کو ناراض کرلوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ خواہ کچھ بھی ہو۔"

لالہ دینا ناتھ صاحب بیان کرتے تھے۔ کہ مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے۔ کہ یہ باتیں مرزا صاحب نے ایسے جوش سے بیان کیں کہ اُن کے چہرہ پر ایک خاص قسم کا جلال اور جوش تھا۔ میں نے یہ سنکر کہا کہ پھر آپکو میری وکالت سے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا۔ اسپر انہوں نے فرمایا۔ کہ

"میں نے کبھی وہم بھی نہیں کیا کہ آپ کی وکالت سے فائدہ ہوگا۔ یا کسی اور شخص کی کوشش سے فائدہ ہوگا۔ اور نہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی مخالفت مجھے تباہ کر سکتی ہے۔ میرا بھروسہ تو خدا پر ہے جو میرے دل کو دیکھتا ہے۔ آپ کو وکیل اس لئے کیا ہے کہ رعایت اسباب ادب کا طریق ہے۔ اور میں چونکہ جانتا ہوں کہ آپ اپنے کام میں دیانتدار ہیں۔ اس لئے آپکو مقرر کر لیا ہے۔"

مولوی فضل الدین صاحب کہتے تھے کہ میں نے پھر کہا کہ میں تو یہی بیان تجویز کرتا ہوں۔ مرزا صاحب نے کہا کہ نہیں جو بیان میں خود لکھتا ہوں نتیجہ اور انجام سے بے پرواہ ہو کر وہی داخل کر دو۔ اس میں ایک لفظ بھی تبدیل نہ کیا جاوے۔ اور میں پورے یقین سے آپکو کہتا ہوں کہ آپ کے قانونی بیان سے وہ زیادہ موثر ہوگا۔ اور جس نتیجہ کا آپکو خوف ہے وہ ظاہر نہیں ہوگا۔ بلکہ انجام انشاء اللہ بخیر ہوگا۔ اور اگر فرض کرلیا جاوے۔ کہ دنیا کی نظر میں انجام اچھا نہ ہو۔ یعنی مجھے سزا ہو جاوے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ میں اسوقت اس لئے خوش ہونگا۔ کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی نہیں کی۔ لالہ دینا ناتھ کہتے تھے کہ مولوی فضل الدین صاحب نے بڑے جوش اور اخلاص سے اس طرح پر

مرزا صاحب کا ڈیفنس پیش کیا اور کہا کہ اُنہوں نے پھر قلم برداشتہ اپنا بیان لکھدیا۔ اور خُدا کی عجیب قدرت ہے کہ جیسا وہ کہتے تھے۔ اسی بیان پر وہ بَری ہو گئے۔ مولوی فضل الدین صاحب نے ان کی راستبازی اور راستبازی کے لئے ہر قسم کی مصیبت کو قبول کر لینے کی جُرأت اور بہادری کا ذکر کر کے حاضرین مجلس پر ایک کیف آور حالت پیدا کر دی۔ اسپر بعض نے پُوچھا۔ کہ آپ پھر مرید کیوں نہیں ہو جاتے۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ اور تمہیں یہ حق نہیں کہ سُوال کرو۔ مَیں انہیں ایک کامل راستباز یقین کرتا ہوں۔ اور میرے دل میں ان کی بہت بڑی عظمت ہے۔

لالہ دینا ناتھ نے یہ قصہ بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس دن سے میرے دل میں بھی اُن کی عظمت ایک رُوحانی مہاپُرش کے ہے۔ گو مَیں اُن کے دعاوی کو یہ سمجھتا ہوں کہ نفس انسانی کی ترقیات میں ایسے مغالطہ لگ جایا کرتے ہیں۔"

(الحکم ۱۴ر نومبر ۱۹۳۴ء)

اس کے بعد ہم حسب وعدہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی گھریلو زندگی کے بھی دو شاہد پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاتون ۱۹۰۶ء میں قادیان آئیں اور دُوسری ۱۹۰۷ء میں، اور انہوں نے اپنے اپنے وقت میں قادیان، اہلِ قادیان اور مسیحِ قادیان کو جس رنگ اور جس حالت میں پایا، وہ انہی کے خود نوشت تاثرات سے بخوبی عیاں ہے۔ امید ہے کہ ناظرین رسالہ انہیں بھی پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے۔ تاکہ انہیں حضور علیہ السّلام کے اندرون خانہ کی پُر کیف اور رُوحانیت سے معمور چہل پہل نظر آسکے۔

مندرجہ ذیل تاثرات کی راقمہ اگست ۱۹۰۶ء میں مع اپنے والدین اور سسرال والوں کے ساتھ قادیان آئیں۔ اور اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا

اس کا کچھ حصہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

بنت عزیز ملک مولا بخش صاحب گورالی کے تاثرات

"(۱۵؍ اگست ۱۹۰۶ء) دن کے دو بجے دار الامان پہنچے اور حضرت اقدس کے باغ میں اُتر پڑے، باغ کے سر سبز پھلوں کے بھرے ہوئے درختوں پر نورِ الٰہی نظر آتا تھا۔ (اس سے پیشتر میرے والد صاحب نے حضرت اقدس سے باغ والا مکان مانگا ہوا تھا وہاں جا کر پتہ لگا کہ اس مکان میں تو نواب محمد علی خان صاحب فروکش ہیں۔ کیونکہ انکی بیگم صاحبہ کی طبیعت علیل ہے۔ . . کوئی پانچ منٹ کا عرصہ وہاں ٹھہرے کیونکہ سب کے دلوں کو "آتش شوق تیز تر گردد" والا معاملہ پیش آیا ہوا تھا۔ سبھوں نے اجازت طلب کی اجازت کا ملنا تھا کہ چار قدم کا ایک قدم کیا۔ اور فرطِ خوشی سے بار بار زبان پر یہی آتا تھا "آنچہ من بینم الٰہی بیداری است" یا بخواب سب کے دل میں یہی خواہش تھی کہ میں پہلے مسیح موعودؑ کی زیارت سے مشرف ہو جاؤں۔ مگر مَیں نے راستہ میں یہ تجویز کی کہ سب کو اکٹھے ہی آشیانہ حلیہ میں داخل ہونا چاہیئے۔ جس وقت ہم اندر گئے۔ **اُمّ المومنین** دروازہ پر تشریف رکھتی تھیں۔ جاتے ہی ہم نے سلام علیکم کہا۔ جس کا انہوں نے بڑا خندہ پیشانی سے جواب دیا۔ ان کے چہرہ سے بشاشت اور رعب و تدبر برستا تھا۔ ہمارے پاس آکر بیٹھ گئیں۔ میں نے زمین پر بیٹھنا چاہا۔ مگر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا ہم نے حضرت صاحب کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ اگلے کمرے میں تشریف رکھتے ہیں۔ ہم اس کمرے کی طرف گئے۔ جہاں **نور کا شعلہ دکھائی دیا**۔ مَیں کیا بتاؤں کہ مَیں نے قادیان جا کر کیا دیکھا۔ تجلّیٔ الٰہی دیکھا نورِ خدا دیکھا۔ وہی کچھ جانتے ہیں جنہوں نے اس مظہرِ نورِ خدا کی زیارت کی ہو۔ ہم نے سلام علیکم کہا۔ حضرت صاحب نے جواب دیا۔ حالانکہ

تین بج چکے تھے مگر پھر بھی آپ نے فرمایا۔ روٹی کھانی ہے۔ مَیں نے کہا۔ نہیں حضرت ہم نے امرتسر کے سٹیشن پر کھائی تھی۔ جو سرور ہم لوگوں کو زیارت مبارک سے حاصل ہؤا۔ حدِّ بیان سے باہر ہے۔ مَیں نے عرض کیا۔ کہ ہمارے آدمی ملنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ارشاد کیا کہ بُلائیے۔ اُسی وقت ایک آدمی بُلانے کو بھیجا۔ اور ہم کو فرمایا۔ کہ آپ باہر جاکر بیٹھیں، مَیں اسوقت سخت مشغول ہوں۔ مَیں نے اچھی طرح دھیان کیا تو آپ کے ہاتھ میں ایک زرد پرچہ دکھائی دیا۔ جس پر تازہ وحی جلی حروف میں لکھی ہوئی تھی کہ "خدا سچّے کا حامی ہو"۔ اور ڈاکٹر عبدالحکیم کی بابت پیشگوئی تھی۔ جس کو حضرت صاحب بار بار پڑھ کر ٹہل رہے تھے۔ جب میرے والد صاحب مع اپنے دُوسرے رفقاء کے آئے تو انہوں نے ہمیں بھی اطلاع کردی۔ ہم بھی حضرت صاحب کے پاس جا بیٹھے۔ میرے خُسر صاحب ایک سخت موذی مرض میں مبتلا تھے جس کے واسطے لاکھوں دوائیں، ہزاروں دُعائیں، کئی گنڈے تعویز کرائے مگر ذرہ بھی افاقہ نہ ہوتا تھا۔ میرے والد صاحب نے ان کا ذکر حضرت صاحب سے کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ خدا سے رورو کر دُعائیں مانگو انشاءاللہ یہ (بیماری) رفع ہوجائے گی۔ آپ نے تھوڑی (سی) مؤثر تقریر نماز پر فرمائی۔ اور ارشاد کیا کہ اگر تم سچّے دل سے نمازیں پڑھو تو تم سے کوئی بھی گناہ نہ ہو سکے۔ بخدا دل اُس وقت موم ہو کر پگھلا جاتا تھا۔ اور وہ باتیں دِل پر نقش ہوتی جاتی تھیں۔ واقعی اے مسیحؑ تُو نے مُردوں کو زندہ کردیا ہے۔

جب تقریر کر چکے تو ہم نے مکان کی بابت عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نواب صاحب نے آپکا مکان لے لیا ہے، آپ اُن کا لے لو۔ اور فرمایا کہ مولوی (نورالدین) صاحب سے چابیاں منگوا لو۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ

میں حضرت صاحبؑ کا لباس بھی بتلا دوں جو کہ اُس وقت ان کے زیب تن تھا گجراتی کپڑے کا تنگ سا پاجامہ اور معمولی موٹی ململ کا کُرتہ۔ پاؤں میں پُورانی جُوتی پہنے ہُوئے تھے۔ مگر جلالت اور عظمت والا ماتھا خود بخود بتلا رہا تھا کہ یہی مسیح موعود ہے۔

۱۵ر تاریخ کا آدھا دن ام المومنین کی خدمت میں گذرا۔ اور خوش خلقی اور حلیمی کا مجسّم نمونہ مسیحؑ کی بیوی کو پایا۔ شام کو نواب صاحب والے مکان میں گئے۔ جہاں ہر طرح کا سامان رہائش حضرت اقدسؑ نے اپنی طرف سے کروا دیا تھا۔ کھانا لنگر سے آگیا جس میں تھوڑی سی دال اور بہت سا گوشت مگر دونوں چیزیں بڑی لطیف پکی ہُوئی تھیں۔ مَیں سچ کہتی ہوں کہ جو لذّت مجھے اس روٹی گوشت نے دی کبھی ہزار کھانوں سے نصیب نہیں ہوتی۔ بخدا وہاں جاکر انسان اپنے وطن مالوف کو فراموش کر دیتا ہے۔ وہاں سے جُدا ہونے کو جی چاہتا ہی نہیں۔"

"پھر وہاں سے گھر آئی۔ دوپہر کا کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا۔ ظہر کی نماز پڑھ کر خدمت بابرکت میں جا حاضر ہوئی۔ حضرت اقدس نماز سے فارغ ہو کر حقیقۃ الوحی کتاب لکھ رہے تھے۔ کوئی تقریر نہیں کی۔ بہت سا وقت ام المومنین کی خدمت میں گزرا۔ کھجوریں کہیں سے آئی ہُوئی تھیں، ہم میں بانٹیں۔ اُم المومنین کے اعلیٰ اخلاق نے ثابت کر دیا کہ مسیحؑ کی بیوی میں نیک بختی، خوش خلقی، حلیمی، بُردباری، دینداری کی کمی نہیں۔ اب سُنیئے مرزا صاحب کے ہاں دینداری کا کیا حال ہے۔ نماز کے اوقات خاص کر قابل دید تھے بچہ سے لیکر بوڑھے تک کیا مرد کیا عورت بڑے خشوع و خضوع سے سر بسجود نظر آتے تھے۔ قادیان میں سوائے قرآن کریم اور نماز پڑھنے

کے کوئی دُوسرا کام ہی نہیں۔ اذان اول وقت دیجاتی ہے۔ اللہ اکبر کی
صداؤں سے چھوٹا سا قصبہ گونج اٹھتا ہے۔ مَیں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ
مرزا صاحب کے گھر کی دینداری بینظیر ہے۔ مَیں اُم المومنین کی نماز کا
چشمدید واقع بیان کرتی ہوں کہ وہ زار زار رو رہی ہیں۔ اور مُنہ کے آگے
دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ مگر جھٹ دوپٹہ کا وہ پلّہ پیچھے کر لیا۔ کہ
مبادا ریا نہ پایا جاوے۔ اور اس خشوع خضوع سے نماز ادا کی۔ کہ ہم
حیران ہو گئیں۔ ہزاروں مہمان آتے ہیں مگر ان کے ماتھے پر کبھی بل نہیں پڑا
وہ غریب امیر سے ایک طرح ہی پیش آتی ہیں۔ مَیں نے سُنا تھا کہ بیوی صاحبہ
کے پاؤں میں سونے کی پازیبیں ہیں اور پتلون نما پاجامہ اور فل بوٹ پہنتی ہیں۔
(مَیں نے اُسے جواب دیا کہ وہ دین و دُنیا کے بادشاہ کی بیوی، سونے کی پازیبیں
چھوڑ جواہرات کی پاشے تو ہمیں خوشی ہے۔ جیسا ان کا دل چاہے لباس پہنیں۔
اس میں عذر کی کونسی بات ہے) اور بڑی متکبّر ہیں بات تک بھی نہیں کرتیں۔ مگر
میرا مشاہدہ بتلاتا ہے کہ ان کے پاس تکبّر کا گذر ہی نہیں ہوا۔ وہ مجسم
رحم اور حلم کی تصویر ہیں۔ پردہ کا از حد خیال ہے۔ کوئی بچہ تک اندر نہیں آنے
پاتا۔ ۱۷ تاریخ کو حکیم امت مولوی (نور الدین) صاحب کے گھر گئے۔ جہاں عقل کی پُتلی
فہیم عورت مولوی صاحب کی بیوی صاحبہ سے ملاقات کی۔ مولوی صاحب
بھی گھر ہی تشریف رکھتے تھے۔ نہایت مہربانی سے پیش آئے۔ بہت دیر تک
اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اسی دن ہمارے سب آدمیوں نے بیعت کی۔ ہم
بھی حکیم صاحب کے ہاں سے اُٹھکر حضرت صاحبؑ کے پاس گئے۔ بیعت کے واسطے
عرض کیا۔ آپؑ نے فرمایا عصر کے بعد لیجاویگی۔ . . . . .
۱۸ کی صبح کو خدمت شریف میں حاضر ہوئی۔ تو آپنے فرمایا کہ تم میں سے کس نے

بیعت کرنی ہے۔ میں نے کہا حضور سب نے۔ آپؑ چار پائی پر بیٹھے ہوئے تھے ہمیں زمین پر غالیچہ دیا گیا۔ ہم اسپر بیٹھ گئیں (واضح ہو کہ مردوں کی بیعت تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر لیجاتی ہے۔ مگر عورتوں کی صرف آپؑ کے کہنے پر ہو جاتی ہے) حضرت صاحب نے کہا کہ جو لفظ میں کہوں وہی تم بھی میرے پیچھے کہتے آنا۔ پہلے اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ والا سارا کلمہ پڑھا۔ پھر کہا۔ آج میں احمد کے ہاتھ پر ان تمام گناہوں کا اقرار کرتی ہوں جن میں میں گرفتار تھی۔ اور سچے دل سے اقرار کرتی ہوں کہ جہانتک میری طاقت اور سمجھ ہے تمام گناہوں سے بچتی رہونگی۔ اور دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گی۔ (اُسوقت میری آنکھیں تر ہوگئیں اور دُعا کی کہ الٰہی تو ہی ثابت قدم رکھیگا) پھر استغفر اللہ تین دفعہ۔ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ والی ساری دُعاء پڑھائی۔ بعد اس کے دُعائے خیر کی۔ اُسوقت ہماری خوشی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور دل گواہی دے رہا تھا کہ ضرور ہم صراط مستقیم پر آ گئے۔ میرے سُسرال والے جانے کو تیار ہو گئے۔ میں نے جانے کا نام سُنا۔ آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ اُم المومنین کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے مجھے مغموم دیکھ کر پُوچھا۔ کیوں متفکر ہو۔ میں نے کہا شائد میں کل چلی جاؤں گی۔ جس سے بیوی صاحبہ کو سخت صدمہ ہوا۔ پھر انہوں نے میری والدہ کی فوتیدگی کا حال دریافت کیا۔ میںنے اپنی والدہ کی ناگہانی موت کا حال کہہ سُنایا۔ جس سے بیوی صاحبہ کی چشم مبارک پُر ہو گئیں اور فرمانے لگیں۔ لڑکی تُو نے میرے دل کو دو۲ صدمے دئیے ہیں۔ پہلا تو تمہارے جانے کا تھا۔ دُوسرا تمہاری والدہ کی موت کا۔ یہ لکھنا ضروری ہے کہ بیوی صاحبہ بڑی ہمدرد اور رقیق القلب ہیں۔ دُوسرے کے غم کو اپنا ہی تصوّر کرتی ہیں۔ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کرنا ان کا شیوہ ہے۔ یہاں مجھے ایک بات یاد آ گئی۔ جس کا لکھنا خالی از مصلحت نہیں ہوگا۔

میرا گیارہ سالہ بھائی جو کہ عرصہ نو ماہ سے قادیان میں تعلیم پاتا ہے، دو ماہ ہوئے کہ اس کے پاؤں اتفاقاً گڈے کے نیچے آ گئے جس میں کہ چھ بوریاں گندم کی لادی ہوئی تھیں۔ سخت زخمی ہو گیا تھا۔ تقریباً ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے سیدھا ہونے کی بالکل اُمید نہ تھی۔ جو ہمدردی اس بچہ کے ساتھ فرقہ احمدیہ نے کی ہے، وہ قابلِ تقلید ہے۔ حکیم الامت مولوی نور الدین صاحب نے مع اہلبیت مفتی محمد صادق نے مع اہلبیت مولوی محمد علی صاحب نے مع اہلبیت خود حضرت اقدس اور اُم المومنین نے رو رو کر نیم شب کو دُعائیں مانگیں۔ خداوند دو عالم نے ان بزرگوں کی دُعاؤں کو سُنا۔ تھوڑے ہی دنوں میں بچہ کو صحت ہو گئی۔ اب وہ صحیح سالم چلتا پھرتا ہے۔ اگر کسی نے اخلاقِ رسُولی دیکھنا ہو تو احمدیہ جماعت میں دیکھے۔ انہیں وہی ہمدردی عود کر آئی ہے جو حضرت صلعم کے مبارک زمانہ میں صحابہ کبار میں تھی۔ ۱۸ تاریخ کی شب نہایت بےچینی سے کاٹی۔ ۱۹ کو علی الصبح ہی حکیم الامت مولوی صاحب کے ہاں گئی۔ وہ اس وقت عورتوں کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے ان سے اپنے جانے کا ذکر کیا۔ ایک آدھ گھنٹہ وہاں ٹھہر کر حضرت اقدسؑ کی خدمت میں اجازت طلب کرنے کے واسطے حاضر ہوئی۔ میری ساس صاحبہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرت صاحب کتاب لکھ رہے تھے۔ اُسے چھوڑ دیا۔ اور ہماری طرف مخاطب ہو کر ایسی جامع تقریر کی جو کہ ہمیشہ کے واسطے یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اور جو زریں حروف سے لکھ کر ہر وقت سامنے رکھنے والی ہے۔ آپ نے فرمایا "تمام چیزیں حرام کھانی گناہ ہیں۔ مگر غصہ جو کہ حرام ہے۔ اسکا کھانا ثواب میں داخل ہے۔ ہمارے مخالف ہمیں گالیوں کے لمبے خط لکھ کر بھیجتے ہیں۔ جنکو ہم پڑھ کر یہی دُعا کر دیتے ہیں کہ خدا تمہیں ہدایت دے۔ جب لڑکی بیاہی جاتی ہے۔ تو اُس کے ہاتھ میں دو چابیاں ہوتی ہیں۔ ایک

صلح کے دروازہ کی دُوسری لڑائی کے دروازہ کی۔ جس دروازہ کو چاہے کھول سکتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ عورتیں جنہوں نے صلح کا دروازہ کھولا۔ لڑکیوں کو اپنے خُسر ساس کی نہایت تابعداری کرنی چاہیئے۔ کیونکہ بعد از شادی لڑکی کا تعلّق اپنے والدین سے بڑھکر اپنی ساس خُسر سے ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے ان کے ادب کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے۔ اُن کے حکموں کو بلا کم وکاست قبول کر لینا چاہیئے۔ تعلیم کا یہی فائدہ ہے کہ لڑکی اپنے آپکو پرلے درجہ کا تابعدار ثابت کرے۔ سخت ہی بد بخت ہیں وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کو ان کے والدینوں سے برگشتہ کرنے کی تجویزیں کرتی ہیں۔ ان کو کبھی فلاح دارین نصیب نہیں ہو گی۔“

حضرت جی کی اس مؤثر اور پُر زور تقریر سے سارا جسم کانپ گیا۔ اسی وقت سے اپنے دِل میں عہد کر لیا کہ جہانتک ممکن ہو سکیگا۔ ان کی فرمانبرداری سے گریز نہیں کرونگی۔ حضرت اقدسؓ سے رخصت ہو کر گھر آئے، ہمیں ملنے کیواسطے حکیم الامت بھی تشریف لے آئے۔ استکبار توڑنے پر بڑی لمبی پُر از تاثیر وعظ کہی جس کا لب لباب یہ تھا کہ ” فراخی کیوقت انسان کو متکبّر نہیں ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ ہم نے کئی خاندان دیکھے جو کہ بڑے ذی جاہ تھے مگر اَب کوڑی کے محتاج ہیں۔ آن کی آن میں مٹ گئے۔ اور فرمایا کہ میں اپنی اولاد کے واسطے یہی دُعا مانگتا ہوں کہ الٰہی انہیں اتنا ہی دیجیئو جتنے میں وہ گذارہ کر سکیں۔ جمع کرنے کے واسطے نہ دینا۔ مبادا اُن میں تکبّر آ جا دے“۔ پھر کچھ نسخے لکھوائے۔ حکیم صاحب کامل ایک گھنٹہ بیٹھے رہے۔ مولوی محمد علی صاحب ایم، اے کی بیوی سے کئی دفعہ ملنے کا اتفاق ہوا جو کہ نہایت ہی خلیق اور ملنسار ہیں (افسوس کہ یہ مدّت ہُوئی فوت ہو گئی ہیں۔ ناقل) بخدا ایک ایک کے

اعلیٰ اخلاق تعریف میں ایک دفتر چاہیئے۔ میرے دینی بھائیو و بہنو! اگر آپ نے عرب کے رسولؐ کے وقت کی مہمان نوازی دیکھنی ہے، تو آؤ اس کا زندہ نمونہ قادیان میں پاؤ گے۔ ہم جتنے دن وہاں رہے ہیں، موسم نہایت ہی خوشگوار رہا ہے "الخ (اہلیہ ملک کرم الٰہی صاحب) الحکم قادیان ۲۴ ستمبر ۱۹۰۶ء

اسکے بعد ہم ایک اور معزز و محترم خاتون کے خود نوشت تاثرات درج ذیل کرتے ہیں۔ ناظرین انہیں بھی پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

محترمہ والدہ صاحبہ سردار امیر محمدؐ خان تمندار کوٹ قیصرانی کے تاثرات

محترمہ موصوفہ ۱۹۰۷ء میں اپنے محترم مرحوم خاوند کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئیں اور چند روزہ قیام میں جو کچھ دیکھا اس میں سے بنظر اختصار کچھ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ اپنی قبول احمدیت کا حال قلمبند کرنے کے بعد لکھتی ہیں کہ:۔

"۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں ہم دونو میاں بیوی نے بذریعہ خط بیعت کرلی۔ سردار صاحب نے تو خود دو تین مہینے کے بعد قادیان شریف جاکر دستی بیعت کی۔ مگر عاجزہ راقمہ نے ۱۹۰۷ء میں بال بچوں سمیت ہمراہ سردار صاحب دارالامان جاکر زیارت کا شرف حاصل کیا۔ آج ۳۴ء ہے۔ جو لوگ اسوقت قادیان شریف کو از سر نو دیکھتے ہونگے وہ خیال کرتے ہوں گے کہ شاید ابتداء سے یہی آبادی ہوگی لیکن میری طرح جس نے پہلے دیکھا ہوگا یا مجھ سے بھی پہلے دیکھنے والے اب دیکھ کر اُن کے دل وجد میں آجاتے ہوں گے۔ کیونکہ ہر مکان خدا تعالیٰ کا تازہ نشان نظر آتا ہے۔ اور بے اختیار منہ سے نکلتا ہے ؎ شعر

ناز کر تو بخت پر اے قادیاں کی سرزمیں ٭ یثرب و مکّہ کے رتبہ میں ذرا تو کم نہیں
بیشک یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ خدا کا وعدہ ہے۔ جبھی تو قادیان دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ وہ ہستی جو پردہ غیب میں ہے۔ وہ اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ ان نشانات سے چہرہ نمائی فرماتی اور اپنی ہستی کا ثبوت دیتی ہے۔ جس سے طالبانِ حق تسلی پاتے اور سرور حاصل کرتے ہیں۔ ؎ شعر

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

کہاں ہے مولوی محمد حسین بٹالوی جو راستہ پر کھڑا ہو کر جانیوالوں کو روکتا تھا۔ میرا ذوق مجھے کہاں سے کہاں لے گیا۔ اب اصل بات کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ جب ہم حضرت اقدس کے دروازہ پر پہنچے، دربان سے سردار صاحب نے فرمایا کہ آپ کسی عورت کو بلاویں کہ ہمارے عیال کو اندر لیجاوے۔ اس نے کسی کو بلایا، وہ ہمیں اندر سے اُوپر کو لے گئی۔ صحن میں تخت پوش پر ایک عابد شکل مجسّم نور اسّی سال کا بزرگ بیٹھا وضو فرما رہا ہے۔ آگے قلم دوات اور کاغذات رکھے ہوئے ہیں۔ دِل نے گواہی دی کہ ضرور یہی بزرگ مسیح موعود علیہ السلام ہوں گے۔ مگر احتیاطاً میں نے اپنی راہبر بیوی سے پُوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہی حضرت صاحب ہیں۔ چونکہ حضرت ام المومنین صاحبہ سامنے کے کمرہ میں تشریف فرما تھیں۔ وہ راہبر بیوی ہمیں وہاں لیجا رہی تھی۔ لیکن میں پہلے حضرت اقدس کی خدمت میں چلی گئی۔ سلام علیکم عرض کر کے

نیچے پختہ فرش پر ہی بیٹھ گئی۔ حضورؓ نے سلام کا جواب دیکر دریافت فرمایا کہ کہاں سے آئے ہیں۔ ہم نے اپنا وطن بتایا سردار صاحب کا نام لیا۔ آپؓ بشاش چہرہ سے احوال دریافت فرماتے اور سنتے رہے۔ عصر کا وقت تھا۔ جو نماز کی تیاری کر رہے تھے۔ آپؓ مسجد مبارک میں نماز پڑھنے تشریف لے گئے اور ہمیں فرمایا کہ آپ وہاں جا بیٹھیں۔ یعنی جہاں حضرت ام المومنین تشریف فرما تھیں۔ ہم ان کی خدمت میں پہنچیں۔ السلام علیکم عرض کیا۔ آپ نے کمال مہربانی وکشادہ پیشانی سے جوابدیا۔ احوال دریافت فرمایا۔ پیاس کا پوچھا۔ کیونکہ سفر کی تکلیف سے پیاس کا لگ جانا ضروری بات ہے۔ لیکن اس وقت کے سفر کرنے والے کیا سمجھیں کہ بٹالہ سے قادیان تک سب کچی سڑک کے یکہ کی سواری کس قدر تکلیف دہ تھی فوراً شربت بنوایا۔ ہم چار آدمی تھے۔ سیر ہو کر پیا۔ کیا ہی مہمان نوازی ہے۔ ہمارا وہ آقا جو روحانی باپ تھا۔ جس کا کلام ہم جیسے مردہ لوگوں کے لئے زندگی بخش تھا۔ واقعی اس کے شایان یہی ہماری روحانی والدہ حضرت ام المومنین صاحبہ خدیجہ ثانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ سلامت باکرامت رکھے۔ بذات خود چلکر ہمیں نیچے والے کمروں سے کمرہ دیا۔ سامان رکھوایا۔ پُر تکلف کھانا بھجوایا۔ میں کھانا کھانے کے بعد شام کو اوپر بغرض بیعت گئی اور بیعت کے واسطے عرض کیا۔ تو فرمایا کہ آپ آج ہی آئے ہو رہو گے تو بیعت بھی ہو جائے گی۔ اس جگہ مختصراً ایک اور بات بھی عرض کر دیتی ہوں۔ وہ یہ کہ ہماری چھوٹی سی ریاست ہے جسکے حکمران اس وقت میرے خسر صاحب تھے۔ ان کا بڑا بیٹا باپ کی زندگی میں ایک لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ میرے خسر صاحب چاہتے تھے۔ کہ متوفی بیٹے کا بیٹا میرا ولیعہد ہو۔ مگر سردار صاحب اپنے آپ کو حقدار سمجھتے تھے۔ اسی اختلاف کیوجہ سے سردار صاحب کے والد خود و برادر زادہ خود کے درمیان جھگڑا تھا حضرت اقدسؑ

سے دُعاء کے واسطے سردار صاحب نے عرض کیا تھا۔ انہیں باتوں کے متعلق
حضورؑ احوال دریافت فرماتے رہے۔ اور دُعا کا وعدہ فرمایا۔ دو روز بعد پھر
مَیں نے بیعت کے متعلق عرض کیا۔ تو فرمایا کہ کیا آپ نے میری کوئی کتاب بھی
دیکھی ہے۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہاں حضور میں نے بہت کتب دیکھیں۔ حضورؑ نے
نام دریافت فرمائے تو مَیں نے جتنے نام یاد آئے سُنا دیئے۔ تو آپؑ نے بہت
خوش ہوکر میری بیعت لی اور فرمایا کہ اس وقت جو کتاب تحریر کر رہا ہوں۔ اس کا
نام "چشمہ معرفت" رکھوں گا۔ جب چھپے گی تو آپ کو بھجوا دُوں گا" ......

" ایک دن حضرت ام المومنین سلمہا اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؑ کے ہمراہ
بغرض تفریح سیر کو باہر تشریف لے گئیں۔ عاجزہ راقمہ و دیگر بہت سی مستورات
برقعہ پوش حضرت ممدوحہ کی اردل میں چلیں۔ میرا بیٹا سردار امیر محمدؐ خان جو
اس وقت بفضلہ تعالیٰ صاحب اولاد ہے۔ اُس وقت قریباً چار سال کا ہوگا۔ یہ
حضور علیہ السلام کے آگے پیچھے دوڑتا کھیلتا جاتا تھا۔ ہمارے ملک میں لڑکوں کو
بھی زیور پہناتے تھے۔ چنانچہ یہ بھی زیوروں سے خوب آراستہ تھا۔ جب حضورؑ
واپس دولتخانہ میں تشریف لائے۔ تو مجھے فرمایا کہ خُدا نے آپکو لڑکا دیا تو کیا آپ کا
دل چاہتا ہے کہ یہ زیور پہن کر لڑکی نظر آئے۔ مَیں یہ ارشاد سُنکر فوراً زیور اُتارنے
لگی تو حضرت اُمّ المومنین نے فرمایا کہ آپ زیور اُتارتی ہیں۔ مَیں نے عرض کیا۔ کہ
جی ہاں۔ تو حضرت ممدوحہ نے زبان سے یہ فرما کر کہ اچھا یہ سعادت مَیں حاصل
کرتی ہوں۔ بذاتِ خود سب زیور اُتار کر رکھدیئے۔ حضرت اقدسؑ وضو فرما رہے
تھے۔ اور اس طرف بھی خیال تھا۔ وضو سے فارغ ہوکر بچّہ کے پاس آکر تبسّم سے
دیکھ کر فرمایا کہ تم احمدؐی اب ہوئے۔ معزّز ناظرات طوالت کے خوف سے میں تبلیغی
پہلو کو اکثر جگہ چھوڑ دیتی ہوں۔ مگر اس جگہ اتنا ضرور عرض کروں گی۔ کہ غضِ بصر کیوجہ سے

اینک حضورؑ کو پتہ نہ لگا۔ والّا جب میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہوتی۔ تو بچہ ہمیشہ ہی میرے ساتھ ہوتا۔ آج کھلے میدان میں حضورؑ کے آگے پیچھے دوڑتا ہوا لڑکا نظر آیا۔ تب زیورات کا پتہ لگا" . . . .

"ایک دن حضورؑ کا وضو ایک خادمہ کرا رہی تھی۔ جو پانی نیچے گر رہا تھا۔ میں نے ایک چلو اس سے لیکر پسرم سردار امیر محمدؐ خان کی آنکھوں پر لگایا۔ کیونکہ پسرم کی آنکھیں ہمیشہ خراب رہا کرتی تھیں۔ بہت سے علاج کئے۔ حتّٰی کہ جونکیں بھی لگوائیں۔ مگر پوری شفایاب کبھی نہ ہوتی تھیں۔ خدا کے فضل سے اُسی دن سے خُدا نے شفا بخشی پھر کبھی خراب نہ ہُوئیں۔ آئیندہ اللہ تعالیٰ کا فضل درکار ہے۔ ایک دفعہ خادمہ وضو کرا رہی تھی۔ میں نے جاکر اس سے بدنہ لوٹا لینا چاہا تاکہ میں وضو کراؤں۔ وہ انکار کرنے لگی۔ حضورؑ نے فرمایا۔ دیدو ہر ایک کے واسطے سعادت ہے۔ اس نے دیدیا تب میں نے حضورؑ کا وضو کرایا۔ اب میں اپنی رخصت کا ذکر سُنا کر مضمون ختم کرتی ہوں۔ ہم کو دارالامان آئے ہفتہ ہؤا۔ تب سردار صاحب نے مجھے فرمایا کہ حضرت اقدسؑ مہمانوں کو جلدی رخصت نہیں دیا کرتے۔ آج ضرور رخصت کے واسطے عرض کر دینا۔ آخر حضورؑ فرمائیں گے۔ کہ کچھ دن اور ٹھہرو۔ تو دو چار دن اور رہ پڑیں گے۔ چنانچہ رخصت لینے میں حضورؑ کی خدمت میں حاضر ہُوئی۔ حضور اپنی تالیفات کے کام میں مصروف تھے۔ میں نے جاکر سلام علیکم عرض کرنے کے بعد رخصت کا نام لیا اور نیز دعا کے واسطے بھی عرض کی۔ تب فرمایا۔ کہ ایسی جلدی کیوں؟ کیا گھر کے واسطے اوداس ہوگئے ہو، یا کھانا یا مکان کے متعلق کوئی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر کوئی تکلیف ہو تو میں رفع کرسکتا ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ تکلیف کہاں کی گھر سے بھی زیادہ آرام ہے۔ لیکن پیچھے کچھ مجبوریاں تھیں جو میں نے حضورؑ کی خدمت میں بیان کیں۔ تب حضورؑ نے فرمایا کہ رہو میں ابھی تک آپکا معاملہ سمجھا ہی اچھی طرح نہیں۔ میں دُعا کروں گا۔ اگر

خدا تعالیٰ سے کچھ ظاہر ہؤا تو بتا بھی دُوں گا۔ اور مہربانی کے لہجہ میں فرمایا کہ دیکھو قسمت سے ملاقات ہوتی ہے۔ نہ مجھے اپنی زندگی پر بھروسہ ہے نہ دوسروں پر آپ دُور سے آئے اور اتنا حرج خرچ کر کے آئے ہو تو مناسب ہے کہ کچھ دن اور رہو۔ آہ وہ ہمارا شفیق باپ جس کی ایک ایک بات سونے کے پانی سے لکھنے کے قابل تھی، اس مقدس وجود کا قلب بتارہا تھا کہ اس دُنیا میں آپؑ کا نورانی چہرہ پھر ہم نہیں دیکھ سکیں گے۔ مہمانوں کا جلد رخصت ہونا حضور کو ناپسند ہوتا تھا۔ جسپر حضورؑ کی سچائی کی بھاری دلیل ہے۔ ایک تو یہ کہ جتنی مُدت زیادہ لوگ میرے پاس رہیں گے۔ میری عادات، حرکات و سکنات کو مشاہدہ کر کے رائے قائم کرسکینگے دُوسرا وہ مقام جو خدا تعالیٰ نے حضورؑ کو عطاء فرمایا۔ وہ آپکو اچھی طرح معلوم تھا۔ کہ میری صحبت میں رہ کر انسان رُوحانی ترقی کرے گا۔ اگر خدا تعالیٰ کا کوئی نشان ظاہر ہوگا۔ تو اور فائدہ ہوگا۔ بیشک یہ سچی بات ہے کہ عطار کی دوکان پر بیٹھئے تو خوشبو سے کپڑے مہک جاویں گے۔ اگر لوہار کی دوکان پر بیٹھو تو کپڑے کوئلہ کے دھوئیں سے سیاہ ہوجائیں گے ساتھ ہی چنگاریوں سے جل جاویں گے۔ خدا کے نبی روز روز دنیا میں نہیں آتے یہ موقعے قسمت سے ملتے ہیں۔ پھر ہم رہ پڑے حضورؑ نے شام کو پھر اُسی معاملہ کے متعلق مفصل احوال دریافت فرمائے حضرت ام المومنین صاحبہ سے بھی فرمایا کہ آپ ان کے لئے دُعا فرماویں اور میں بھی دُعا کروں گا۔ دوسرے روز بوقت نماز صبح فرمایا کہ مجھے الہام ہؤا کہ ان کو کہدے کہ تمہاری فتح ہے۔ نیز فرمایا کہ ابھی یہ معلوم نہیں ہؤا کہ کب کامیاب ہوگی، جلدی سے یا کسی قدر دیر سے، انجام کار فتح ہوگی۔ اگر رہو گے تو میں توجہ کرونگا۔ وقت معلوم ہوگیا تو اخباروں میں بھی چھپا دُونگا۔ لیکن ہم ٹھہر نہ سکے، واپس چلے آئے جس فتح کی حضورؑ نے پیشگوئی فرمائی تھی اس معاملہ میں بھی انجام کار کامیابی سردار صاحب کو ہُوئی مفصل ذکر

اس معاملہ اور فتح کی پیشگوئی کا مضمون اخبار فاروق کے خاص نمبر میں "زندہ معجزہ" کے عنوان سے چھپ چکا ہے۔ اِس واسطے اِس جگہ تفصیل کرنی موجب طوالت ہے"۔

" ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دَولت خانہ میں عصر کی نماز سے پہلے داخل ہوئے۔ حضورؑ نماز کے واسطے مسجد مبارک میں تشریف لے گئے۔ مغرب سے پہلے ہمیں کھانا مل گیا۔ کھانے کے بعد کیا دیکھتی ہوں۔ کہ جوق در جوق پردہ پوش بیویاں آتیں۔ بُرقعہ اُتار حمام سے وضو کرتیں۔ بیٹھتی جاتیں۔ دریافت سے معلوم ہوُا کہ نماز باجماعت کے واسطے یہ سب جمع ہو رہی ہیں)۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ہی نماز پڑھائیں گے۔ حضورؑ نے اندر کمرہ میں اپنی بہوؤں اور بیٹی و حضرت اُم المومنین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ سے صف بنائی۔ باہر صحن میں دیگر مستورات کی دو تین صفیں ہُوئیں۔ کیا ہی پُر لطف نظارہ تھا۔ سرور سے مجھ پر وجد کی حالت طاری تھی۔ مجھے خوب یاد ہے اور میں اللہ تعالیٰ کو بھی شاہد کر کے کہتی ہوں۔ کہ میری آنکھوں سے آنسو بہ پڑے۔ کہ الٰہی یہ تیرا کس قدر احسان ہے کہ آج ہم اس مہدی علیہ السّلام کے ساتھ نماز پڑھ رہی ہیں کہ جس کو دیکھنے کو ایک مخلوق خدا ترستی ترستی مر گئی۔ واقعی ہم طبقہ نساء جس قدر اس نعمت کا شکر کریں تھوڑا ہے۔ کیونکہ ہمیں مَردوں سے کم درجہ پر نہیں رکھا گیا۔ حضورؑ اپنے فِعل سے بتا گئے ہیں کہ ان کے لئے باجماعت نماز ادا کرنی ضروری ہے۔ حضورؑ نے مغرب و عشاء جمع کی اور جبتک عاجزہ وہاں رہی مغرب و عشاء کا انتظام مستورات میں حضورؑ کا یہی دیکھا گیا۔

ایک دن نماز کے لئے سب جمع تھیں۔ لیکن حضورؑ ابھی وضو فرما رہے تھے کہ صاحبزادہ مرزا بشیر احمدؐ صاحب کی بیگم صاحبہ کو کسی نے کہا کہ آپکی بچّی رو رہی ہے۔ بیگم صاحبہ موصوفہ مجھے اپنی جگہ پر کھڑا کر کے آپ بچّی کو دُودھ پلانے

تشریف لے گئیں۔ اُن کے آنے سے پہلے حضور نے نماز شروع کر دی۔ بیگم صاحبہ تو باہر کسی جگہ کھڑی ہو گئیں اور عاجزہ کو ان کا وہ مقدس کام کرنا پڑا۔ یعنی صحن کی جماعت کو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز پہنچائی گئی۔

ایک دن حضورؑ کو دردِ گردہ ہو گیا۔ کئی اور علاج بھی کئے ہوں گے۔ مگر مَیں نے دیکھا کہ چُولھے میں آگ جل رہی ہے اور اس میں کچّی خشت کے ٹکڑے گرم کر کے لائے جاتے ہیں۔ حضورؑ خود یا حضرت ام المومنین صاحبہ درد کی جگہ ٹکور کرتے جاتے ہیں۔ رات کے سونے کے پلنگ پر آپؑ دَرد سے کبھی لیٹتے کبھی بیٹھتے۔ غرض تکلیف سے سخت بے آرام تھے۔ کہ اتنے میں عصر کی نماز کی اذان ہو گئی۔ چُنانچہ اس خُدا کے برگزیدہ نے دَرد پر گرم خشت باندھ کر نماز ادا کر کے دکھا دیا کہ بیماری بھی انسان کے ساتھ لازمی ہے اور نماز بھی فرض۔ سو اس کا اس طرح التزام کرنا چاہیئے"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

میری موجودگی میں جتنی دفعہ حضورؑ بہمراہی حضرت ام المومنین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ سیر کو تشریف لے گئے۔ اسی راستہ اور اسی طرف سے تشریف لے گئے۔ راستہ میں کوئی مکان اور آبادیاں نہ تھیں بلکہ ویران اور کھیت تھے اب جو میں انہی راستوں اور جگہ کو دیکھتی ہوں تو پہچانا بھی نہیں جاتا کہ کیا یہ وہی قادیان ہے۔ جبکہ مَیں آج سے اٹھائیس ۲۸ سال قبل اپنے آقا و ہادی کے ہمراہ انہیں راستوں پر چلی تھی۔ جس طرح اِس چھوٹی سی بستی نے ترقی کی، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد نے بفضلہ تعالیٰ ترقی کی ہے۔ حضورؑ کے وقت حضورؑ کی صرف ایک پوتی تھی۔ آج خُدا کے فضل سے حضورؑ کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، اِک سے ہزار ہوویں کے مطابق خُدا تعالیٰ ہماری آنکھوں کو دکھا رہا ہے۔ مخالف کہیں گے کہ یہ اتفاقی بات ہے۔ لیکن کوئی یہ نظیر بھی پیش کر سکتا ہے کہ

گمنامی کی حالت میں کسی نے پیشگوئی کی ہو کہ میرے پاس دُور دراز سے لوگ آئیں گے اور تحفے تحائف لائیں گے۔ اور یہ بستی ایک شہر ہو جائے گی۔ اور دریا بیاس تک جائیگی۔ یا یہ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تیری نسل کو بڑھاؤں گا۔ اور تیرے بڑوں کا نام منقطع ہو جائے گا۔ اور تجھ سے نسل چلیگی۔ یقیناً بجز خُدا کے برگزیدہ لوگوں کے ایسی نظیر نہیں ملتی اور نہ کبھی ملیگی۔ کیونکہ مفتری علی اللہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کی فیصلہ شدہ بات ہے۔ اور قرآن کریم بآواز بلند پکار رہا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ۔ یعنی تحقیق وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ باوجود سخت مخالفت کے آپؑ کو خُدا تعالیٰ نے وہ کامیابیاں بخشیں جنکا ذکر بدیں الفاظ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:-

ے ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر
میری جیسی جس کی تائیدیں ہُوئی ہوں بار بار

اب مَیں اصل بات کی طرف رجُوع کرتی ہوں کہ جب ہم حضورؑ سے رخصت ہو کر دارالامان سے چلنے لگے تو مَیں نے اپنی رُوحانی والدہ جنابہ حضرت ام المومنین صاحبہ سلمہا اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ حضرت اقدسؑ کا کوئی مستعملہ کپڑا ہمیں عنایت فرمایا جائے جنابہ موصوفہ نے حضورؑ کا مستعملہ چوغہ عنایت فرمایا۔ جس کو مَیں نے گھر آکر حفاظت سے رکھ چھوڑا۔

میرا بچّہ امیر محمدؐ خان کوئی بارہ برس کا ہوگا۔ کہ اس کو سخت بخار ہو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ ایک دن صبح دس بجے بخار نے ایسا حملہ کیا۔ کہ بچّہ بیہوشی میں چارپائی سے اُٹھ کر باہر کو دَوڑنے لگا۔ مَیں نے پکڑ کر چارپائی پر جب لٹایا۔ تو آنکھیں ایک جگہ ٹکٹکی سے گڑ گئیں۔ ہاتھوں میں تشنج ہو گیا۔ حالت خطرناک نظر آنے لگی۔ پریشانی حالت میں مجھے اچانک خیال آیا کہ حضرت اقدسؑ کا چولہ جسم پر پھیرنا

چاہیئے۔ میں دَوڑ کر وہ چولہ اُٹھا لائی اور بچہ کے جسم سے لگایا اور خدا تعالیٰ سے دُعا کی اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ حالت جاتی رہی اور بخار بھی کم ہونا شروع ہوُا۔ آخر کئی دن بعد خدا تعالیٰ نے پُوری شفاء بخشی۔ مَیں نے اس بخار کے حملے اور چولے کا کسی سے خود ذکر نہ کیا۔ مگر میری ایک کنیز عائشہ نامی جو ابتک زندہ موجود ہے۔ وہ دیکھ رہی تھی۔ اُس نے ہماری ہمسائی کے لڑکے کی بیماری پر انہیں بتا دیا۔ اس کا ذکر اس طرح پر ہے کہ ہماری ہمسائی دائی بھی تھی۔ یعنی دایہ گری کا کسب کرتی تھی۔ اُس کا صرف ایک لڑکا تھا۔ جو بڑی آرزوں سے پیدا ہوُا۔ اُس لڑکے کو ایک دن ام الصبیان کا ایسا سخت حملہ ہوُا۔ جس پر اُنہوں نے کئی حکیم طبیب جمع کئے۔ سب اپنے علاج کر رہے تھے۔ بچہ کو کچھ ہوش نہ آتی تھی۔ تب میری اُس کنیز عائشہ سے نہ رہا گیا۔ اُس نے مخفی بچہ کی والدہ سے چولے کا ذکر کیا۔ تب وہ روتی ہوُئی میرے پاس دَوڑی آئی۔ کہ برائے خُدا اپنے مُرشد کا وہ چولہ ہمیں دیں۔ پہلے تو مَیں نے انکار کیا کہ ہمارے اعتقاد اور ہیں اور تمہارے اور۔ دُوسرا مَیں ڈرتی ہوں۔ کہ کہیں پرستش کا الزام مُجھ پر نہ آجائے۔ لیکن اُس نے مجھے بہت تنگ کیا۔ تب مَیں نے اُسے دے دیا۔ اُسے بھی خُدا تعالیٰ نے اُسی وقت شفاء دے دی۔ چنانچہ وہ لڑکا شادی شدہ اور اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے۔ جس کا نام تگہ والدہ کا نام سبھائی ہے۔ تیسری دفعہ ہماری برادری میں ایک بچہ اسی بیماری کے دَورہ میں مبتلا ہوُا۔ ان کو بھی شائد اسی دائی نے کہا ہوگا۔ وہ بھی مجھ سے بڑی منت سماجت سے چولہ لے گئے۔ اُسے بھی خُدا تعالیٰ نے شفا بخشی جس کا نام دین محمدؐ ہے۔ یہ ہے اس الہام الٰہی کی سچائی کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ پھر مصلحت خداوندی نے وہ چولہ مجھ سے اِس طرح

لے لیا کہ سردار صاحب کا ایک احمدی منشی تھا۔ اُس نے مجھ سے چولہ منگوایا۔ اگرچہ مَیں نے اپنے ہاتھ سے ہی دیا تھا۔ مگر مجھے بالکل بھول گیا۔ اُس نے خود واپس نہ کیا۔ سردار صاحب فوت ہو گئے۔ ہمارے وہ احمدی بھائی چلے گئے۔ گو وہ مع قبائل ایک دفعہ آئے بھی تھے۔ خط وکتابت بھی رہتی ہے۔ لیکن مَیں نے مصلحت خداوندی سمجھکر کبھی نہیں یاد دلایا۔ بلکہ مَیں دُعا کرتی ہوں، کہ اگر اُن کے پاس ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُسے اس چولہ کی برکت سے بابرکت کرے۔ اور نرینہ اولاد سے خدا اُس کے گھر کو آباد فرمائے۔"

(راقمہ والدہ سردار امیر محمد خان تمندار قیصرانی سکنہ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخاں)

(اخبار مصباح یکم ستمبر ۱۹۳۴ء جلد ۸ نمبر ۱۷)

گذشتہ صفحات میں جسقدر عینی شاہدوں کی شہادتیں یا تاثرات درج کئے گئے ہیں۔ ان کو پڑھتے ہوئے کوئی بھی سلیم الطبع اور راستی کا دلدادہ حضور علیہ السّلام کو نعوذ باللہ کاذب اور مفتری کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا ہے۔ کیونکہ جو شخص بچپن ہی سے راست گو اور پاک خو اور اپنے اندر انتہائی خشیت اللہ رکھنے والا ہو۔ اور جس نے کہ سخت سے سخت ابتلاء اور مصیبت کے وقت میں صدق و دیانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا ہو۔ اس کے متعلق مفتری ہونے کا گمان کس طرح کیا جا سکتا ہے، جو بزرگ انسان اقدام قتل کے الزام میں متہم ہو۔ اور اس کا قانونی مشیر اس کو ایک ایسا بیان عدالت میں پیش کرنے پر آمادہ کرے کہ جو اس کو مصیبت سے رہائی دلانے والا سمجھا جائے۔ مگر وہ محض اس لئے اُسے رد کر دے کہ اس میں حقیقت مشتبہ ہو گئی ہے۔ اور جو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مردانہ وار حقیقت حال کا اظہار کر دے۔ کیا ایسے شخص کے متعلق دل میں یہ وہم بھی لایا جا سکتا ہے کہ وہ بندوں پر ہی نہیں بلکہ خدائے جبّار و قہّار

پر افترا باندھنے والا تھا؟

پس جس وجود باجود کی دیانت، امانت، راستبازی اور صدق مقالی کے دوست، دشمن اور اپنے پرائے سبھی معترف ہوں۔ اور آپؑ کی حق گوئی اور صدق کوشی کا کھلے بندوں اعتراف کریں۔ اسکے متعلق کوئی بھی باحیا اور باانصاف یہ نہیں کہہ سکتا کہ نعوذ باللہ آپ مفتری تھے۔

دیوانگی کا اعتراض اور اس کا ازالہ

لیکن ممکن ہے کہ ان روشن اور بیّن حقائق کی موجودگی میں بھی بعض طبائع بول اُٹھیں کہ ہم ایسے پارسا، نیک کردار اور پاک گفتار بزرگ کو مفتری تو نہیں کہہ سکتے۔ مگر یہ ہو سکتا ہے کہ آپؑ کو اپنے دعویٰ کے سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہو۔ یا آپؑ دماغی عارضہ کے باعث اِس قسم کی باتوں کو منجانب اللہ سمجھنے لگ گئے ہوں۔

مگر اس قسم کی باتیں اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور نفس کا دھوکہ ہے۔ جو کہ اُن کو راستی سے دُور لیجانے والا ہے اور مخالفین کے زیر اثر جس شخص کے دِل میں بھی اس قسم کا وہم گذرے، اُسے چاہیئے۔ کہ جلد سے جلد اس قسم کے وساوس سے اپنے دِل کو پاک کرے۔

بھلا یہ ممکن ہے اور عقل اسے باور کر سکتی ہے کہ جس شخص کی ساری عمر علمی کاموں میں صرف ہوئی۔ اور جس نے کہ اسّی کے قریب معرکۃ الآراء۔ انقلاب انگیز اور لاجواب کتابیں لکھیں۔ اور سینکڑوں قسم کے اشتہارات شائع کئے اور ہر مذاق اور علم و فن کے ہزارہا آدمیوں سے مختلف مسائل پر عالمانہ گفتگوئیں کیں اور بھرے مجموں میں حقائق و معارف سے لبریز سینکڑوں تقریریں کیں اور جس نے کہ دُنیائے جہان کے عالموں کو علمی مقابلہ کے لئے بارہا للکارا ہو۔ اور پنجابی نژاد ہوتے ہوئے بھی اپنی فصیح و بلیغ عربی تصانیف کا معارضہ کرنے کے لئے

بلادِ اسلامیہ کے نامی گرامی اور چوٹی کے علماء تک کو مقابلہ پر بلایا ہو۔ اور انعام میں ہزاروں روپیہ کا لالچ بھی دیا ہو۔ مگر مقابل پر آنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی ہو۔ کیا ایسے انسان کے متعلق یہ کہنا اپنے نفس کو دھوکا دینا نہیں کہ نعوذ باللہ آپؑ کسی دماغی عارضہ میں مبتلا تھے؟ کیا نورالدینؓ ایسا یگانۂ روزگار اور فریدالدہر انسان سالہا سال پاس رہ کر بھی اپنے مرشد اور آقا کی کوئی ایسی حرکت نہ دیکھ سکا کہ جو اس کی دماغی خرابی کا نشان ہوتی۔ کیا حضورؑ کی غلامی کا دم بھرنے والے بڑے بڑے حاذق حکیم اور لائق طبیب، اور قابل ڈاکٹر بلکہ سول سرجن تک بھی کسی دماغی عارضہ کا پتہ نہ لگا سکے؟ مولوی عبدالکریم ایسا زیرک، دانا، فہیم اور آپؑ کا سیرت نگار بھی اس راز کو نہ پا سکا؟ مولوی حسن علی ایسا ذہین اور قیافہ شناس اور پیر صوفی احمد جان ایسے روحانی بصیرت رکھنے والے بزرگ سے بھی حضورؑ کا یہ نقص مخفی رہا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی سیّد امیر حسن سیالکوٹی جیسے جہاندیدہ اور سرد و گرم چشیدہ بھی حضورؑ کے اس عیب سے واقف نہ ہو سکے؟ مگر واقف ہونا کیسے جبکہ خدا کا محبوب اس قسم کے ذمائم سے ہر طرح منزّہ و مبرّہ تھا۔ اور جس کو خدا نے خوبصورت، نیک سیرت، پاکیزہ خصال، خوش اطوار۔ پسندیدہ اطوار اور ہر رنگ میں عاقل و فرزانہ بنایا تھا۔ پس وہ لوگ جو مخالفین کی بہکاوٹ میں آکر یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نعوذ باللہ مجنون اور پاگل تھے، اس لئے آپؑ کا دعویٰ قابل توجہ نہیں۔ خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور انہیں اپنی دنیا و عاقبت سنوارنے کی خاطر اس قسم کے لغو وسوسے دل سے نکال ڈالنے چاہئیں۔ خدا کا مسیح دیوانہ نہیں بلکہ فرزانوں کا بھی فرزانہ تھا۔ اور یہ اسی کے عقل و خرد اور فرزانگی کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے وہ بدترین مخالف جو کبھی بڑھ بڑھ کر اسلام پر حملہ آور ہوا کرتے تھے، آج دم توڑ چکے ہیں۔ یہ سلطان القلم کے دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ ہی کا طفیل ہے کہ وہ پادری اور

وہ پنڈت اور وہ اورینٹلسٹ جو اپنے دھواں دھار اعتراضوں سے مُسلمانوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنایا کرتے تھے۔ آج اُن پر موت کی سی خاموشی چھائی پڑی ہے اور اسلام کے جانی دشمنوں اور دلی مخالفونکی کھلی کھلی سراسیمگی، پسپائی اور ذلت آمیز ہزیمت، اسی سلطان القلم کے ہاتھوں ہوئی۔ جسے آج بعض نادان دیوانہ کہنے میں باک نہیں سمجھتے۔ رسالہ ہذا میں ہم نے حضورؑ کے بچپن سے لیکر زندگی کے آخری منزل تک کے شاہدوں کی شہادتیں پیش کی ہیں۔ ہمیں تو ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں بتلاتا کہ نعوذ باللہ حضورؑ کے دماغ میں کوئی نقص تھا۔ یا آپؑ مجانین میں سے تھے، پھر کس طرح مان لیا جائے کہ آپکا دعویٰ قابلِ التفات نہیں؟

دیوانوں کی باتوں میں غیب کی خبریں۔

ہم مانتے ہیں۔ کہ بعض دیوانے بھی مرض کے جوش میں آکر اس قسم کے دعوے کر دیا کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو خُدا رسیدہ اور الہٰی فرستادہ بتا دیا کرتے ہیں۔ مگر اُن کی باتیں خالی مولی باتیں ہوتی ہیں۔ جن میں کسی قسم کی الہٰی شوکت اور ربانی جلال کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آیا کرتا۔ اور جو باتیں غیب کے نام سے سُنایا کرتے ہیں وہ محض واہی تباہی ثابت ہوا کرتی ہیں۔ اور ان کی باتیں سُننے والے بادی النظر میں ہی بھانپ جایا کرتے ہیں کہ کہنے والے کا دماغی توازن درست نہیں۔ مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایسا خیال نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خدانخواستہ حضور علیہ السلام بھی اسی قسم کے مجانین میں سے ہوتے۔ تو یہ بھلا ممکن تھا کہ آپؑ نے جو پیشگوئیاں قبل از وقت شائع فرمائیں وہ حرف بحرف پوری ہو جاتیں۔ کیا اپنی گمنامی و کس مپرسی کی حالت میں جو کچھ اللہ تعالیٰ سے اطلاع پاکر حضورؑ نے اپنی، اور اپنی بستی اور اپنی جماعت کی شہرت، اور ترقی و کامیابی کے متعلق خبریں دیں۔ وہ لفظ بلفظ پوری

نہیں ہوئیں؟ اور کیا اس قسم کی باتیں دیوانگی کی دلیل ہو سکتی ہیں؟ کیا کسی دیوانے کی بڑ اپنے اندر ایسی شوکت اور جلال رکھتی ہیں کہ جیسی شوکت اور جلال. رعب اور ہیبت آپ کی پیشگوئیوں میں پائی جاتی ہے؟ نعوذ باللہ اگر آپ دیوانہ تھے یا آپؑ کسی دماغی عارضہ میں مبتلا تھے تو کیا یہ ممکن تھا کہ آپؑ کی پیشگوئیاں حرف بحرف پوری ہوتی ایک دنیا دیکھتی؟ اور آپؑ کے سالہا سال قبل کے فرمودے اس زمانہ میں آکر لفظ بلفظ پورے ہوتے ہوئے دکھائی دیتے؟

پس جو لوگ مخالفین کے پیدا کردہ وسوسوں کو دل میں جگہ دیکر خدا تعالیٰ کی اس نعمت سے محرومی اختیار کرتے ہیں، اُنہیں ہم مخلصانہ و دردمندانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی خداداد عقل سے کام لیں اور سوچیں کہ اس قسم کے وسوسے کس طرح قابل التفات ہو سکتے ہیں۔ کیا جس شخص نے سالہا سال تک مذہبی دُنیا میں ہلچل مچائے رکھی، جس شخص کے علمی حربوں نے مسیحیت کا قلعہ پاش پاش کر دیا، جس شخص کے رُوحانی ہتھیاروں نے آریہ سماج کے گڑھ کو نہس نہس کر دکھایا۔ جس شخص کی شعلہ بار تقریروں اور تحریروں نے مخالفین کے خرمن کو جلا کر راکھ کا تودا بنا دیا۔ کیا ایسے شخص کو دماغی عارضہ میں مبتلا، دیوانہ اور مجنون کہا جا سکتا ہے؟ جس شخص کو خدا نے دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا جسکو خُدا نے مُسلمانوں کا ناخدا بنایا۔ اور اسلام کا ڈنکا ساری دنیا میں بجا دینے کا کام سپرد کیا ہو۔ وہ دیوانہ نہیں تھا بلکہ فرزانہ تھا۔ اور اس کی متابعت ہر اس شخص پر لازم اور فرض ہے کہ جو اسلام کا غلبہ دیکھنے کا دل سے متمنّی ہے۔

اسلام دشمنی کا الزام اور اس کا جواب

ان حقایق اور ناقابل تردید حقائق کو دیکھتے ہوئے بھی بعض متعصب اور ناراستی پسند کہہ دیا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب خواہ کتنے ہی عاقل و فرزانہ ہوں۔ مگر ہم ایسے شخص کو اپنا امام و پیشوا نہیں مان سکتے کہ

جس کا اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اور جس نے کہ اپنا الگ کلمہ، الگ قبلہ اور الگ دستور بنا رکھا تھا۔ اور جو کہ قرآن کا دشمن محمدؐ رسول اللہ کا باغی اور ارکان اسلام کا مخالف تھا۔

مگر قارئین کرام کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ مخالفین حق کی اس قسم کی باتیں اپنے اندر شمّہ بھر بھی صداقت نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ جو کچھ کہا اور دُہرایا جاتا ہے، وہ سراسر افترا اور کُھلا کُھلا بہتان ہے۔

جو لوگ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے عاشق قرآن اور فدائے نبیٔ خیر الانام کو اسلام کا دشمن اور قرآن کا مخالف بتلاتے ہیں۔ اور آپؑ کو الگ قبلہ اور الگ کلمہ بنانے والا بتلاتے ہیں۔ وہ یقیناً یقیناً راستی کے دشمن اور حق کے بیری ہیں۔

مدح قرآن کیا جو شخص قرآن کریم کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہو کہ:۔

"جمال و حُسنِ قرآن نُورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

نظیر اسکی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

بہارِ جاوداں پیدا ہے اُسکی ہر عبارت میں
نہ وہ خوبی چمن میں ہے، نہ اُس سا کوئی بُستاں ہے

کلامِ پاکِ یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز
اگر لُولُوئے عمّاں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

خُدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو
وہاں قُدرت یہاں دَرماندگی فرق نمایاں ہے

ملائک جسکی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی
سخن میں اسکے ہمتائی کہاں مقدورِ انساں ہے

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز
تو پھر کیونکر بنانا نُورِ حق کا اُسپہ آساں ہے

ارے لوگو! کرو کچھ پاس شانِ کبریائی کا
زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بُوئے ایماں ہے

کیا ایسے عاشقِ قرآن کو قرآن کا دشمن کہنا حق و انصاف کی مٹی پلید کرنا نہیں؟ کیا جو شخص اسلام اور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کی

اسلام کے محامد | مدح و ثناء ان لفظوں میں کرے کہ :-

"ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے	کوئی دیں دینِ محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے	یہ ثمر باغِ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا	نور ہے نور اُٹھو دیکھو سُنایا ہم نے
اور دِینوں کو جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا	کوئی دِکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
. . . .	. . . .
آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے	لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے"

کیا ایسے شخص کو قرآن کریم کا مخالف اور دینِ محمدؐ کا بیری بتلانا سچائی کو جھٹلانا نہیں؟

مناقب نبی کریم صلعم | کیا جو شخص اِس قسم کے ترانے گاتا ہوا اپنی عمر گذار دے کہ :-

"وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا	نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر	لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اک قمر ہے	اُسپر ہر اک نظر ہے بدر الدجیٰ یہی ہے
پہلے تو رہ میں ہارے پار اس نے ہیں اُتارے	میں جاؤں اسکے وارے بس ناخدا یہی ہے"

کیا اس قسم کے عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے خیالات کے اظہار کرنیوالے شخص کو رسول کریم صلعم کا مخالف اور آپؐ سے باغی بتلانا اپنی ضمیر اور اپنی رُوح کو برباد کرنا نہیں؟ کیا جو شخص دن رات مخالفین اسلام کو بایں الفاظ دعوت

دعوتِ اسلام | دیتا رہا ہو کہ :-

"اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے	اے سونے والو جاگو شمس الضحےٰ یہی ہے
مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا	اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے
وہ دلستاں نہاں ہے کس رہ سے اسکو دیکھیں	ان مشکلوں کا یارو مشکل کشا یہی ہے

کیا ایسے عاشقِ اسلام اور حامیٔ ملّتِ خیر الانام کو دائرہ اسلام سے باہر اور

دینِ حنیف کا دُشمن بتلانا غضبِ الٰہی کو بھڑکانا نہیں:

مسیح موعودؑ نے نبی کریم صلعم کی متابعت سے ہی سب کچھ حاصل کیا

جب خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف اور واضح لفظوں میں فرما دیا کہ :-

"جیسے میں نے اللہ تعالےٰ کی حمد کی ہے۔ ویسے ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجتا ہوں۔ کہ آپؐ ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ اور آپؐ ہی کے فیضان اور برکات کا نتیجہ ہے۔ جو نصرتیں ہو رہی ہیں۔ میں کھول کر کہتا ہوں۔ اور یہی میرا عقیدہ اور مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور نقش قدم پر چلنے کے بغیر انسان کوئی رُوحانی فیض اور فضل حاصل نہیں کر سکتا" (الحکم)

تو پھر کس طرح یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آپؐ اسلام اور محمدؐ رسُول اللہ کے مخالف تھے؟ جو شخص خود تسلیم کرتا ہے کہ میں جو کچھ ہوں اور میرا سلسلہ بھی جو کچھ ہے یہ سب محمدؐ رسُول اللہؐ کے فیضان اور برکات کا نتیجہ ہے۔ اور آپؐ کی جو کچھ نصرت اور تائیدیں ہوئیں۔ وہ بھی آنحضرت صلعم ہی کے طفیل ہوئیں۔ تو ایسی حالت میں یہ کیسے مان لیا جائے۔ کہ آپؐ اسلام کے دائرہ سے باہر تھے۔ یا آپؐ کو اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ محمدؐ رسُول اللہ صلعم سے کوئی تعلق نہ تھا یا قرآن کریم سے کوئی لگاؤ نہ تھا؛

حضرت مسیح موعودؑ کا پُرشوکت کلام

کیا براہین احمدیہ، سُرمہ چشم آریہ، چشمۂ معرفت، آئینہ کمالات اسلام نُور القرآن، چشمۂ مسیحی، ایسی بیسیوں پاکیزہ کتابوں کے مصنّف کو اسلام کا مخالف کہنا کسی حال میں بھی درست ہو سکتا ہے جبکہ یہی وہ کتابیں ہیں جو دُنیا کو اسلام کا روشن اور چمکتا ہوا چہرہ دکھانے والی ہیں۔ قرآن کے محامد و محاسن کو اسکے اصلی رُوپ میں ظاہر کرنے والی ہیں۔ محمدؐ رسُول اللہ صلعم کے صحیح خدوخال، اور حسن و جمال کو بے نقاب کرنے والی ہیں۔ اور اسلام کی خوبیوں اور رعنائیوں کو

عالم آشکار کرنے والی ہیں۔ اور انہی میں وہ تریاق بھرا پڑا ہے جو دشمنان اسلام کے زہر کا مداوا ہو سکتا ہے۔ انہی میں وہ گرانبہا علم کلام موجود ہے کہ جس نے اسلام کے مخالفوں کے ولولے خاک میں ملا دئے۔ ان کی ہمتیں پست کر دیں اور کمریں توڑ کر رکھدیں۔ ہاں انہی میں وہ روشنی ہے نور ہے کہ جس کو لیکر آج ظلمت کدۂ مغرب کو منور کیا جا سکتا ہے۔ اور انہی میں وہ آسمانی معارف، اور قرآنی حقائق موجود ہیں کہ جن کو لیکر مغلوب کو غالب اور فاتح کو مفتوح بنایا جا سکتا ہے، اور یہ خالی مولی باتیں نہیں بلکہ حقیقت ہے اور ایسی حقیقت کہ جسکو دوست دشمن سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہی بتلانے کے لئے ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مریدوں کے نہیں بلکہ مخالفوں کے وہ بیانات درج ذیل کرتے ہیں۔ جو حضورؑ کے وصال کے بعد اُن کے زبان و قلم سے برآمد ہوئے۔ جن کو پڑھ کر حضورؑ کی خدمات اسلامیہ کی قدر و قیمت معلوم ہو جائیگی۔ اور قارئین کرام بپتہ لگا سکیں گے کہ جس شخص کو اسلام کا دشمن بتلایا جاتا ہے۔ درحقیقت، وہی اسلام کا سچا عاشق اور اس کو ادیان عالم پر غالب کر دکھلانے والا، فتح نصیب جرنیل تھا۔ اور وہی اسلام کا بہادر پہلوان تھا کہ جسکے پے در پے حملوں سے آج بھی اسلام کے دشمن پڑے کراہ رہے ہیں۔

حضور علیہ السلام کی اسلامی خدمات

میرزا حیرت دہلوی کے تاثرات

یہ شخص کوئی معمولی شخص نہ تھا۔ بلکہ عالم، فاضل، ادیب، بہترین مقرر اور کئی علمی کتابوں کا مصنف تھا۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کا بھی شدید ترین مخالف تھا۔ ہاں یہی شخص حضورؑ کے وصال کے بعد آپ کے کمالات علمی اور خدمات اسلامی کا ان لفظوں میں اعتراف کرتا ہے۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اُسنے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں۔ وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اسنے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدلدیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کردی۔ نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے، ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بینظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے ردّ میں لکھی گئی ہیں۔ اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دئے گئے۔ آجتک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا۔ سوائے اسکے کہ آریہ نہایت بدتہذیبی سے اِسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں۔ کوئی معقول جواب نہ اب تک دیا، نہ دے سکتے ہیں۔ اگرچہ مرحوم پنجابی تھا۔ مگر اس کے قلم میں اسقدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب۔ بلکہ بلندیٔ ہند میں بھی اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ ایک پُرجذبہ اور قوی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔ اور جب وہ لکھنے بیٹھتا تو چیے تُلے الفاظ کی ایسی آمد ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ مولوی نورالدین، مرحوم کے خلیفہ اول سے جو لوگ ناواقف ہیں۔ وہ تو اپنی غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کتابوں میں مولوی نورالدین نے بہت مدد دی ہے۔ مگر ہم اپنی ذاتی واقفیت سے کہتے ہیں کہ حکیم نورالدین۔ مرحوم مرزا کے مقابلہ میں چند سطریں بھی نہیں لکھ سکتا۔ اگرچہ مرحوم کے اُردو علم ادب میں بعض بعض مقامات پر پنجابی رنگ اپنا جلوہ دکھا دیتا ہے۔ تو بھی اس کا پُرزور لٹریچر اپنی شان میں بالکل نرالا ہے۔ اور واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم عربی علم ادب اور

صرف ونحو کی کہیں حاصِل نہیں کی۔ تو بھی اپنی خداداد ذہانت اور طبیعت کی جودت سے اتنی قابلیت عربی میں پیدا کر لی کہ بے تکلّف عربی لکھتا تھا.... اس کے مُریدوں میں عامی اور جاہل ہی لوگ نہیں ہیں۔ بلکہ قابل اور لائق گریجوایٹ یعنی بی، اے۔ ایم، اے اور بڑے بڑے فاضل مولوی بھی ہیں۔ موجودہ زمانے کے ایک مذہبی پیشوا کے لئے یہ کچھ کم فخر کا باعث نہیں کہ قدیم وجدید (دونوں قسم کے) تعلیمیافتہ اس کے مُرید بنجائیں۔ اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہوکر اپنا راستہ صاف کیا۔ اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا..... اسکے ہر دعویٰ پر اسکے مُریدوں کی طرف سے آمنّا وصدّقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہوگئی تھی۔" (اخبار کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء)

محولہ بالا الفاظ پڑھکر ہر ایک شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ خدا کا مسیح اپنے اندر کیسی کیسی قابلیتیں اور گوناگوں خوبیاں رکھتا تھا۔ کہ جنکو یاد کر کے اس کے اشد ترین دشمن بھی بعد از وصال حسرت و اندوہ کے ساتھ آپکے فضائل و کمالات کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں۔

اسی طرح ہم مسلمانوں کے ایک اور مقتدر اور وقیع اخبار کے فاضل اجل ایڈیٹر کے ان حسرت و اندوہ میں ڈوبے ہوئے تاثرات کا کچھ حصّہ نقل کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السّلام کے وصال کے بعد "موتِ عالم" کے عنوان سے اخبار وکیل امرتسر میں شائع ہوئے تھے۔ جن کے پڑھنے سے ہر شخص جان جائیگا کہ حضور علیہ السّلام نے اسلام کی خاطر کس طرح اپنی زندگی وقف کر دی اور اپنے قاہرانہ حملوں سے مخالفین اسلام کی صفوں کو درہم برہم کر کے دکھا دیا۔

مولانا مولوی عبداللہ العمادی ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر کے تاثرات

"وہ شخص بہت بڑا شخص۔ جس کا قلم سحر تھا۔ اور زبان جادو۔ وہ شخص، جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ، اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے۔ اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کیلئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا تھا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ یہ تلخ موت، یہ زہر کا پیالہ موت، جس نے مرنے والے کی ہستی تہِ خاک پنہاں کی۔ ہزاروں لاکھوں زبانوں پر تلخکامیاں بن کے رہیگی۔ اور قضاء کے حملہ نے ایک جیتی جان کے ساتھ جن آرزوؤں اور تمناؤں کا قتل عام کیا ہے۔ صدائے ماتم مدتوں اس کی یادگار تازہ رکھے گی۔

میرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی کی رحلت اِس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے۔ اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب کر کے دکھا جاتے ہیں۔

مرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیمیافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا کہ ان کا ایک بڑا شخص اُن سے

جُدا ہوگیا۔ اور اسکے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اُس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پُورا کرتے رہے۔ ہمیں مجبُور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے۔ تاکہ وہ مہتم بالشّان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست و پائمال بنائے رکھا، آئندہ بھی جاری رہے۔ اور اگر شور بختی مزاحم صلح و احسان نہ ہو تو یک جہتی کے ساتھ مشترکہ فرض کی واجبی شرکت کے ساتھ اور جامعہ اسلامیہ کے مبارک اصُولوں کے ساتھ میرزا صاحب اُس پہلی صف عشاق میں نمُودار ہوُئے تھے۔ جس نے اسلام کے لئے یہ ایثار گوارا کیا کہ ساعت مہد سے لیکر بہار و خزان کے سارے نظارے ایک مقصد پر ہاں ایک شاہد رعنا کے پیمانِ وفا پر قُربان کردے۔ سیّد احمدؒ، غلام احمدؒ، رحمت اللہ، آلِ حسن، وزیر خان، ابو المنصور، یہ السابقون الاولون کے زمرہ کے لوگ تھے۔ جنہوں نے بابِ مدافعت کا افتتاح کیا۔ اور آخر وقت تک مصروف سعی رہے۔"

اِختلاف طبائع اور اختلاف مدارج قابلیّت کے ساتھ ان کے راز خدمت بھی جُدا گانہ تھے۔ اور اسی لئے اثر اور کامیابی کے لحاظ سے اُنکے درجے بھی الگ الگ ہیں۔ تاہم اس نتیجہ کا اعتراف بالکل ناگزیر ہے کہ مخالفین اسلام کی صفیں سب سے پہلے ان ہی حضرات نے برہم کیں۔ میرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا۔ قبول عام کی سند حاصل کرچکا ہے۔ اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اِس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پُورا کرچکا ہے، ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے

نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اِسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مُسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو۔ اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے۔ اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفانِ حقیقی کو سرِ راہ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی۔ اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پُشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں۔ اور دُوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجُود ہی نہ تھا۔ چونکہ خلافِ اصلیت محض شامتِ اعمال سے مفسدہ ۱۸۵۷ء کا نفس ناطقہ مُسلمان ہی قرار دیئے گئے تھے اِس لئے مسیحی آبادیوں اور خاصکر انگلستان میں مسلمانوں کے خلاف پولٹیکل جوش کا ایک طوفان بَرپا تھا۔ اور اِس سے پادریوں نے صلیبی لڑائیوں کی داعیانِ راہ سے کم فائدہ نہ اُٹھایا۔ قریب تھا کہ خوفناک مذہبی جذبے ان حضرات کے میراثی عارضۂ قلب کا جو اسلام کی خود رو سرسبزی کے سبب بارہ تیرہ صدیوں سے اُن میں نسلاً بعد نسلاً منتقل ہوتا چلا آتا تھا درمان ہو جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہُوئی جس کا ایک حصّہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائی کے اُس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے۔ جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مُسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے۔ بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھوآں ہو کر اُڑنے لگا۔

کچھ شبہ نہیں، ان حضرات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اِسلام اپنے حریفوں کا

خواہ اُن کے ساتھ زندہ قوموں کا پولٹیکل جذبہ بھی شریک ہو، ہمیشہ فتح نصیب مقابل رہا ہے۔ اور انشاء اللہ دُنیا کے آخری سانس تک رہیگا۔ انہوں نے مدافعت کا پہلو بدل کے مغلوب کو غالب بنا کے دکھایا ہے۔ اگرچہ آج اپنے نئے اور پُرانے اختلافات سے قطع نظر کر کے محض اسلام کی خدمت غائت المقصود قرار دے لیں تو یقیناً اس جوشیلے اور اسلام کی خداداد طاقت سے چشم پوشی کرنیوالے لاٹ پادری (بشپ) کی زندگی میں جس نے ایک مسیحی مشن کی پچاس سالہ جوبلی کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے دُوسری جوبلی کے لئے دہلی کی مسجد عظمیٰ کے کیتھیڈرل بنائے جانے کا ادعائے ناروا کیا تھا۔ وہ وقت آجائے کہ اِسلام کی رُوحانی فتوحات سینٹ پال کے گرجا کو مریم و مسیح کی پرستش کی بجائے ایک خدا کی عبادتگاہ بنادیں۔ اور ناقوس کلیسیا کے بدلے اشھدُ ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھدُ انّ محمدً رسُول اللّٰہ کا زمزمۂ قدسی فضا میں گونجنے لگے۔

ہر چند پادریوں نے اسلام کی مخالفت میں لٹریچر کا ہمالیہ بنا کے کھڑا کر دیا ہے۔ مگر کاغذ کے تودوں کے لئے چند شرارے کافی ہیں۔ برعکس اسکے... مسلمانوں کا لٹریچر اگر سرکش اور نمرّد کے حق میں توپ اور گولہ ہے تو طلب حق کے اضطراب سے تڑپنے والے دلوں کے لئے صندل و کافور ہے۔ کاش اس کی تاثیر کی آزمائش کی جائے، اور اسے عیسائی آبادی کی زبانوں میں منتقل کر کے کثرت سے شائع کیا جائے۔ (خدا کے فضل سے یہ کام حضور علیہ السّلام کی جماعت نے آج کر کے دکھا دیا ہے۔ اور حتی الامکان آیندہ بھی کرتی رہیگی۔ ناقل) کیونکہ ترقی علم و حکمت کے ساتھ مذہب وہاں وبالِ دوش ہوا جاتا ہے۔ اور دنیا طلبی کے انہماک نے وہاں رُوح کی

تشنگی غیر محسوس بنا رکھی ہے۔ اس لئے کہ عیسائیت اس فطری جذبے کو جو دنیوی حشمت کے بوجھ میں دب گیا ہے۔ اُبھارنے سے بالکل قاصر ہے یہ فخر اسلام ہی کا حصہ ہے کہ اس حالت میں بھی وہاں جب کبھی اس کی تجلّی عکس فگن ہوتی ہے وجدان بے تاب ہونے لگتے ہیں۔ غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ بارِ احسان رکھے گی۔ کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اُسوقت تک کہ مُسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمائیتِ اسلام کا جذبہ اُن کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہیگا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہی۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب اسوقت سے کہ سوامی دیا نند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی فلسفی کی نوحہ خوانی جا بجا آغاز کی تھی۔ اُن کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ کر رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دئے گئے۔ اُس وقت سے اخیر عمر تک مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اُتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے۔ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے۔ ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔

فطری ذہانت و مہارت اور مسلسل بحث مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شانِ خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذاہب غیر پر

اُن کی نظر نہایت وسیع تھی۔ اور وہ اپنی معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کرسکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ اُن میں پیدا ہوگیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو، اُن کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذہب یہاں موجود ہیں۔ اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں ملسکتی۔

مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کردینے کی اُن میں مخصوص قابلیت تھی۔ اور یہ نتیجہ تھی اُن کی فطری استعداد کا، ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ اُمید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دُنیا میں اِس شان کا شخص پیدا ہو۔ جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اِس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کردے۔ فقط"

مندرجہ بالا مضمون میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ وہ اس بہتان کی تردید کے لئے کافی سے وافی ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اِسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا یا یہ کہ آپؑ اسلام کے مخالف تھے۔ کیونکہ اس معزز مسلمان ایڈیٹر کے تأثرات بتلا رہے ہیں کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ ہی کا وجود باجود تھا کہ جن کی ساری عمر اسلام کی خدمت اور اس کی اشاعت و ترقی اور مخالفین اسلام کو شکستیں دینے میں وقف رہی۔ اور آپؑ ایسا بےنظیر اور شاندار لٹریچر اپنے پیچھے چھوڑ گئے کہ اس کی طفیل آج بھی مسلمان غالب کو مغلوب کرسکتے ہیں۔

اِسی طرح ایک مختصر سا مضمون صادق الاخبار ریواڑی میں شائع ہوا تھا۔ اس کا بھی ایک ٹکڑا درج ذیل ہے۔ پڑھیئے اور ہمارے دعویٰ کی تائید کیجیئے:۔

ایڈیٹر اخبار صادق الاخبار ریواڑی کے تاثرات

"چونکہ مرزا صاحب نے اپنی پُرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اِسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دیکر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے اور کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اِسلام کماحقہٗ ادا کر کے خدمت دین اِسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم حامیٔ اسلام اور معین المسلمین، فاضل اجل، عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے۔"

اِسی طرح مسلمانوں کے ایک اور معزز اخبار کے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

ایڈیٹر علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے تاثرات

"مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے آپکی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں ہوئی تھی۔ مشرقی علوم میں آپنے کامل تعلیم حاصل کی زندگی کے آخری دن تک کتابوں کے عاشق رہے۔ اور دنیوی پیشوں سے پرہیز کرتے رہے چند سال سیالکوٹ میں سرکاری ملازم رہے۔ لیکن استعفا دیکر اپنے گھر قادیان پنجاب میں آرہے۔ ۱۸۷۴ء سے ۱۸۷۶ء تک شمشیر قلم عیسائیوں، آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب چلایا۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں تصنیف کا کام شروع کیا۔ آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی۔ جس کے جواب کے لئے آپنے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔ آپنے انیسویں صدی کے لئے مسیح ہونے کا دعویٰ کیا ۱۸۸۹ء میں بیعت لینی شروع کی۔ مبایعین کی تعداد ۱۵ ہزار بتلائی جاتی ہے۔ (صحیح تعداد اُس وقت

کئی لاکھ تھی۔ نافل) وہ اکثر دیگر مذہبوں کے عالموں سے بھی ملتے رہے۔ اور کئی دفعہ آپ کو کافر قرار دیا گیا۔ اور آپ پر اکثر مقدمات کئے گئے۔ اور آپ نے اپنی تصانیف کردہ اسّی کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں۔ جن میں بیس[۲] عربی زبان میں ہیں۔ ..... بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

اسی طرح ایک اور معزز بزرگ مسلمان کے تاثرات پڑھیئے:۔

مولوی ممتاز علی صاحب ایڈیٹر تہذیب النسواں کے تاثرات

"مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے۔ اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے۔ جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی۔ وہ نہایت باخبر عالم، بلند ہمت، مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں منصباً مسیح موعود نہیں مانتے تھے۔ لیکن ان کی ہدایت و رہنمائی مُردہ رُوحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

اسی طرح اخبار وکیل امرتسر میں حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک مضمون اور بھی شائع ہوا تھا۔ جس کی غرض مخالف مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی مخالفت کو ٹھنڈا کرنا تھا۔ مگر باوجودیکہ جذبۂ مخالفت سے لکھا ہوا یہ مضمون بھی حضورؑ کے اصلی کمالات کو ظاہر کئے بغیر نہ رہا۔ جس کا کچھ حصّہ ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ پڑھیئے اور حضورؑ کے کمالات کا اعتراف کیجئے:۔

ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر کے تاثرات

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ مگر اُن کی زندگی اور زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لیکر

پیدا ہوئے تھے۔ جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے
مطالعہ اور فطرت سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا اور ۱۸۷۷ء
کے قریب اُن کی عمر ۳۵ و ۳۶ سال کی عمر تھی۔ ہم ان کو غیر معمولی مذہبی جوش میں
سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے
اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متأثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن
میں خلوت کا لطف اُٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہم اسے بےچین
پاتے ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کھوئی ہُوئی چیز کی تلاش میں ہے۔
جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اسپر
چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے، کبھی حمایت اسلام اور
حقیقت اسلام میں وہ بسیط کتابیں لکھتا ہے۔ ۱۸۸۶ء میں بمقام ہوشیارپور
جو مباحثات انہوں نے کیئے ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا
..... غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں
نے تصنیف کی تھیں۔ ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک
نہیں اُترا ہے۔ ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلمانوں کو مرعوب
کر دیا۔ اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے۔ اور مذہب کی پیاری تصویر
کو اُن آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ جو
مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دئے تھے۔ غرضکہ اس
تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی حد میں دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی جسکی
صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آرہی ہے۔ گو بعض بزرگان
اسلام اب براہین احمدیہ کے بُرا ہونے کا فیصلہ دیدیں۔ محض اس وجہ سے کہ
اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں۔ اور بطور

حفظ ما تقدم اپنے دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہتر فیصلہ کا وقت ۱۸۸۰ء تھا۔ جبکہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ کیرکٹر کے لحاظ سے مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا۔ اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار اور کیا بلحاظ خدمات و حمایت دین مسلمانان ہند میں انکو ممتاز، برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا۔" (وکیل ۳۰ رمئی ۱۹۰۸ء)

یہی نہیں اسی قسم کے اور بھی بیانات اور تاثرات درج کئے جا سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ طلالت طبع اور ضخامت بڑھ جانے کے خوف سے مزید درج نہیں کر سکتے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے صحت بخشی اور رسالہ ہذا کو دوسری بار شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی تو اس قسم کے باقی تاثرات بھی درج کر دیئے جائیں گے۔ مگر تاہم اسجگہ جماعت احمدیہ کے اشد ترین دشمن اور بدخواہ اور اس کو تباہ و برباد کرنے کی تمنا رکھنے والے ایک مشہور آدمی کا ایک اقبالی بیان درج کر دینا چاہتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام پر یہ امر اچھی طرح واضح ہو جائے۔ کہ حضرت مسیح موعود مخالف اسلام نہ تھے۔ بلکہ سچے معنوں میں خادم اسلام اور عاشق دین حنیف تھے اور یہ انہی کی بابرکت کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مخالفین اسلام کے بڑھے چڑھے حوصلے، اور ولولے خاک میں مل گئے۔

چوہدری افضل حق صدر جمیعۃ احرار کے تاثرات

یہ دشمن سلسلہ احمدیہ اپنی کتاب "فتنہ ارتداد اور پولیٹکل قلا بازیاں" کے صفحہ ۴۱ پر آج سے ساٹھ سال پہلے کے مسلمانوں کے جمود کا ذکر کرتے ہوئے

لکھتا ہے کہ :-

" آریہ سماج کے معرضِ وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا۔ جس میں تبلیغی حسّ مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا۔ مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کیلئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اُٹھا۔ ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کیلئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا (؟) تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا۔ جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے "

اس دشمن عنید کی گواہی کے بعد کسی مزید گواہ کی گواہی نقل کرنے کی چنداں ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ اس گواہی کا ایک ایک لفظ بلکہ ایک ایک حرف اس بات کا منہ بولتا گواہ ہے کہ اشاعت اسلام کے لئے سب سے پہلے اگر کسی کے دل میں تڑپ پیدا ہوئی تو وہ ہمارے آقا و مولا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی تھے۔ اگر کسی نے سب سے پہلے کوئی ایسی جماعت تیار کی کہ جس میں اسلام کی ترقی و اشاعت کے لئے تڑپ پیدا ہو گئی۔ تو وہ آپ ہی کی پیدا کردہ جماعت احمدیہ ہے۔

اب ہم اس گواہی کے بعد سیدنا و امامنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کی خدماتِ اسلامی اور ملی کے متعلق عینی شاہدوں کے تاثرات درج کر کے بتلاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو جماعت تیار کی وہ کس قسم کی تھی۔ اور اسلام اور ملت کے لئے کسقدر ضروری اور مفید اور قیمتی متاع ہے۔ جو حضور علیہ السلام اپنے پیچھے چھوڑ

گئے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی زندگی کے مبارک ایام میں جن لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کیا۔ اور ان کی جس قسم کی تربیت فرمائی اور انہیں اسلام کا عاشق قرآن کا شیدائی اور محمد رسُول اللہؐ کا پروانہ بنایا۔ اور پھر ان میں اشاعت اسلام کے لئے جس قسم کی تڑپ پیدا کی اور ترقی اسلام کے لئے جس قسم کی تنظیم کی ضرورت تھی۔ ان کو مُنظّم کیا۔ اور جس راہ پر چلکر یہ اسلام کے پروانے اسلام اور اسلامیوں کی ترقی و اقبال کے لئے مفید ہو سکتے تھے۔ وہ انہیں راہ بتلائی۔ اور جس طریق پر دشمنانِ اسلام کے حملوں کا دفاع ہو سکتا تھا اور جس طرز پر غیروں کو اسلام کا فریفتہ بنایا جا سکتا تھا۔ وہ بھی ان کو سکھا دیا۔ اور حضور علیہ السلام کی بتلائی ہوئی راہوں پر چلکر جماعت احمدیہ نے آج تک جو شاندار کارنامے کر کے دکھلائے اس کا کسی قدر نمونہ اگلے صفحات میں نظر آئیگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد جماعت احمدیہ کے اتفاق رائے سے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ منتخب ہُوئے۔ آپؓ نے اپنے عہد خلافت میں جماعت احمدیہ کو جس قالب میں ڈھالا، اور ان پر جو رنگ چڑھایا، اور جس قسم کی تربیت فرمائی۔ اس کے متعلق اُس وقت کے ایک عینی شاہد کے مندرجہ ذیل تاثرات پڑھیئے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے جانشین اور ان کے مُتبّع، اسلام کے دشمن اور مخالف ہیں، یا صحیح معنوں میں فدایان اسلام اور شیدایان ملّت خیر الانام ہیں؟

۱۹۱۳ء میں جبکہ مسلمانان ہند جنگ ٹرکی و بلقان کے باعث سخت ملول و مضطرب تھے۔ اور ان پر غم و یاس کی گھٹا چھائی ہُوئی تھی۔ امرتسر سے ایک معزز اور مشہور جرنلسٹ مسلمان قادیان آیا۔ اور اُس نے یہاں جو کچھ دیکھا۔ وہ اسی کے لفظوں میں پڑھیئے۔ اور اس کے بعد مخالفوں کے اس بہتان کو بھی سامنے

رکھکر فیصلہ کیجئے کہ احمدیہ جماعت اسلام کی دشمن ہے یا سب سے بڑھ کر اس کی شیدائی اور فدائی ؟

مسٹر محمد اسلم جرنلسٹ کے تاثرات

"عالم اسلام کے موجودہ تباہی خیز مصائب سے اثر پذیر ہو کر یاس و اندوہ سے بھرے ہوئے تفکرات کے ہجوم نے میرے کمزور دماغ کو چند دنوں سے اس مسئلہ پر غور کرنے کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ کہ جب اسلامی سلطنتیں یکے بعد دیگرے عیسائی یورپ کے مقابلے میں مغلوب و پست ہو کر مٹتی چلی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ لازمی طور پر اسلام کا قطعی زوال ہے۔ تو پھر اب سوائے اس کے کہ یورپ کے مقابلے میں مسلمان جنگ و جدل کے میدان میں قطعی شکست کھا چکے ہیں۔ اسے چھوڑ کر کوئی اور ایسی صورت یورپ کے ساتھ کامیاب مقابلے کی مسلمانوں کے لئے پیدا ہو سکتی ہے۔ جو کہیں بڑی حد تک اسلام کو معرض زوال سے بچ جانے کی تسکین دے سکے۔

میں نے اس مسئلہ پر جہاں تک غور کیا۔ مجھے سوائے اس کے اور کوئی مفید طریقہ ڈیفنس اسلام کا نظر نہیں آیا۔ کہ اگر مسلمان بجائے توپ و تفنگ کے سیف زبان کے حربے کو لے کر تبلیغ مذہب کی لائینوں پر عیسائی یورپ پر یورش کردیں۔ تو کہیں بڑی حد تک کامیابی کی امید ہو سکتی۔ کیونکہ یورپ صلیب پرست عیسائیت کے کفارہ کی ناقابل فہم زنجیروں کو توڑ کر اب پچانوے فیصدی کی حد تک دہریہ پن کی مادی مسرتوں کے زلف گرہ گیر میں اسیر ہو چکا ہے۔ اور شہزادۂ امن کی عیسائیت محض اب مادہ پرستی کی ملک گیرانہ بوالہوسی کی شاہراہ دنیا میں طیار کرنے کی غرض سے یورپ کی سلطنتوں و قوموں کے اوپر حکمرانی کرنے

کی مستحق ہی ہوئی ہے۔ ورنہ مذہبی حیثیت سے تو مادہ پرست یورپ اسے بنی نوع انسان کے لئے لعنت خیال کرتا ہے۔ اگر آج یورپ کی ڈپلومیانہ ڈکشنریوں کے ٹائیٹل پیج کے اوراق میں عیسائیت کے درخشاں نام کے رکھنے کی ضرورت نہ رہے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی لازمی ہو جائے گا کہ یورپ کے پبلک و سرکاری ایوانوں سے تثلیثی علم اُتار کر پھینک دئیے جائیں۔ اور سلطنتوں کی گود میں پرورش پانے والی تبلیغی مسیحی مشن کی بھیڑوں کو ایوان سلطنت سے کان پکڑ کر نکال دیا جائے۔ اور انہیں کہہ دیا جائے۔ کہ وہ اب لق و دق صحراؤں کے گھانس و پھونس کو چر چُگ کر اپنا گذارہ کریں۔ مگر ساتھ اس کے اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر اپنے قدیمی مذہب عیسائیت سے یورپ طبعاً اسقدر بیزار ہو چکا ہے۔ تو اسے اسلام سے کیوں ایسی سخت نفرت ہے۔ کہ وہ پیروانِ اسلام کی سلطنتوں کو ملیا میٹ کرنے پر تُل گیا ہے۔ اور تمام اسلامی ملک کے معابد و مساجد پر بجائے ہلالی کے صلیبی عَلم گاڑنا چاہتا ہے۔ تو اس کے وجوہات میرے خیال میں یہ ہیں۔

کہ یورپ کو سوائے اس کے کہ بانیٔ اِسلام یا قرآن مجید کا نام سُنا ہو۔ اُصُول اسلام کا حقیقی معنی میں قطعاً کوئی علم نہیں۔ اور جو کچھ ہے۔ وہ حضرات پوادر کی مہربانی سے اس وضع میں ہے کہ اسلام ایک وحشی اور خونخوار مذہب ہے جو اپنے پیرووُں کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ دنیا کے باقی تمام مذاہب اور مخالفِ اسلام قوموں کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ اس اعتقاد پر قائم ہونے کی سردست دلیل اسے مسلمانوں کی گذشتہ فاتحانہ عالمگیری ریس میں ملتی ہے۔ جس کی بنا پر اسلام پر یہ بہتان باندھا گیا ہے۔ کہ اسلام دنیا میں بزورِ شمشیر پھیلایا گیا ہے۔ محض اس خطرے کو محسوس کر کے کہ کہیں مسلمان پھر

سنبھل کر اسی اپنے خونی مذہبی مشن کو لے کر یورپ پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ یا یورپ کے افریقی و ایشیائی مقبوضہ ممالک کو نہ چھین لیں۔ یورپ نے علاج واقعہ قبل از وقوع کے اصول پر کمر باندھ کر اسلامی سلطنتوں کو ملیامیٹ کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اور چونکہ اسے اپنے قدیمی مذہب مسیحیت کے مقابلے میں اسلام کو نہایت ہی مکروہ وضع میں دکھایا گیا ہے۔ اس لئے یورپ اسلام کی طرف باوجود عیسائیت سے اصولاً منحرف ہونے کے اسے نہیں لے سکتا۔ چونکہ عیسائیت نے اپنے اکلوتے فرزند پادریوں کی قربانی یورپ کے جوع الارضی کے دفعیہ کیلئے منظور کر رکھی ہے۔ اس لئے وہ مادہ پرست یورپ کو نہایت عزیز ہے۔ اور اس کے حریف مذاہب کو ملیامیٹ کرنے کو اس نے سیاسی پہلو سے ضروری خیال کر لیا ہے۔

مگر یہ حالت اس وقت تک یورپ میں قایم رہ سکتی ہے۔ جب تک کہ اسلام کی اصلی و حقیقی تعلیم اس کے سامنے پیش نہ ہو۔ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اگر قرآن مجید کے اسلام کی حقیقت یورپ کے ذہن نشین کرنے کو ایک زبردست مشن یورپ میں قائم ہو جائے۔ تو معاملہ فہم یورپ آخر عیسائیت کے سیاسی پھندے کو توڑ کر اسلام کی حلقہ بگوشی میں آجائے گا جس سے اسلام کی فتح یورپ کیا بلکہ ساری دنیا میں ہو جائے گی۔

میں بہت عرصے سے احمدی جماعت سے برادرانہ اُلفت و محبت رکھنے کا اس وجہ سے عادی ہو گیا تھا۔ کہ اس جماعت کے اکثر افراد بمقابلہ باقی اسلامی فرقوں کے زہد و تقوٰی میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اور ان میں اسلام کی محبت کا جوش ایک صادقانہ پہلو لئے ہوئے ہے۔ اس لئے اکثر میرے دل میں احمدی جماعت کے مرکز قادیان کو دیکھنے کا شوق رہتا تھا جس کی تحریک مجھ سے چند مرتبہ میرے بعض احمدی دوست بھی کر چکے تھے۔ مگر وہ خیال ایک کمزور قسم کا تھا۔ شاید ہی

مجھے قادیان لیجانے پر کامیاب ہوتا۔ مگر جیساکہ اُوپر لکھا گیا ہے۔ عالم اسلام کی خطرناک تباہ انگیزیوں نے مجھے اس اصول پر قادیان جانے پر مجبور کیا۔ کہ احمدی جماعت جو بہت عرصے سے یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ وہ دُنیا کو تحریری و تقریری جنگ سے مغلوب کر کے اسلام کا حلقہ بگوش بنائے گی۔ آیا وہ ایسا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جس کا ایک معزز ممبر خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے۔ پلیڈر لاہور اپنے عظیم الشان مادی فوائد کو ترک کر کے یورپ میں اشاعت اسلام کے مشن کو لے کر چلا گیا ہے ؛

اس تصویر کی زبردست کشش نے آخر کار گزشتہ ہفتہ میں مجھے امرت سر سے کھینچکر قادیان میں لیجا کر کھڑا کر دیا۔ جہاں میں اور میرا رفیق مولوی ضیاء اللہ صاحب بٹالہ کے اسٹیشن سے بذریعہ یکّہ قادیان میں پہنچے۔ اور مفتی محمد صادق صاحب کے مہمان بنے ؛

مولوی نورالدین صاحب جو بوجہ مرزا صاحب کے خلیفہ ہونے کے اسوقت احمدی جماعت کے مسلّمہ پیشوا ہیں۔ جہاں تک میں نے دو دن ان کی مجالس وعظ و درس قرآن شریف میں رہ کر اُن کے کام کے متعلق غور کیا۔ مجھے وہ نہایت پاکیزہ اور محض خالصتہً للّٰلہ کے اصول پر نظر آیا۔ کیونکہ مولوی صاحب کا طرز عمل قطعاً ریا و منافقت سے پاک ہے۔ اور ان کے آئینہ دل میں صداقتِ اسلام کا ایک ایسا زبردست جوش ہے۔ جو معرفت توحید کے شفّاف چشمے کی وضع میں قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر کے ذریعے ہر وقت اُنکے بے ریا سینے سے اُبل اُبل کر تشنگانِ معرفتِ توحید کو فیضیاب کر رہا ہے اگر حقیقی اسلام قرآن مجید ہے۔ تو قرآن مجید کی صادقانہ محبّت جیسی کہ مولوی صاحب موصوف میں میں نے دیکھی ہے۔ اور کسی شخص میں نہیں دیکھی۔

یہ نہیں کہ وہ تقلیداً ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ نہیں بلکہ وہ ایک زبردست فیلسوف انسان ہے۔ اور نہایت ہی زبردست فلسفیانہ تنقید کے ذریعہ قرآن مجید کی محبت میں گرفتار ہوگیا ہے۔ کیونکہ جس قسم کی زبردست فلسفیانہ تفسیر قرآن مجید کی مَیں نے ان سے درسِ قرآن مجید کے موقعہ پر سنی ہے۔ غالباً دُنیا میں چند آدمی ایسا کرنے کی اہلیت اس وقت رکھتے ہونگے مجھے زیادہ تر حیرت اس بات کی ہوئی۔ کہ ایک اَسّی سالہ بوڑھا آدمی صبح سویرے سے لے کر شام تک جس طرح لگاتار سارا دن کام کرتا رہتا ہے۔ وہ متحدہ طور پر آج کل کے تندرست قوی ہیکل دو تین نوجوانوں سے بھی ہونا مشکل ہے۔ مَیں کام کرنے کے متعلق مولوی صاحب کو غیر معمولی طاقت کا انسان تو سمجھتا نہیں۔ لیکن اپنے فرض کی ادائگی میں اسے خیر القرون کے قدسی صفت صحابہ کا پورا پیرو کہنے میں اگر منافقت کروں۔ تو یقیناً مَیں صداقت کا خون کرنے والا ہو جاؤں۔ مولوی صاحب کے تمام حرکات و سکنات میں صحابہ علیہم السلام کی سادگی، اور بے تکلفی کی شان پائی جاتی ہے۔ اس نے نہ اپنے لئے کوئی تمیزی نشان مجلس میں قائم کر رکھا ہے۔ نہ کسی امیر و غریب کے لئے۔ اور نہ تسلیم یا کورنش اور قدمبوسی جیسی پیر پرستی کی لعنت کو وہاں جگہ دی گئی ہے۔

صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب سے بھی ملکر ہمیں از حد مُسرّت ہوئی۔ صاحبزادہ صاحب نہایت ہی خلیق اور سادگی پسند انسان ہیں۔ علاوہ خوش خلقی کے کہیں بڑی حد تک معاملہ فہم و مدبّر بھی ہیں۔ علاوہ دیگر باتوں کے جو گفتگو صاحبزادہ موصوف کے اور میرے درمیان ہندوستان کے مستقبل پر ہُوئی۔ اس کے متعلق صاحبزادہ صاحب نے جو رائے اقوام عالم کے زمانۂ ماضی کے واقعات کی بنا پر ظاہر فرمائی۔ وہ نہایت ہی زبردست مُدبّرانہ پہلو لئے

ہوئے تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے مجھ سے ازراہ نوازش بہت کچھ ہی مخلصانہ پیرائے میں یہ خواہش ظاہر فرمائی۔ کہ میں کم از کم ایک ہفتہ قادیان میں رہوں۔ اگرچہ بوجوہ چند در چند میں ان کے ارشاد کی تعمیل سے قاصر رہا۔ مگر صاحبزادہ صاحب کی اس بلند نظرانہ مہربانی و شفقت کا از حد مشکور ہوں۔ صاحبزادہ صاحب کا زہد و اتقا اور ان کی وسعت خیالانہ سادگی ہمیشہ مجھے یاد رہے گی۔

مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز سے ملنے کی مجھے نہایت ہی تمنا تھی مگر افسوس بڑی مسجد میں باوجود ان سے مصافحہ کرنے کے انہوں نے یہ دریافت کرنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ ایک مسافر مسلمان جو اُن سے بڑھ کر نہایت گرم جوشی سے مصافحہ کر رہا ہے۔ وہ کون ہے۔ اِس لئے صرف ان کی زیارت ہی نصیب ہوئی۔ اور مکالمہ کی عزت نصیب نہ ہوئی۔ حضرت اکمل صاحب سے کافی ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے جو کچھ مہربانی نہایت فراخدلی سے میری مسافرانہ حالت پر فرمائی۔ اس کا میں مشکور ہوں ؛

علاوہ اسکے میں نے قادیان کی احمدی جماعت کی اِس جدوجہد کو ۲ دو دن میں بکمال غور و خوض دیکھا۔ جو وہ مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول کے قیام کے ذریعے دُنیا میں حقیقی اسلامی قوم پیدا کرنے کی مدعی بنکر رہی ہے۔ اس اپنے عملی پروگرام کو پُورا کرنے کی مستعدی میں احمدی جماعت قابل مبارک بادی کے ہے۔ کیونکہ جہاں ہائی سکول میں مسلمان طالب علموں کو مروّجہ دنیاوی علوم کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ وہاں نہایت ہی اعلیٰ پیمانے پر قرآن مجید کی باقاعدہ مفسرانہ تعلیم کے ذریعے حقیقی فلسفۂ اسلام سے ان کے دل و دماغ معمور کئے جا رہے ہیں۔ علاوہ اپنے لائق ماسٹروں و ٹیوٹروں سے اسلامی تعلیم و تہذیب کے سیکھنے کے ہر ایک ہائی سکول کا طالب علم نماز عصر کے بعد نماز شام تک

مولوی نورالدین صاحب کے آگے بڑی مسجد میں اُن کے باقاعدہ درس قرآن شریف کے وقت زانوئے شاگردی تہ کرنے کو پابند کیا گیا ہے۔ اور ہائی سکول قادیان کے طالب علم کو روزانہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ کہ جس اسلام کے ارکانِ مذہبی کی اَدائگی تم سے حکماً سکول میں کرائی جاتی ہے۔ وہ فطرتاً تم پر قوانین قُدرت نے زندگی کے باقی لوازمات سے بڑھ کر بطور ایک زبردست و اہم فرض کے عائد کر دیئے ہیں۔ یہ نہیں کہ علیگڈھ کالج کے طلباء کی طرح ان سے نماز تو جبراً پڑھائی جائے اور نماز کے پڑھنے کی ضرورت فلسفۂ فطرت کے رُو سے انہیں نہ سمجھائی جائے۔ جس سے علیگڈھ کالج کے طلباء کی طرح وہ نماز کو ایک زبردستی بیگار تصوّر کرتے ہُوئے اسلام کے متعلق نفرت کا بیج دِل میں بونے پر مجبور ہوں۔ کیونکہ ڈارون و بیکن کے فلسفے کو پڑھنے والے طالب علموں سے مان نہ مان، مَیں تیرا مہمان کے اصول پر ارکانِ مذہبی کی پابندی پر جبر کرنا اُصولاً انہیں اسلام سے متنفّر کرتا ہے۔ اس اُصول پر انگریزی اسلامی سکولوں و کالجوں پر قادیان کے ہائی سکول کو اِسلامی پہلو سے وہ برتری حاصل ہے۔ کہ جِس کی گرد کو باقی اِسلامی انگریزی سکول و کالج نہیں پہنچ سکتے۔

مدرسہ احمدؔیہ چونکہ خالص مذہبی تعلیم کا مدرسہ ہے اس لئے میں ہندوستان کی باقی مذہبی درسگاہوں پر اسے چنداں فوقیت نہیں دے سکتا۔ مگر میرے خیال میں فلسفۂ قرآن کے سمجھنے میں اِسکے طالب علم باقی مذہبی درسگاہوں سے بہت فائدہ میں ہیں۔ جبکہ خاص طور پر اس کے متعلق بہت عمدہ ذرائع انہیں حاصل ہیں۔ جو ہندوستان کی دیگر مذہبی درس گاہوں کے طلبا کو حاصِل نہ ہوں گے۔

عام طور پر قادیان کی احمدی جماعت کے افراد کو دیکھا گیا۔ تو انفرادی

طور پر ہر ایک کو توحید کے نشے میں سرشار پایا گیا۔ اور قرآن مجید کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اِس جماعت میں مینے قادیان میں دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ صبح کی نماز مُنہ اندھیرے چھوٹی مسجد میں پڑھنے کے بعد جو مینے گشت کی تو تمام احمدیوں کو مینے بلاتمیز بوڑھے و بچے اور نوجوان کے لمپ کے آگے قرآن مجید پڑھتے دیکھا۔ دونو احمدی مسجدوں میں دو بڑے گروہوں اور سکول کے بورڈنگ میں سینکڑوں لڑکوں کی قرآن خوانی کا مؤثر نظارہ مجھے عمر بھر یاد رہیگا حتیٰ کہ احمدی جماعت کے تاجروں کا صبح سویرے اپنی اپنی دوکانوں اور احمدی مُسافر مقیم مسافرخانے کی قرآن خوانی بھی ایک نہایت پاکیزہ سین پیدا کر رہی تھی۔ گویا صبح کو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدسیوں کے گروہ در گروہ آسمان سے اُتر کر قرآن مجید کی تلاوت کر کے بنی نوع انسان پر قرآن مجید کی عظمت کا سکّہ بٹھانے آئے ہیں۔ غرض احمدی قادیان میں مجھے قرآن ہی قرآن نظر آیا ؎

پیرستی کا نرالا ڈھنگ جو ہندوستان میں مسلمانوں کی شامت اعمال سے ہندوستان کے بڑے بڑے اولیاؤں کی مزاروں کے ذریعے اُن کے جانشینوں اور خلیفوں نے ڈالکر اپنے طرز عمل سے اسلامی توحید کی مٹی پلید کر رکھی ہے۔ مینے اپنے دو دن کے قیام میں اس کا کوئی شائبہ عملی صورت میں نہیں دیکھا۔ مرزا صاحب کی قبر کو بھی جاکر دیکھا جسپر کوئی عالیشان یا معمولی روضہ نہیں بنایا گیا۔ اپنے گرد نواح کی قبروں سے اُسے کسی قسم کی نمایاں خصوصیّت نہیں تھی۔ اور نہ کسی مجاور یا جاروب کش کو وہاں پایا۔ نہ کسی کو زیارت کرتے یا دُعا مانگتے دیکھا۔ مینے نہایت غور سے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر قبر کے سرہانے کو

دیکھا۔ کہ کہیں پرستش کی مستحق قبروں کی طرح اِس قبر پر بھی چراغ جلایا جاتا ہو۔ مگر مینے اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ علاوہ اِس کے میرے رُوبرو تو نہ مولوی نورالدین صاحب سے کسی نے تعویز لینے کی استدعا کی۔ اور نہ خود بخود کسی سائل یا مریض کو اُنہوں نے لکھدیا۔ اور نہ کسی پر جھاڑ پھونک کی بس ہر ایک معاملے میں علاوہ بیماروں کو علاج بتانے کے خداوند تعالیٰ سے دُعائیں مانگنے کا زور تھا۔ جس کے لئے مولوی نورالدین صاحب نے اپنے آپکو مخصوص نہیں بنا رکھا"۔

"جو کچھ مینے احمدی قادیان میں جاکر دیکھا۔ وہ خالص اور بے ریا توحید پرستی تھی۔ اور جس طرف نظر اُٹھتی تھی۔ قرآن ہی قرآن نظر آتا تھا۔ غرض قادیان کی احمدی جماعت کو عملی صورت میں اپنے اس دعوے میں کہیں بڑی حد تک سچا ہی سچا پایا۔ کہ وہ دُنیا میں اسلام کو پُرامن صُلح کے طریقوں سے تبلیغ و اشاعت کے ذریعے ترقی دینے کے اہل ہیں۔ اور وہ ایسی جماعت ہے جو دُنیا میں عموماً قرآن مجید کے خالصتہً للہ پیرو اور اسلام کی فدائی ہے۔ اور اگر تمام دُنیا اور خصوصاً ہندوستان کے مسلمان یورپ میں اشاعت اسلام کے ان کے اداروں کی عملاً مدد کریں تو یقیناً یورپ آفتابِ اسلام کی نُورانی شعاعوں سے مُنوّر ہو جائے گا۔ اور اس خونخوار مسیحیّت کو جو اپنے مادہ پرست نام لیوا بچوں کی بوالہوسی کو پُورا کرنے کی خاطر اسلامی ممالک کو تاخت و تاراج کرنے اور اسلام کا نام دُنیا سے مٹانے پر تُل پڑی ہے۔ اس طریقے سے شکست فاش ہوگی۔ جس کے متعلق احمدی جماعت کا ایک معزز ممبر خواجہ کمال الدین صاحب انگلستان بیٹھے ہوئے اپنی جماعت سے امداد کی اپیلیں کر رہا ہے"۔

اخیر میں میں ناظرین کی خدمت میں یہ گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ مینے جو کچھ اسوقت رائے ظاہر کی ہے۔ وہ مرزا صاحب کے مُریدی کے حلقے سے باہر

ہونے کی حیثیت میں کی ہے۔ مَیں نے قادیان کو اس اصول پر نہیں دیکھا۔ کہ مرزا صاحب کے دعوئ مسیح موعود یا مہدی مسعود کے صحیح یا غلط ہونے کے متعلق قادیان کو دیکھ کر کوئی نتیجہ اپنے دِل میں اخذ کروں۔ مَیں صرف اپنے مذکورہ بالا خیال کی کشش کے باعث وہاں گیا۔ اور احمدی جماعت کو اِس کے اہل پایا۔ اور اسے خالص اسلامی جماعت کے جلوے میں دیکھا۔ خواہ اس جماعت کا بانی اپنے ذاتی دعوے میں حق بجانب تھا یا نہیں، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں مگر عالمگیر اِسلامی اُصول کی بنا پر اس نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور اسلام کی خدمت کو عملی طور پر کام کرنے والے زبردست مشن کی بنیاد دُنیا میں ڈال گیا ہے۔ اس اُصول پر مرزا صاحب کی بہت بڑی بھاری عزّت میرے دِل میں پَیدا ہو گئی ہے۔ اور انہیں مَیں اِسلام کا سچّا خادم تسلیم کرتا ہوں۔ گو ان کے ذاتی دعوے مسیح و مہدی سے بے تعلق نہیں ہے۔ جو یقیناً افترا پر مبنی نہیں تھا۔ وہ اسلام کو ترقی دینے کی پالیسی یا کسی غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔ جو اسلام کے کمال ضعف کو دیکھ کر سخت جوش کی وجہ سے مجبوراً سرزد ہو گیا۔ مگر جو کچھ ہُوا نیک نیّتی سے ہُوا۔ کیونکہ اُن کے کام کا نتیجہ یہی شہادت دیتا ہے"۔

خاکسار محمد اسلم ازامرتسر (بدر ۱۳ر مارچ ۱۹۱۳ء)

مندرجہ بالا تاثرات میں جو کچھ بیان ہُوا ہے۔ یہ کسی احمدی نے نہیں لکھا بلکہ اُس کا لکھنے والا ایک غیر جانبدار۔ مُفکّر اور دیدہ ور شخص تھا۔ اور اس نے بھی جو کچھ لکھا ہے۔ اپنے ذاتی مشاہدہ کی بنا پر لکھا ہے۔ جو کہ اُن لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ کہ جو سیہ دل دشمنوں کے بہکاوے میں آ کر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں۔ کہ احمدیہ جماعت اسلام سے بے تعلق جماعت ہے۔ یا اسکا بانی دائرۂ اسلام سے خارج تھا۔ اگر درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاسکتا ہے تو

محولہ بالا تاثرات میں شجرِ احمدیت کے جن شیریں پھلوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اصل شجر اپنے اندر کیا شان رکھنے والا تھا؟۔ اور آج جو تاریک طبع لوگ حضور علیہ السلام کو اسلام سے بیگانہ اور اغیارِ اسلام کا آلۂ کار بتلاتے ہیں۔ وہ اپنے قول میں کہاں تک سچے ہیں؟

حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسی طرح اور بھی بیسیوں آدمی آئے۔ کہ جنہوں نے قادیان میں بہی کچھ دیکھا ہوگا۔ مگر افسوس کہ ہمیں اُن کے قلمبند کئے ہوئے تاثرات نہیں مل سکے۔ اس لئے ہم فی الحال اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اب اُن لوگوں کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ جو کہ سیّدنا **حضرت میرزا البشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے عہد** خلافت میں قادیان آئے، یا جنہوں نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو قادیان سے باہر دیکھا۔ اور آپکی عقل و فرزانگی، زہد و اتقا، اور اسلام اور ملت خیر الانام کے متعلق دلی درد، ہمدردی، اخلاص اور جوش کا اپنی آنکھوں مشاہدہ کیا۔ ان تاثرات سے جہاں قارئین کرام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بشارتوں کے ماتحت قادیان اور احمدی جماعت کی حیرت انگیز ترقی کا پتہ لگتا چلا جائے گا۔ وہاں حضور علیہ السلام کے خلفاء اور آپؑ کے متبعین کی نیکی، پارسائی اسلامی رنگ میں شرابور زندگی صحابہ کرام کی طرح ولولۂ مذہبی، فداکاری اور جذبۂ حبّ اسلامی اور دین حنیف کی ترقی و اشاعت کے لئے ہر آن قربانیاں کرنے والی زندگی کے بھی بہت سے تابناک نمونے نظر آتے جائیں گے۔ جو اس امر کا ثبوت ہوں گے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جس غرض کے لئے مبعوث فرمایا تھا وہ کس طرح پورا ہو رہا ہے۔ اور اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے تزکیہ نفس اور ان کی فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے۔ وہ کس طرح یہاں

مہیا کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ ان تاثرات کا بھی پوری توجہ اور دلجمعی کیساتھ مطالعہ کیا جائے گا۔ اور ان سے خاطر خواہ فائدہ بھی اُٹھایا جائے گا۔

سب سے پہلے ہم بنگال کے ایک مایۂ ناز فرزند

چوہدری ابو الہاشم صاحب[۱] ایم۔ اے کے تاثرات

درج کرتے ہیں۔ یہ محترم بزرگ ۱۹۱۵ء میں جناب مولوی مبارک علی صاحب بی۔ اے بی۔ ٹی کی تحریک اور دعوت پر قادیان تشریف لائے۔ اور یہاں کچھ دنوں قیام فرمایا۔ اور وہ سب کچھ گہری نگاہوں سے دیکھا۔ جو دیکھنے کے لائق تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپ پر حق کھل گیا۔ صداقت آشکار ہو گئی۔ اور آج بفضلِ خدا یہی متلاشئ حق دوسروں کی ہدایت کا موجب بن رہا ہے۔ آپ نے انہی دنوں میں اپنے تاثرات انگریزی زبان میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان میں "قادیان اینڈ احمدیز" کے عنوان سے شائع کروا دیئے تھے۔ جس کا ہم اُردو ترجمہ درج ذیل کرتے ہیں۔ ناظرین پڑھیں اور حظ وافر اُٹھائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی تذکرہ اور آپ کے دعوٰی اور وفات کا ذکر نے کے بعد رقمطراز ہیں کہ :۔

"آپ کے بعد آپ کی جماعت نے حضرت مولوی حکیم نور الدین رضؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ انہوں نے ۱۹۱۴ء تک اس جماعت کی رہبری کی۔ معلوم ہوتا ہے۔

---

[۱] آپ اُسوقت بنگال کے ضلع باریسال میں اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس تھے۔ مگر بعد میں اپنے علم و فضل کی بدولت ترقی کرتے کرتے اسسٹنٹ ڈائرکٹر تعلیمات بنگال ہو کر ریٹائر ہوئے ہیں۔ مؤلف

آپ کی خلافت میں اندرونی انتظام جماعت پر بہت توجہ کی گئی۔ ایک نفیس ہائی سکول مع ایک وسیع بورڈنگ ہاؤس و مسجد کے ایک عربی مدرسہ، دو صنعتی کلاسیں، اور مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ درس قرآن کا ایک روزانہ سلسلہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کو تعلیم کا کس قدر خیال تھا۔ انکی وفات پر جماعت احمدیہ نے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو خلیفہ ثانی منتخب کیا۔ جو حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسر چہارم ہیں۔ آپ کی عمر ۳۰ سال سے کم ہے۔ گورا رنگ، میانہ قد، نازک بدن، روشن اور وسیع پیشانی، باریک لب، گنجان ریش۔ نیم باز ہمیشہ نیچی نظر رکھنے والی آنکھیں۔ پُر حیا اور خلوت پسند عادت۔ یہ حالات ہیں اُس شخص کے جس کے ہاتھ میں آجکل اِس جماعت کی رہنمائی ہے۔ خُدا کے فضل سے مجھے کئی دفعہ اُن سے نیاز حاصل کرنے اور اُن کے لیکچر سُننے کا موقع ملا۔ خُدا کے فضل سے انکے کئی درس قرآنی میں بھی حاضر ہوُا ہوں۔ وہ نہایت باریک بین وصائب رائے۔ اور غائر نظر رکھنے والے شخص ہیں۔ اور اپنی ذمہ واریوں کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی جماعت سے بڑی محبت کرتے اور اس کی بڑی خیر خواہی اپنے دِل میں رکھتے ہیں۔ ان کے طریق سادہ اور اطوار مخلصانہ اور محبوبانہ ہیں۔ انکو نہایت منہمک رکھنے والی اُن کی صرف یہ خواہش ہے۔ کہ خدمت و تبلیغ اسلام ہو۔ اور دُنیا میں ہر انسان کے دروازہ تک صداقت اِسلام پہنچ جائے۔ اس عظیم الشان کام کے لئے ان کے مطمئن اور کامیابی کا یقین رکھنے والے دل میں بڑا جوش ہے۔ اس بڑے کام میں وہ نہایت عزم و تندہی سے اپنی تمام جماعت کو لئے ہوئے اس طرح مصروف و محو ہیں۔ کہ ایک دیکھنے والے کو حیرت ہوتی ہے۔

قادیان جانے پر اِس نئی جماعت کی جس بات کا سب سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ وہ وہاں کی نہایت گہری مذہبی زندگی ہے۔ ان کی تین مسجدیں ہیں۔ جن میں سے ایک میں حضرت خلیفۃ المسیح خود نماز پڑھاتے ہیں۔ میں نے تینوں میں نمازیں پڑھی ہیں۔ نماز یہاں دُوسری جگہوں کی طرح رسمی طور پر غیر زبان میں الفاظ کا دُہرانا نہیں ہوتا۔ یہاں لوگ سمجھتے ہیں۔ جو کچھ کہ نماز میں وہ زبان سے پڑھتے ہیں۔ اور الفاظ کا اثر برابر دل میں ہوتا ہے۔ ان کی آنکھیں پُر آب ہو جاتی ہیں۔ سجدہ نسبتاً زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ اور مقررہ قرأت سے دُعا پڑھنے کے بعد لوگ اپنی زبان میں بھی اپنے خالق کے سامنے تضرّع وزاری سے دُعا کرتے ہیں۔ تمام مَرد پانچوں وقت مسجدوں میں ہی نماز پڑھتے ہیں۔ جمعہ کی نماز بڑی مسجد میں ہوتی ہے۔ جس کو مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ مجھے دو جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ نمازیں بھی حضرت خلیفہ المسیح کے اقتداء میں ہوئیں۔ خطبہ قرآن شریف کی کچھ آیات پڑھنے کے بعد اُردو میں سُنایا گیا۔ جو اصل میں جماعت کیلئے ضروری اُمور پر ایک اہم تقریر تھی۔ اور اس طرح یہ خطبہ اُن رسمی اور کتابی خطبوں سے بالکل الگ تھا۔ جو بلا کمی بیشی کے ہر جگہ ہمیشہ دُہرائے جاتے ہیں۔ یہ خطبہ بھی لوگوں کے لئے انذار و تبشیر سے پُر تھا۔ اُن میں بتایا گیا تھا۔ کہ اُن کو کن چیزوں سے ڈرنا، اور کن چیزوں کی اُمید رکھنی چاہیئے۔

غرض یہاں مذہب ایک زندہ ہستی رکھتا ہے۔ اور ایک مُردہ رسم کا نام نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ اپنے گھروں میں بھی اکثر وقت مذہبی اُمور کے پڑھنے اور پڑھانے میں صرف کرتے ہیں۔ میں نے ایک چھوٹے دوکاندار کو دیکھا۔ کہ وہ اپنے دو ہم پیشوں کو قرآن شریف پڑھا رہا تھا۔ جب گاہک آتے تو وہ اُن کو سودا دیتا۔ اور پھر اپنے کام یعنی درس قرآن شریف میں لگ جاتا

میرے کمرہ کے سامنے ایک بڑھئی کام کر رہا تھا۔ مَیں نے سُنا کہ وہ آہستہ آہستہ کچھ گنگنا رہا ہے۔ جب مَیں نے غور کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ قرآن شریف کا ایک حصہ پڑھ رہا تھا۔ صبح تڑکے مَیں نے ایک فقیر کو دیکھا جو کچھ گاتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ ایک مسیح موعود کی غزل تھی۔ ایک ضعیف شخص سے جب میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ حالات سُنانے کے لئے کہا۔ تو وہ اس وقت واقعی طور پر ٹھنڈی سانسیں بھرنے اور رونے لگا۔ یہاں کے لوگ طیار رہتے ہیں۔ کہ خدا کی رضا مندی کے لئے ذرا سی بھی کوئی خدمت مل جائے تو اُس کو انجام دیں۔ جب ہم قادیان پہنچے تو رات ہو گئی تھی۔ تنگ گلیاں کیچڑ سے بھری ہوئی تھیں۔ کہ بغیر روشنی کے چلنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ ایک دوکاندار ایک دھندلی لالٹین لئے ہوئے گذر رہا تھا جس کا مکان وہاں سے کچھ فاصلہ پر واقعہ تھا۔ اُس نے ہم کو دیکھ کر سمجھ لیا۔ کہ ہم روشنی نہ ہونے کی وجہ سے کھڑے ہیں۔ اور باوجود ہمارے اصرار سے انکار کرنے کے اُس نے ہم کو اپنی لالٹین دے ہی دی۔ وہ ایک افغان تھا۔ یہاں ان لوگوں کی ایک خاص تعداد ہے۔ جو اپنے وطن اہل وطن کے مظالم سے بچنے کے لئے چھوڑ آئے اور یہاں بس گئے ہیں۔ بظاہر پھٹے کپڑے۔ ناہموار صورت اور بھدی شکل۔ اور کرخت آواز کے آدمی نظر آئیں گے۔ مگر جب بات کرو۔ تو فوراً معلوم ہوگا۔ کہ ان کے دل تو بچہ کی طرح نرم اور محبّت سے بھرے ہیں۔ ان میں دُنیا کے درجوں کا کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ اور نہ کسی رسم کے وہ پابند ہیں۔ تم کو بچّہ کی طرح گلے لگائیں گے۔ اور اپنی جذبات سے بھری باتیں تم کو بلا تکلف سنائینگے بعض بہت چھوٹی چھوٹی دوکانیں لگی ہوئی ہیں جو اُن کی آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ بنگال میں تو یہ دوکانیں نانِ شبینہ کے لئے بھی کافی نہ سمجھی جائیں۔ لیکن وہ خوش و خرم

ہیں ۔ اِس خیال سے کہ مقام مسیح کے تو قریب ہیں ۔ اصل میں ان کی معاشرت بدل گئی ہے ۔ قومیت اور مدارج کی ہستی اُن کے درمیان سے نیست و نابود ہو چکی ہوئی ہے ۔ مساوات اور اخوت جس پر اسلام کو فخر تھا ۔ اور جس کو موجودہ مُسلمان کھو چکے تھے ۔ انہوں نے پھر حاصل کر لی ہے ۔ یہاں عزّت تقویٰ کے ساتھ سمجھی جاتی ہے ۔ میرے سامنے دس نکاح ہوئے ۔ مَیں نے دیکھا کہ جن لڑکا لڑکی میں نکاح ہوا ۔ ان کے والدین آپس میں دنیاوی حیثیت سے ایسے مختلف درجہ کے لوگ تھے کہ ہمارے ملک میں تو ایسے مختلف الحیثیت لوگوں کے درمیان رشتہ نکاح کرنا مناسب ہی نہ سمجھا جائے ۔ مگر یہاں اس طرح عزّت میں فرق آنے کا کسی کو خیال بھی نہیں ہے ۔ مہر یہاں شوہر کی آمدنی کے مطابق اور اِس لئے بہت کم ہوتے ہیں ۔ عام طور پر مَیں نے دو سو اور تین سو کی شرح دیکھی ۔ برخلاف اور مسلمانوں کے رواج کے یہاں پر کوئی اتنا بڑا مہر نہیں ہوتا ۔ کہ شوہر نہ ادا کر سکے ۔ اور نہ ادا کرنے کا ارادہ رکھے ۔

عقد نکاح کی رسم نہایت سادہ اور مؤثر ہے ۔ جس میں ذرا بھی خرچ کا بار اُٹھانا نہیں پڑتا ۔ یہاں کوئی جلوس اور تماشہ نہیں اور نہ کوئی بڑے پیمانہ پر دعوت دینی پڑتی ہے ۔ اکثر شادیوں میں مَیں نے دیکھا کہ دُولہا اپنے روزانہ معمولی کپڑوں میں ظہر کی نماز مسجد میں پڑھنے آیا اور اسی طرح دُلہن کا ولی بھی وہاں موجود تھا ۔ جب نماز ختم ہوگئی ۔ خلیفہ نے اعلان کیا کہ فلاں فلاں کے درمیان نکاح ہونے والا ہے ۔ اور ان کے فرمانے پر شوہر نے کھڑے ہو کر عقد و مہر سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ۔ اور اسی طرح دُلہن کے ولی نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی ۔ قرآن شریف سے کچھ آیات پڑھی گئیں اور خطبہ سُنایا گیا ۔ جو اصل میں

ایک فی البدیہہ لکچر ہوتا ہے۔ اور جس میں تقدس عقد کا ذکر اور زن و شوئی کے فرائض بتلائے جاتے اور متعلقہ امور کا بیان ہوتا ہے۔ اور بعد ازاں سب ملکر نکاح کے مبارک ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ اور اس طرح نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ آٹھ یا دس نکاحوں میں سے جو میرے سامنے ہوئے۔ صرف دو ایسے تھے جن میں کچھ کھلانے کا بھی سامان تھا۔ ایک میں کوئی ایک روپیہ کی شیرینی تقسیم کی گئی تھی اور دوسرے میں کچھ کھانا کھلایا گیا تھا۔ شام کیوقت مسجد ہی میں دسترخوان بچھا اور معمولی قسم کا پلاؤ۔ گوشت روٹی، زردہ اور شاید شیرینی بھی تھی۔ دو دو مہمان ایک ایک رکابی سے کھاتے تھے۔ میرا ساتھی ایک نومسلم سکھ تھا۔ یہاں زردہ پلاؤ کے ساتھ ملاکر کھاتے ہیں۔ بنگالہ میں پلاؤ کھانے کے بعد زردہ کھاتے ہیں۔ چنانچہ جب میں پلاؤ کھاکر زردہ کھانے کو تھا۔ تو میرے ساتھی نے زردہ کی رکابی تو پلاؤ ہی سے ملاکر کھانے میں بالکل صاف کر دی ہے۔ اس سے مجھے سبق حاصل ہوا کہ جس ملک میں جائے۔ وہاں کے دستورات کا خیال چاہیئے۔ غرض خانگی زندگی بہت سادہ بن گئی ہے۔ اور رسمی تکلفات سے پاک ہے۔ ایک روز ہم نے دیکھا کہ لوگ مچھلی کا شکار کر رہے ہیں میرے دوست نے جو خود بھی بنگالی تھے، چاہا کہ مچھلی خریدیں لیکن پھر کسی وجہ سے خریدی نہیں۔ ایک دوکاندار ہم کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے خیال کیا۔ کہ چونکہ ہم بنگالی ہیں۔ مچھلی ہمارا کھاجا ہے۔ چنانچہ اُس نے مچھلی خرید کر دوسرے دن ہماری دعوت کی۔ کہ ہم اس کے ساتھ مچھلی کھائیں۔ اس دعوت میں صرف مچھلی اور روٹی تھی۔ لیکن جس شوق اور محبت سے وہ پیش کی گئی۔ اور جس خلوص سے اُس نے ہمارے خوش کرنے کی خواہش کی، اس کو خیال کرتے ہوئے ہمیں وہ دعوت ہمارے یہاں کی نہایت اعلیٰ اور پُر تکلف دعوتوں سے بڑھکر عزیز تھی۔

منجملہ دیگر اصلاحوں کے عورتوں کا مرتبہ بھی اس جماعت میں زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ اور قومی کاموں میں وہ ایک عمدہ حصّہ لیتی ہیں۔ وُہ آزادی کے ساتھ برُقع میں باہر نکلتی ہیں۔ اور مرد گلیوں میں اُنکے سامنے سے راستہ چھوڑکر ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے وہ مسجد اقصیٰ میں جاتی ہیں جس کا ایک حصّہ اُن کے لئے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ شیرخوار بچّے اُن کے ساتھ ہوتے ہیں جو ماؤں کے نماز میں ہونے کے وقت بعض دفعہ خوب شور مچاتے ہیں۔ ہر روز صبح عورتوں کے لئے قرآن شریف کا ایک درس ہوتا ہے۔ دسمبر گذشتہ کے سالانہ جلسہ پر چار سو احمدی عورتیں جمع ہوئیں۔ اور زنانہ کانفرنس کے باقاعدہ اجلاس ہوئے۔ ان باتوں سے بہت ترقی کا اظہار ہوتا ہے۔ گو اسکو وہ لوگ جو یورپین تہذیب کے دلدادہ ہیں کافی نہ سمجھیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ تمام معقول ضروریات جو شائستہ صحبت میں محسوس ہوں۔ اِسی طرح پوری ہو جاتی ہیں۔

یہ سلسلہ گو ابھی بچپن کی حالت میں ہے۔ مگر جس راہ پر یہ لوگ چل رہے ہیں۔ اُس سے لیڈروں کی پالیسی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے تلوار سے جہاد کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ اُن کا مشن ایک امن اور آشتی کا مشن تھا۔ کہ صداقت کو دلائل سے پھیلایا جائے۔ اُس مقصد کے حصول کا بڑا ذریعہ تعلیم ہے اور تعلیم پر یہ جماعت اپنی بڑی قوّت صرف کر رہی ہے۔ چنانچہ یہاں ایک ہائی سکول ہے جو پنجاب یونیورسٹی سے ملحق ہے اور جس کی عمارت پر اب جو قریب الاختتام ہے پون لاکھ روپیہ خرچ پڑے گا۔ اس رقم میں ۴۰ ہزار جماعت نے اور باقی سرکار نے دیا ہے عمارت کا نقشہ نہایت شاندار ہے۔ اور اسکول کا سامان نہایت اعلیٰ قسم کا

ہے۔ طلباء کی تعداد تقریباً چار سو کے ہے جن میں سے نصف کے قریب بورڈنگ ہاؤس ملحقہ میں رہتے ہیں۔ مدرسین نہایت لایق ہیں۔ سب کے سب احمدی ہیں اور بعض قابلیت کے لحاظ سے بہت کم تنخواہ پر کام کرتے ہیں۔ چار سو روپیہ ماہوار سرکاری امداد کے ملتے ہیں۔ بورڈنگ ہاؤس ایک مستطیل شکل کی عمارت ہے۔ جس میں دو سو طلباء کی رہائش کا انتظام ہے اس عمارت پر جماعت نے ۳۰ ہزار روپیہ خرچ کیا ہے۔ اس کا سامنے کا رُخ نہایت شاندار ہے۔

مجھے بورڈنگ ہاؤس کے طلباء کو دن رات کے ایسے اوقات میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے جبکہ کسی غیر کے آنے کی اُمید نہیں ہوتی۔ مگر مَینے ہمیشہ اُنکے چلن اور رویہ کو ٹھیک پایا۔ اس جماعت کی مذہبی رُوح ان درسگاہوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ مدرسہ میں قرآن شریف کو سمجھکر پڑھنا۔ ہر مُسلمان طالبعلم پر فرض ہے۔ بورڈنگ ہاؤس میں صبح تڑکے جبکہ روشنی صاف بھی نہیں ہوتی۔ مَینے دیکھا کہ نماز فجر کے بعد جو یہاں اوّل وقت ادا ہوتی ہے اپنے اپنے لیمپوں کے گرد چار چار پانچ پانچ طلباء اکٹھے بیٹھے ہُوئے قرآن شریف کو اُسی غور و خوض سے پڑھ رہے ہیں جس طرح کہ وہ اور مضامین یاد کرتے ہیں! ایسا نہیں کہ بنگال کی طرح اُونگتے ڈھیلتے وہ صرف لفظوں کی ادائگی پر بس کر دیں۔ چھوٹے بچے قرآن شریف لیکر اپنے اپنے کمرہ کے اُستاد کے گرد جمع ہوتے ہیں۔ ہر ایک اُستاد کے ہاتھ میں ایک قرآن شریف ہوتا ہے۔ اور وہ چھوٹے بچوں کی قرآنی مشکلات کے حل کرنے میں مصروفیت سے لگے ہوتے ہیں۔ غرض مَیں بلا تامل یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس مدرسہ کے پڑھے ہُوئے دس یا بارہ سال کی عمر کے بچے بنگال کے کالجوں کے اکثر طلباء کی نسبت قرآن شریف سے کہیں

زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ روزانہ نمازیں لازمی ہیں مگر اُن کی پابندی کیلئے کسی سزا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب مسجد کو چلنے کی گھنٹی بجتی ہے تو طلباء نکلکر اپنے اپنے کمروں کے سامنے قطار باندھکر اُستاد کی زیر نگرانی مسجد کو روانہ ہوتے اور نماز پڑھ کر اسی طرح باقاعدگی سے واپس آتے ہیں۔ مسجد بھی احاطہ سکول کے اندر ہی ایک پختہ وسیع عمارت ہے جس میں ایک ہزار نمازی ایک وقت میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ نماز ختم ہونے پر طلباء اسی طرح قطار باندھ کر واپس آتے ہیں۔ اور غیر حاضر لڑکے کا پتہ فوراً قطار میں اُس کی جگہ خالی ہونے سے لگ جاتا ہے۔ سکول و بورڈنگ ہاؤس، مسجد اور استادوں کے مکانات سب کھیل کے فراخ میدانوں کے ساتھ گاؤں کے باہر واقع ہیں۔ کھُلے میدانوں میں کافی کھیل کھیلے جاتے ہیں اور اُستاد طلباء کیساتھ آزادی سے کھیلوں میں شریک رہتے ہیں۔ بنگال میں اسی قسم کے سکولوں کا خیال کرتے ہوئے قادیان کا ہائی سکول بحیثیت مجموعی کیا بلحاظ عمارت و سٹاف اور کیا بلحاظ انتظام و عام اخلاقی رنگ سب سے اعلیٰ ہے۔

عربی اور متعلقہ مضامین کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ ہے جہاں کے نصاب تعلیم میں موجودہ زمانہ کی ضروریات کا کافی لحاظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ زبان انگریزی و ریاضی و جغرافیہ و تاریخ بطرز جدید کورس میں داخل ہے۔ اس مدرسہ کے پاس شدگان کو اصول تبلیغ کی تعلیم دینے کے لئے ایک اور درسگاہ ہے جہاں مبلغین طیار ہوتے ہیں اور جہاں کئی نہایت فاضل پروفیسر لکچر دیتے ہیں۔ مدرسہ کے پاس شدہ طلباء میں سے خاص طور پر ہونہار طلباء اس درسگاہ کے لئے منتخب کئے جاتے ہیں جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے جو ایک علیحدہ بورڈنگ ہاؤس میں رہتے ہیں۔ اسوقت اس خاص کلاس میں دس مبلغین تعلیم

پاتے ہیں۔

دستکاری سکھانے کے لئے بھی یہاں دو کلاسیں ہیں ایک نجاری اور ایک خیاطی سکھانے کے لئے۔ ان کلاسوں میں دستکاری کے علاوہ قرآن شریف کا پڑھانا لازمی ہے۔ میں خیاطی کی کلاس میں گیا۔ وہاں اُنیس یا بائیس طلباء تھے صحیح تعداد مجھے یاد نہیں رہی۔ میں نے دیکھا کہ تین طلباء کی ایک جماعت ایک استاد سے قرآن شریف پڑھ رہی تھی اور باقی کام کر رہے تھے۔ جب ایک جماعت پڑھ چکتی ہے تو پھر دُوسری جماعت پڑھنے آتی ہے۔ اور وہ کام پر چلی جاتی ہے۔ یہاں کے تمام طلباء جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پرائمری تک پڑھے ہوئے تھے۔ ایک مدرسہ نسواں لڑکیوں کے لئے بھی ہے۔ مگر اس کے متعلق مجھے بالتفصیل حالات معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا۔

ان باقاعدہ درسگاہوں کے علاوہ عوام کے لئے بھی قرآن شریف پڑھانے کا انتظام ہے۔ ان درسوں میں ہر شخص شریک ہو سکتا ہے اور عوام کو ان کا بڑا شوق بھی ہے۔ انگریزی سکول اور مدرسہ عربی کے اُستاد اور تجارت پیشہ لوگ اور باہر کے مہمان ان درسوں میں شامل ہوتے ہیں جو خود حضرت خلیفۃ المسیح اور کئی اور دینیات میں تبحر رکھنے والے عالم دیا کرتے ہیں۔ ایک ایسے درس میں میں بھی شریک ہؤا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ سُننے والوں کی تعداد کوئی دو سو تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ تعداد معمول سے کم ہے۔ مسجد اقصٰی میں یہ دَرس عصر و مغرب کے درمیان ہؤا تھا۔ اسی قسم کا ایک درس عورتوں کے لئے صبح کے وقت بھی دیا جاتا ہے۔ اس درس میں روزانہ ایک رکوع پڑھا جاتا ہے۔

الحاصل اس نئی تحریک کے یہ چند نتیجے ہیں جن کا میں نے مختصر ذکر اُوپر کیا ہے۔ ایک اتفاقی طور پر نظر ڈالنے والے کو بھی ان سے حیرت ہوتی ہے۔ اور یہ باتیں

خود بخود اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو بعض باتیں نہایت گہرا اثر ڈالنے والی ہیں۔ مثلاً فرقہ بندی اور قومی تفرقوں کا نہ ہونا اور سب افراد جماعت کا باہم مساوی ہونا۔ شادی غمی کی رسموں کا بالکل اُٹھ جانا۔ یہ خرابیاں ہر مسلمان محسوس کرتا اور اسلام کے مخالف سمجھتا ہے۔ ان امور کے خلاف بہت کچھ لکھا اور کہا بھی گیا ہے۔ لیکن تمام مسلمانوں میں یہ نقائص اسی طرح جاری و ساری ہیں۔ اور کوئی صورت اُن کے دُور ہونے کی نظر نہیں آتی۔

مجھے خیال ہوتا ہے۔ کہ انسان چونکہ عملوں ہی کا پرورش یافتہ ہوتا ہے۔ اس لئے سوسائٹی کی اصلاح کے لئے محض انسانی طاقت کافی نہیں ہوتی اِس کام کے لئے کسی اعلیٰ طاقت کا ہونا ضروری ہے۔ جن پیشواؤں نے انسانی سوسائٹیاں پیدا کی ہیں وہ محض معمولی انسانی ذرائع سے ہی کام نہیں لیتے تھے۔ ایسے مصلح خدائے تعالیٰ کے مامور ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بھی جنہوں نے یہ عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کر دکھلائیں۔ مثل اُن پیغمبروں کے ایک پیغمبر تھے جو گذشتہ زمانہ میں ہدایت انسان کے لئے خدا کی ہستی کے زندہ نشان لائے تھے۔ اپنے مامور من اللہ ہونے کو انہوں نے بھی اُن تمام دلایل سے ثابت کر دیا ہے جنسے کہ انبیائے سابقین کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً

(۱) پیغمبروں کو اپنی نبوت کا دعویٰ خود ہی کرنا چاہیئے۔ پیروؤں کے دعویٰ بنا لینے سے کام نہیں چلتا۔

(۲) اُن کی زندگی پورے طور سے پاک ہو۔ تمام انبیاء معصوم مانے جاتے ہیں۔

(۳) بدی اور جہالت کے زور کے وقت مبعوث ہونا۔
(۴) اُن کی تعلیم اور صحبت میں پاک کرنے والا اثر ہو۔
(۵) عوام کا مخالفت اور استہزاء کرنا۔ تمام سچے نبیوں کی مخالفت اور استہزاء کیا جانا یقینی ہوتا ہے۔
(۶) خارق عادت نشان اُن کے ساتھ ہوں۔ اور اُن کی پیشگوئیاں سچی نکلیں۔
(۷) مباہلہ۔
(۸) پے در پے عذابوں کا آنا۔ قحط، طاعون، زلزلہ، جنگ۔
(۹) اُن کے متعلق گذشتہ پیشگوئیوں کا پُورا ہونا۔
(۱۰) تمام مخالفت پر آخر اُنہیں کی فتح ہونا۔

اگر خالی الذہن ہوکر تحقیقات کی جائے۔ تو یہ تمام معیار مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کو اسی طرح ثابت کرتے ہیں۔ جس طرح کسی اگلے نبی کی صداقت کو۔

لوگ اِس تحریک پر سے تعجب کرتے ہُوئے گذر جاتے ہیں۔ اُنکو تعجب تو ہوتا ہے۔ مگر وہ یقین نہیں کر سکتے۔ کہ اس تہذیب اور روشنی کے زمانہ میں بھی کوئی نبی آسکتا ہے۔ بعض اس لئے رد کرتے ہیں کہ آخری اور سب سے بڑا نبی آچکا۔ اور اب اُن کو کسی اور نبی کے آنے کی اُمید نہیں۔ وہ تامل اور صبر سے نہیں سُنتے کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی نسبت کہنا کیا ہے۔ وہ تو کہتا ہے۔ کہ میں ایک امام ہوں، مجدد ہوں، نبی اور رسُول ہوں۔ مگر یہ سب مراتب میں نے آخری اور سب سے بڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی ہی میں پائے ہیں۔ اس لئے میں اس سے

علیحدہ نہیں ہوں۔ مجھے خاتم النبیینؐ سے بزرگی ملی ہے۔ جس طرح بزرگ آقا سے خادم کو بزرگی ملتی ہے۔ غرض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کوئی علیحدہ نبوت نہیں۔ جس سے لوگ رُکتے ہیں۔ وہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کا جو قیامت تک قائم رہے گی ایک ظل ہے۔ پھر لوگ سوال کرتے ہیں۔ ”کیا مسیح ہم کو بادشاہت دے گا“ بعینہٖ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہت کا سوال کرتے تھے۔ تاریخ کی وہی باتیں دوبارہ پیش آتی ہیں۔ لیکن انسان آنکھیں نہیں کھولتا۔ نیز یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیا یہ ایک بے پرواہی کا مقام ہے۔ کہ خواہ ہم اسپر ایمان لائیں یا نہ لائیں کوئی شدید ضرورت نہیں؟ نعوذ باللہ۔ یہ بے پرواہی کی بات نہیں انسانیت کی اصلی غایت کے پُورا ہونے کا سوال ہے۔

آئیں۔ آئیں۔ ضرور آئیں وہ لوگ جو دولت وعزّت کے زر خرید غلام نہیں بنے ہیں۔ اور جن کی تمام اُمیدیں اسی دُنیا سے وابستہ نہیں ہیں۔ اور جن کو یقین ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ جو گذشتہ زمانہ میں انسان کو اپنے کلام سے مشرف فرماتا تھا۔ بدل نہیں گیا۔ اور اپنی مخلوق سے اُس نے اپنا فضل اُٹھا نہیں لیا۔ آئیں اور غور سے تحقیقات کریں۔ خلوص و عجز سے دریافت کرنا صداقت کی نصف راہ طے کر لینے کے برابر ہے۔ آپ لوگوں کی یتیموں اور بیواؤں کی انجمنوں۔ تعلیمی کوششوں تبلیغی انجمنوں اور اور قومی کاموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ لوگ صداقت سے غافل نہیں ہیں۔ پس چاہیئے۔ کہ اپنے ذاتی خیالات کو علیحدہ رکھکر تھوڑی دیر کے لئے سوچیں۔ کہ خُدا کے مامُور تو مخلوق کی

گرہ کُشائی کے لئے آتے ہیں۔ پھر غور سے دیکھیں۔ کہ آیا یہ نیا معلّم دین آپکو آپکی ساری مشکلات کا حل دیتا ہے یا نہیں۔

یاد رہے کہ اصلی بادشاہت اس دنیا کی اور آخرت کی خدا ہی کے لئے ہے۔ جس طرح اُس نے خانہ بدوش عربوں کو ذلّت کی تاریکی سے نکال کر رُوحانیت اور انسانیت کی بھی بلندی پر اس لئے پہنچا دیا تھا۔ کہ اُنہوں نے اُس کے نبی کی اطاعت کی۔ اسی طرح یہ بھی اُس خدا کی طاقت میں ہے۔ کہ وہ تُم کو موجودہ ذلّت سے نکال کر دینی و دُنیاوی عظمت کے شایاں بنا دے۔

اے یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ نوجوانو! تمہارے دِل تعصبات اور پُرانے غلط خیالوں سے نسبتہً زیادہ پاک و صاف ہیں۔ غور کرو کیا تمہارے دلوں میں کوئی جوش اس بات کے لئے ہے؟ نہایت مبارک اغراض ہیں۔ اور نہایت شاندار۔ ایک مقدّس جنگ کے لئے یہ تحریک تمہیں بُلا رہی ہے۔ کیا ہی شریف وہ شخص ہے جو سچائی ملنے پر انکار نہیں کرتا۔ اور صدق دل سے قبول کر لیتا ہے۔ مگر اس سے بھی زیادہ شریف ہے وہ جو سچّائی نہ ملنے پر بیتاب ہوکر اُس کی تلاش کرتا ہے۔

والسلام علیٰ من تبع الہدیٰ"

اس کے بعد ہم ایک ایسے شخص کے تاثرات درج ذیل کرنا چاہتے ہیں۔ جو احمدی نہیں تھا، مسلمان نہیں تھا، بلکہ مسیحی تھا۔ اور پادری تھا۔ بلکہ احمدیت کا مخالف بھی تھا۔ جو کہ خود ۱۹۱۶ء میں دریافت حال کے لئے قادیان آیا۔ اور یہاں آکر اُس نے یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھا۔ خُدا کے مسیح کی جماعت اور اسیر گہرا اسلامی رنگ جھلکیاں مارتا ہوا بھی دیکھا۔ اور یہ سب کچھ دیکھ لینے کے

بعد جو کچھ اسپر اثر ہوُا۔ وہ اسنے اپنی کتاب "احمدیہ مُووْمنٹ" میں درج کر دیا۔
جس میں سے ہم بنظر اختصار ایک مختصر اقتباس درج ذیل کرتے ہیں:۔

پادری والٹر ایم۔ اے سیکرٹری وائی ایم سی لاہور کے تاثرات

"مینے ۱۹۱۶ء میں قادیان جاکر حالانکہ اسوقت احمدؑ کی وفات کو ۸ سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ ایک ایسی جماعت دیکھی جس میں مذہب کے لئے وہ سچا اور زبردست جوش تھا۔ جو ہندوستان کے عام مسلمانوں میں آجکل بالکل مفقود ہے۔ قادیان میں آکر انسان سمجھ سکتا ہے کہ ایک مسلمان جیسے عام مولویوں سے بوجہ ان کی جہالت اور بے ایمانی کے (جن کے نزدیک محمدؐ بلحاظ تواریخ صرف ایک گذشتہ ہستی اور مکہ بلحاظ جغرافیہ کے دُور داز شہر ہے۔ نفرت پیدا ہوگئی ہو) محبت اور ایمان کی وہ رُوح جسے عام مسلمانوں میں بے فائدہ تلاش کرتا رہا، بافراط ملے گی۔ ...... اب یہ یقینی نظر آتا ہے (کہ احمدیوں کی) لاہوری پارٹی ہندوستان کے عام مسلمانوں کے اس فریق میں جس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ ہے۔ جذب ہوجائیگی۔ لیکن قادیان کی جماعت وسیع دائرۂ اسلام کی ایک مستقل اور غالباً بڑھنے والی قوس کی شکل میں رہے گی۔"

پادری والٹر نے یہ جو کچھ لکھا ہے۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے۔ اور اس کے علاوہ اور جو بھی شخص تحقیق حال کیلئے قادیان آئے گا وہ بھی یہی کچھ دیکھے گا۔ اور دیکھنے کے بعد ان متعصب اور غالی دشمنوں کی افتراپردازیوں کو یاد کرکے تعجب سے اپنی انگلیاں کاٹیگا کہ کس طرح یہ لوگ منبروں پر چڑھ کر احمدیت کے خلاف بے بنیاد وساوس عوام کے دلوں میں پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اور ایسا

کرتے ہوئے قطعاً خدا کا خوف نہیں کھاتے۔

بابی المذہب محفوظ الحق علمی کے تأثرات

اس کے بعد ہم ایک ایسے شخص کے ذاتی مشاہدہ پر مبنی تأثرات کا بقدر قلیل حصہ درج کرنا چاہتے ہیں۔ جو بظاہر مسلمان تھا۔ مگر در پردہ بابی اور بہائی مذہب کا معتقد تھا۔ یہ شخص ۱۹۱۹ء میں قادیان بغرض تحقیق آیا۔ یہاں رہا۔ اور علمائے سلسلہ سے ملا۔ قادیان کی حالت دیکھی۔ اور جو کچھ اس نے ۱۹ء میں قادیان میں دیکھا۔ وہ اسی کے لفظوں میں پڑھئے۔ جو کہ امر واقعہ ہے۔ اور حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کے مطالعہ سے حقائق سے ناآشنا معلوم کر سکینگے۔ کہ قادیان بقول دشمنانِ حق ملحدوں اباحیتوں اور اسلام کے دشمنوں کی بستی ہے۔ یا اسلام کے فدائیوں، قرآن کے شیدائیوں اور خواجۂ دوجہاں کے نام پر سر مٹنے والے پروانوں کی بستی ہے؟

" میں نے ارادہ کیا کہ احمدیت کے مرکز دارالامان قادیان جاکر بھی دیکھنا اور ہر طرح کی تحقیق کرنا چاہیئے۔ چنانچہ وسط شعبان (۱۳۳۶ھ) کانپور سے علیگڑھ ہوتا ہوا میں قادیان پہنچا ... بٹالہ سے جبکہ ہم ٹم ٹم میں روانہ ہوکر قادیان کی نہر پر پہنچے، وہیں سے بلند منارۃ المسیح نظر آنے لگا۔ اور داخلہ دارالامان کا شوق بڑھانے لگا۔ چار بجے ہم بخیریت دارالامان میں داخل ہو گئے۔ اور داخل ہوتے ہی یہ دیکھا کہ گلی کوچوں میں مسلمانوں کی چہل پہل ہے۔ اور ہر طرف سے السلام علیکم السلام علیکم کی صدا آرہی ہے۔ پھر ہم مہمان خانہ پہنچے۔ چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے نے لائبریری۔ مدرسہ احمدیہ۔ دفتر الفضل۔ دفتر رسالہ تشحیذ الاذہان۔ دفتر انجمن ترقی اسلام وغیرہ کی سیر کرائی۔ پھر دوسرے دن دفتر اخبار الحکم، واخبار فاروق، و رسالہ ریویو آف ریلیجنز، و

تعلیم الاسلام ہائی سکول، و بورڈنگ ہوس، و مسجد نور، و مسجد اقصیٰ و منارۃ المسیح، و مسجد مبارک وغیرہ کی سیر کرائی۔ یہاں پر یہ بتا دینا بھی فرض حق گوئی۔ اور اخلاقی ثواب سمجھتا ہوں۔ کہ قادیان آنے سے پہلے مخالفین نے یہاں کے متعلق ایسی ایسی باتیں سُنائی تھیں۔ کہ حیرت ہوتی تھی۔ بعض ایسی شرمناک باتیں سُنائی تھیں۔ کہ جن کو لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ لیکن خُدا گواہ ہے کہ مَیں نے قادیان میں نمازوں کا انتظام، جماعت کی پابندی۔ علم کلام۔ اور حدیث شریف اور قرآن پاک کا باقاعدہ درس ہوتے دیکھا۔ جن میں انگریزی، عربی اسکولوں کے ماسٹر و اساتذہ، ایڈیٹرانِ اخبارات، دارالامان کے تاجر اور پیشہ ور حضرات سبھی قسم کے لوگ دلی شوق کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ نیز یہ درس قرآن اخبارات کے ذریعہ تمام دُور اُفتادہ بھائیوں کو بھی پہنچا دیا جاتا ہے۔ جس سے وہ اپنے اپنے مقام پر علم قرآن سے باخبر ہوتے رہتے ہیں۔ مَیں پھر کہتا ہوں۔ کہ جو افواہیں قادیان کے متعلق مجھے سُنائی گئی تھیں بالکل بہتان نکلیں۔ اور بجز معاندانہ افتراآت کے اُن کی تہ میں کوئی حقیقت نہیں۔ . . . . . بہرحال قادیان ۱۲ دن مقیم رہا۔ اور روزانہ کا مشغلہ یہ تھا۔ کہ حضرت مرزا صاحب کی تصانیف نیز بعض غیر احمدیوں کی کتابیں دیکھتا۔ اور قادیان کے گریجوایٹ اور حضرات علماء سے مختلف متفرق باتیں کرتا۔ اور کھُل کر اپنے اعتراضات پیش کرتا۔ مَیں نے جہاں تک دیکھا، مَیں اپنی عینی شہادت کو چھُپانا

نہیں چاہتا۔ وہ یہ تھا۔ کہ نام بالوں میں نیز مسائل کی گفتگو میں علماء قادیان نیز دیگر حضرات نے کسی کی تحقیر تذلیل کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ نفس مسائل پر محققانہ بحث کی۔"

(الفضل ۱۳ار اگست ۱۹۱۸ء)

نیز اسی شخص نے اسی مضمون میں شاہ علی احسن صاحب گدّی نشین مارہرہ شریف کی بھی احمدّیت کے متعلق باین الفاظ گواہی درج کی :-

شاہ علی احسن صاحب گدّی نشین مارہرہ شریف کی عینی شہادت

"جناب موصوف نے نہایت صفائی و شائستگی سے حضرت اقدس مسیح موعود کے متعلق گفتگو فرمائی۔ اور کمال وثوق سے فرمایا کہ "جو منقول کو مانتا ہے۔ وہ حضرت مرزا صاحب مرحوم کے دعویٰ کو ضرور تسلیم کرے گا۔ نقل کے ماننے والوں کو تو کوئی چارہ نہیں۔ مَیں جس زمانہ میں لاہور تھا۔ اکثر مرزا صاحب کے مُریدوں سے میری دوستی تھی۔ یہ تو مینے دیکھا۔ کہ مرزا صاحب کے مُرید تقویٰ، طہارت کے پابند، شریعت کا بڑا خیال رکھنے والے ہوتے ہیں۔ ایک میرے دوست بہت ہی بدعمل تھے۔ مرزا صاحب کے مُرید ہوئے۔ تو صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے۔ اور اُن کی بڑی اچھی حالت ہوگئی"

(الفضل ۲۰۔ اگست ۱۹۱۸ء)

اس کے بعد ہم ایک مسلمان پروفیسر جو کہ قومی کاموں میں اچھی خاصی دلچسپی رکھتے ہیں اور وہ تحریک احمدیت سے اس کے بانی سے اور ہمارے موجودہ امام و پیشوا حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے بھی واقف ہیں اور کئی بار آپ سے شرف ملاقات حاصل کر چکے ہیں۔ کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ جو آپ نے حبیبیہ ہال لاہور میں ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے ارشاد فرمائے:۔

پروفیسر سید عبدالقادر صاحب ایم۔ اے کے تاثرات

صاحب موصوف نے مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کے اس جلسہ (منعقدہ ۱۹۱۹ء) کی صدارت کرتے ہوئے جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے "اسلام میں اختلافات کا آغاز" کے عنوان پر تقریر فرمائی تھی۔ حضرت صاحب کا حاضرین جلسہ سے تعارف کرواتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"حضرات عام طور پر یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جب کوئی صاحب لیکچر کے لئے تشریف لائیں تو صدر انجمن حاضرین سے ان کا تعارف کرایا کرتا ہے۔ لیکن آج کے لیکچرار اس عزت اس شہرت اور اس پایہ کے انسان ہیں کہ شاید ہی کوئی صاحب ناواقف ہوں۔ آپ اس عظیم الشان اور برگزیدہ انسان کے خلف ہیں۔ جنھوں نے تمام مذہبی دنیا اور بالخصوص عیسائی عالم میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ گذشتہ صدی کی تاریخ کی جہاں تک مجھے ورق گردانی کرنی پڑی ہے۔ اسکی بنا پر میں کہہ سکتا ہوں کہ اس عرصہ میں تین نامور انسان پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انیسویں صدی مسلمانوں کے لئے نہایت گئی گذری تھی۔ تاہم اس نے مختلف رنگوں کے تین بڑے انسان پیدا کئے ہیں ان میں سے ایک بڑا شخص وہ تھا جس نے ۱۸۵۷ء کے غدر کے نہایت نازک زمانہ میں مسلمانوں کی راہ نمائی کی۔ اور مسلمانوں کو بہت حد تک تباہی سے بچا لیا۔ اسوقت اگر وہ

نہ ہوتا۔ تو آج حیدر آباد ایسی قابل ذکر ریاست کا نام و نشان نظر نہ آتا۔ دوسرا شخص سر سیّد تھا۔ جس نے تعلیمی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور تیسرا انسان حضرت مرزا غلام احمد تھا۔ جس نے مذھبی دُنیا میں نہایت عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ایسے وقت میں حضرت مرزا صاحب آئے جبکہ مسلمانوں کی مذھبی حالت نہایت بُری ہو چکی تھی۔ ایسی حالت سے حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کو اُبھارا۔ اور مذہب کی طرف لوٹنے کی ترغیب دی۔ اس مقصد میں انھیں کس قدر کامیابی ہوئی اس کے متعلق میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کا ثبوت آپ لوگوں کے سامنے موجود ہے۔ میں کسی لمبی تقریر کے لئے کھڑا نہیں ہُوا بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے کھڑا ہُوا ہوں کہ آج کے لیکچرار اس برگزیدہ انسان کے خلف ہیں جس نے اس زمانہ میں مذھبی دُنیا میں تہلکہ ڈال دیا۔"

خاتمہ تقریر پر انہی سیّد صاحب نے فرمایا کہ :۔

"حضرات! مینے بھی کچھ تاریخی اوراق کی ورق گردانی کی ہے اور آج شام کو جب میں اس ہال میں آیا تو مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصّہ مجھے بھی معلوم ہے۔ اور اس پر میں اچھی طرح رائے زنی کر سکتا ہوں۔ لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفلِ مکتب ہوں اور میری علمیت کی روشنی اور جناب مرزا صاحب کی علمیت کی روشنی میں وہی نسبت ہے جو اس لیمپ (جو میز پر تھا) کی روشنی کو اس بجلی کے لیمپ کی روشنی سے (جو اوپر آویزاں تھا) ہے :

حضرات! جس فصاحت اور علمیت سے جناب مرزا صاحب نے اسلامی تاریخ کے ایک نہایت مشکل باب پر روشنی ڈالی ہے وہ انھیں کا حصّہ ہے۔ اور یہاں بہت کم لوگ ہونگے جو ایسے اَدق باب کو بیان کریں

میرے خیال میں تو لاہور میں بھی ایسا کوئی شخص نہیں ہے ۔۔۔۔۔ حضرات میرا خیال ہے کہ آپ سب صاحبان نہایت محظوظ ہوئے ہونگے ان باتوں کے سُننے سے جو جناب مرزا صاحب نے بیان کی ہیں اور میں خواہش کرتا ہوں کہ ایسے ایسے قابل انسان ہماری سوسائٹی میں ہوں ٭

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ایسی زبردست علمیت اور شخصیت کا انسان ہماری سوسائٹی کا ممبر بن جائے تو سوسائٹی کو چار چاند لگ جائینگے کیونکہ آپ جیسا انسان اگر کبھی کبھی اپنا وقت نکالکر ہمیں دے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ پس اگر آپ ممبری قبول کریں گے تو نہ صرف ہمیں آپ سے دُنیاوی برکت حاصل ہوگی۔ بلکہ دینی برکت بھی حاصل ہوگی۔" (الفضل ۸ مارچ ۱۹۱۹ء ص۵)

اسکے بعد ہم مہاشہ خوشحال چند خورسند ایڈیٹر آریہ گزٹ۔ اخبار ملاپ و سکرٹری آریہ پرادیشک سبھا پنجاب کے کچھ تاثرات درج کرتے ہیں۔ یہ صاحب مذھبًا آریہ سماجی ہیں۔ آریہ سماج کے چوٹی کے لیڈروں میں سے ہیں۔ ہندو پریس میں ان کا ممتاز درجہ ہے۔ اور احمدیوں کے ساتھ ان کی ہمیشہ کٹا چھنی رہی۔ اور انکے اخباروں میں سلسلہ احمدیہ کے خلاف اکثر مضامین نکلتے رہتے ہیں۔ اُن دنوں جبکہ قادیان میں آریہ سماجی اپنا سکول قائم کرنا چاہتے تھے اور ہمارے خلاف اخباروں میں پروپیگنڈا کرواکر چندہ بٹور رہے تھے تو اسوقت مہاشہ صاحب نے بھی اپنے اخبار آریہ گزٹ ۱۹ مئی ۱۹۲۱ء میں مندرجہ ذیل مضمون لکھا تھا۔ اور جو کہ انکے ذاتی مشاہدہ پر مبنی تھا کیونکہ یہ صاحب ایک سے زیادہ مرتبہ قادیان آچکے ہیں اور یہاں کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔ ہر چند کہ یہ مضمون بھی مخالفانہ سپرٹ ہی میں لکھا ہوا ہے مگر تاہم اسکے پڑھنے سے یہ امر تو ظاہر ہو جائے گا۔ کہ وہ قادیان جسے ضلع گورداسپور میں بھی کوئی نہ جانتا تھا آج کس طرح دشمنوں کی نگاہ میں ایک ہیبت وسطوت رکھنے والا مقام ہے۔ ہاں

وہ قادیان جس کے متعلق خدا نے بشارت دی تھی کہ یہ عنقریب دُنیا میں مشہور ہو جائیگا اسکی ترقی ہاں حیرت انگیز ترقی کس طرح دشمنانِ اسلام کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی ہے۔ اور مسیح الزمان کے نام لیواؤں کے ایمانوں کو تازگی بخش رہی ہے اور اپنی امیدوں بھری دلربا اُٹھان سے اسلامی دُنیا کو بھی ڈھارس بندھا رہی ہے کہ گھبراؤ مت وہ وقت جلد آتا ہے جبکہ تمہارے تمام دُکھ درد دُور کر دیئے جائیں گے۔ اور آج جبکہ تم مغلوب ہو رہے ہو۔ میری پناہ میں آ کر یقیناً غالب بن جاؤ گے ‌٭

مہاشہ خوشحال چندجی ایڈیٹر آریہ گزٹ کے تاثرات ۲۱ سنہ ۱۹ء

آریہ گزٹ لاہور ”قادیان گورداسپور میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کے برابر اور جس سے بڑے اور بہت سے قصبے موجود ہیں۔ مگر باہر انھیں کوئی نہیں جانتا لیکن قادیان ایک اس قسم کا قصبہ ہے جو آج نہ صرف اپنے علاقہ میں نہ صرف پنجاب میں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ غیر ممالک میں بھی مشہور ہو چکا ہے اور اسکی اہمیت و فضیلت بہتیرے پُرشان اور بارونق شہروں اور دارالخلافوں سے بھی بڑھ چکی ہے اسکی ایک وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سورگباشی مرزا غلام احمد صاحب نے اپنے تپوبل (ریاضت شاقہ) سے ایک نئے مذہب (؟) کی بنیاد رکھی اسکے لئے دُکھ سہے۔ ہم مذہبوں کے طعنے برداشت کئے اور آخر آپ قادیان میں اپنی ایک گدی (؟) قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قادیان جسے آج سے پچاس سال پہلے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب مذہبی لوگوں کی خاص توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے ‌٭

قادیان میں احمدیوں کا کام :-

قادیان میں احمدی گدی کو مضبوطی سے قائم رکھنے کے لئے جو ستون تیار کیئے گئے ہیں وہ بھی بڑے زبردست ہیں۔ چنانچہ اس وقت وہاں مندرجہ ذیل انسٹی ٹیوشن احمدی جماعت کی طرف سے چل رہے ہیں ÷

(۱)، ایک ہائی سکول جس میں قریبًا پانصد و دو بارہتی او سوا دو سو بورڈر ہیں

(۲)، ایک عربی کا کالج ÷

(۳)، دینیات کا ایک سکول جس میں مذھبی پرچارک پیدا کیئے جاتے ہیں ÷

(۴)، ایک پُتری پاٹھ شالہ جس میں کافی تعداد لڑکیوں کی پڑھتی ہے ÷

(۵)، ایک ہسپتال جس میں ہزارہا مریض ہر سال آتے ہیں ÷

(٦)، کئی پرائمری سکول جو قادیان کے گرد و نواح میں جاری کئے گئے ہیں ÷

(۷)، پانچ اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ جن میں (۱)، الفضل احمدی گدی کا خاص سرکاری گزٹ ہے (۲) نور سکھوں اور عیسائیوں کے خلاف مضامین نکالتا رہتا ہے (۳) فاروق۔ آریوں اور محمدی مسلمانوں کے خلاف لکھتا رہتا ہے۔(۴) الحکم بھی آریوں کے خلاف لکھتا ہے (۵)، ریویو آف ریلیجنز ÷

(۸)، احمدیوں کو دنیوی فائدہ پہنچانے کے لئے ایک کوآپریٹو سٹور کھلا ہوا ہے جہاں سے ہر قسم کی چیزیں دستیاب ہوتی ہیں اور احمدیوں کو حکم ہے۔ کہ وہ کوئی چیز کسی غیر احمدی سے نہ خریدیں ÷

(۹)، احمدیوں کی اپنی کورٹ ہے۔ اور احمدیوں کا کوئی مقدمہ سرکاری عدالت میں نہیں جانے پاتا۔ ان معرکتہ الآراء امور کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ قادیان میں کل زمین کے مالک احمدی گدی کے نیتا (امام) ہیں۔ اور کسی غیر احمدی کی کوئی زمین نہیں۔ ان حالات کے اندر احمدی قادیان میں رہتے ہوئے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ یہ ہماری ریاست ہے (؏)، اور کسی غیر احمدی کا حق نہیں کہ وہ ہماری سلطنت میں

دخل اندازی کرے (۸۰)، یہ بات صداقت پر مبنی ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اتنے انسٹی ٹیوشن۔ اتنی ملکیت۔ اتنا رسوخ ہوتے ہوئے خواہ مخواہ ایک سلطنت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسپر بھی طرفہ یہ ہے کہ قادیان میں سب سے زیادہ آبادی احمدیوں کی ہے۔ الخ" ٭ (آریہ گزٹ ۱۹ ارمئی ۱۹۲۱ء)

اس کے بعد ہم ایک اور نہایت ہی معزز و ممتاز آریہ سماجی بزرگ کی رائے یا تاثرات درج کرتے ہیں۔ یہ مہاتما غالباً ۲۲ء میں قادیان تشریف لائے تھے۔ مگر انکی مندرجہ ذیل رائے جو کہ ان کے مشاہدہ پر مبنی ہے وہ ۳۳ء میں قلمبند کر کے اخبار پیغام صلح میں شائع کروائی تھی۔

شری مہاتما ہنس راج جی بی۔ اے کے تاثرات

"میری دیر سے یہ رائے رہی ہے۔۔۔۔۔ کہ احمدیہ جماعت بڑی زبردست کام کرنیوالی جماعت ہے۔ اس جماعت نے نہ صرف اسلام کی اشاعت میں بڑی بھاری مدد دی بلکہ مسلمانوں کی تنظیم میں بھی وہی کام کیا ہے جسکو آریہ سماج نے ہندوؤں کے اندر سرانجام دیا ہے۔ اس سوسائٹی کی مدد سے مسلمانوں کی مالی اور سوشل حالت کا سدھار ہوا۔ اپنے تبلیغی کام میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ہندوستان سے باہر اس کے مشن قائم ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اسکی خوش نصیبی سے اس کو چند ایسے سرگرم خدمتگذار ملے ہوئے ہیں جن کو دن رات اسلام کی ترقی کا خیال رہتا ہے۔ اس سوسائٹی کی مالی حالت بھی تسلی بخش ہے کیونکہ اس کے ممبر اپنی آمدنی کا مقررہ حصہ اپنے ایمان کی اشاعت کے لئے اپنی انجمن کو بھیج دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ احمدیہ انجمن کے مشن۔ جاوا۔ جرمنی۔ اور انگلستان میں اپنے جھنڈے گاڑے ہوئے ہیں۔ الخ"

اب ایک آزاد خیال تعلیم یافتہ مسلمان کے تاثرات بھی پڑھئے۔ یہ صاحب ۱۳ء میں

قادیان تشریف لائے۔ اور واپس جاکر وہ سب کچھ لکھ کر الفضل میں شائع کرنے کیلئے بھجوا دیا کہ جو انھوں نے قادیان میں اپنی آنکھوں دیکھا تھا +

مسٹر عبد القادر بی۔ اے جامعہ ملیہ کے تاثرات

"ایک عرصہ سے میں عزم صمیم کئے ہوئے تھا کہ قادیان جاؤں اور بچشم خود سلسلہ احمدیہ کے حالات کا مشاہدہ کر کے جماعت احمدیہ کی مذھبی حالت کا اندازہ کر سکوں۔ مجھے ایک ضرورت سے لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے میرے مکرم دوست جناب خیر الدین صاحب بی۔ اے بی ٹی نے بڑے خلوص سے مجھے دعوت دی۔ میں بھی موقعہ کا منتظر تھا۔ کچھ تو ذاتی ذوق اور کچھ اجابت دعوت کا خیال۔ غرضکہ میں قادیان روانہ ہو گیا۔ قبل اسکے کہ میں ناظرین کی خدمت میں وہاں کے **ولولۂ مذھبی اور جوش دینی کا صحیح فوٹو پیش** کروں۔ یہ بتا دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ میں ماحول سے متاثر ہو کر اور مولویوں کے بُرا بھلا کہنے سے جماعت احمدیہ سے کافی متنفر ہو چکا تھا۔ لیکن وہاں پہنچکر میرے **نفرت آمیز جذبات میں بہت کچھ کمی واقع ہو گئی**۔ سب سے پہلے مجھے انکی نماز عصر دیکھنے کا موقعہ ملا! ادھر مؤذن نے اذان کہی۔ اُدھر احباب نے تمام فرائض دنیوی اور دیگر کاروبار چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں جمع ہونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آدھ گھنٹہ میں سب نمازی جمع ہو گئے۔ اور مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ وقت معینہ پر ان کے خلیفہ صاحب تشریف لائے اور ان کی اقتداء میں نماز ادا ہوئی۔ فراغتِ صلوٰۃ کے بعد خیر الدین نے خلیفہ صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ آپ نہایت تواضع اور خوش خلقی سے پیش آئے۔ پھر آپ نے ہماری جامعہ ملیہ علیگڈھ (جہاں کا میں طالب علم ہوں) کی تعلیمی جد و جہد کے متعلق چند سوالات دریافت کئے۔ جن کا مَینے جواب دیا۔ اور انکو وہاں کی حالت سے آگاہ کیا بعد چند صاحبان نے آپ کی بیعت کی خواہش کا اظہار کیا۔ اور آپ نے اس طرح

بیعت لینی شروع کی۔ کہ ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور کلمہ توحید تین بار کہا۔ اور ان سے بھی کہلوایا۔ اسی طرح تین مرتبہ کلمۂ شہادت دہرایا۔ پھر آپ یہ الفاظ کہتے جاتے اور مبائعین ان کو دہراتے جاتے۔ ہم شرک نہیں کرینگے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانیں گے۔ تمام کبیرہ گناہوں سے حتی الامکان احتراز کریں گے۔ اسلامی احکام پر کاربند ہونے کی کوشش کرینگے۔ اور جس نیک کام کا آپ حکم دیں گے اسکی تعمیل کریں گے۔" اسکے بعد سب نے مل کر دعا فرمائی کہ اللہ تعالےٰ ان لوگوں کو دین میں استقامت بخشے۔ یہ ہے انکی بیعت لینے کا طریق۔ گو آخری شرط سے مجھے اتفاق نہیں۔ قارئین کرام! عصر کی نماز میں ان کا جوق در جوق جمع ہونا۔ اور جس نماز کی وقت کیلئے خاص تاکید ہو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انھیں جماعت سے نماز ادا کرنے کا کس قدر شوق ہے۔ اور وہ حافظوا علی الصلوٰۃ الوسطیٰ کے پورے عملی نمونے ثابت ہوتے ہیں۔ یہ تو نماز عصر کا حال ہے۔ اس سے باقی نمازوں کی پابندی اور ادائیگی جماعت کا اندازہ ناظرین بخوبی کر سکتے ہیں۔ اسکے بعد میاں صاحب (حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ) قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ جس میں احمدی صاحبان اسی ذوق و شوق سے حصّہ لیتے ہیں اور پروانہ وار جامع مسجد میں جمع ہو کر کلام پاک کے حقائق و معارف سے مستفید ہوتے ہیں۔ مجھے بھی ایک دن خلیفہ صاحب کے درس میں شرکت کا موقعہ ملا۔ آپ کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھتے اور ایک ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے جاتے ہیں۔ اسکے بعد ہر شام بعد نماز مغرب حدیث کا درس ہوتا ہے۔ اور یہ درس مہمان خانہ میں ہوتا ہے۔ یہاں بھی وہی جوش و خروش مترشح ہوتا ہے۔ انکی اخلاقی حالت قابل تعریف ہے۔ ان میں کا ہر شخص منکسر المزاج تواضع سے پیش آنے والا خوش خلق۔ اور حلیم الطبع ہے۔ جو صاحب ان کے ہاں بطور مہمان جائیں

انکی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ سب سے بڑی نمایاں خصوصیت جو اس جماعت کے افراد میں پائی گئی ہے وہ ان کا تبلیغی جذبہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ اسلام کا کام جس خوش اسلوبی سے احمدی بھائی انجام دے رہے ہیں۔ شائد ہی کوئی فرقہ اس فرض کو پورا کرتا ہو۔ ہر شخص کو مذہب کی واقفیت پیدا کرائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیان کے تانگے والے بھی مسافروں کو ساتھ ساتھ احمدیت کی تبلیغ کرتے جاتے ہیں۔" (الفضل ۲۱ جون ۲۳ء)

مولوی عبدالمجید صاحب قرشی ایڈیٹر اخبار تنظیم امرتسر کے تاثرات

یہ صاحب جو چند سالوں میں تحریک تنظیم۔ تحریک اصلاح مساجد۔ سیرت النبیؐ وغیرہ میں حصہ لینے کے باعث کافی نام پیدا کر چکے ہیں۔ جن دنوں پنجاب میں ۵۶ فیصدی حقوق کا غلغلہ بلند تھا تو یہ بھی اس سلسلہ میں قادیان آئے تھے اور یہاں آکر لیکچر بھی دیا تھا۔ اور اسکے بعد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بھی باریاب ہوئے۔ سلسلہ کے انسٹی ٹیوشنز اور نظام کا مشاہدہ کیا۔ دیگر احمدیوں سے بھی ملے۔ اور ضروری واقفیت بہم پہنچائی۔ اس کے بعد ۲۶ء میں اخبار تنظیم میں جماعت احمدیہ کے نظام اور اسکی فداکاری۔ جوش تبلیغی کے متعلق ایک مضمون لکھا ہر چند کہ یہ مضمون کوئی مخلصانہ مضمون نہیں۔ اس میں جابجا مخالفت کے مخفی اثرات نمایاں ہیں۔ مگر تاہم اسکے پڑھنے سے یہ امر دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو جائے گا کہ گذشتہ پچاس سال میں مسلمانانِ ہند میں جس قدر تحریکیں اُٹھیں اور فیل ہو گئیں مگر خدا کے مسیح نے جو تحریک چلائی وہ الٰہی وعدوں کے ماتحت کس طرح دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرتی ہوئی دوسروں کے لئے بھی مشعل ہدایت بن رہی ہے۔

آج سے چند روز پہلے "احمدیہ جماعت" مذہبی مجلسوں میں دل لگی اور مضحکہ و تفریح سے زیادہ اہم نہ تھی۔ لیکن اسوقت وہ ایک عظیم الشان امت ہے۔ اگرچہ اس کے افراد کی تعداد کم ہے۔ لیکن اسکے عمل و ایثار کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ جو کام پراگندہ حال مسلمانوں کے کروڑوں افراد نہیں کر سکتے۔ اسپر یہ منظم جماعت بسہولت قادر ہے۔ ہم سلسلہ احمدیہ کے کمزور پہلوؤں سے ناواقف نہیں ہیں۔ لیکن اسکے محاسن پر بھی اب بالکل پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔ مذہبی میدان میں جس قدر مسلمان جماعتیں احمدیوں کے مقابل آئیں۔ انکے پاس الفاظ منطقی دلائل اور غیر مادی خیالات کے سوا کوئی ہتھیار موجود نہ تھا۔ اور جب سے یہ دُنیا بنی ہے۔ یہاں جب کبھی عقائد اور اعمال کا مقابلہ ہوا ہے۔ میدان ہمیشہ "اعمال" کے نام پر فتح ہوتے رہے ہیں۔ احمدیہ جماعت کی کامیابی۔ اسکے عقائد کی صداقت کی وجہ سے نہیں (؟)، بلکہ اعمال کی صداقت کی وجہ سے ہے؟ اِس وقت ہندوستان میں صرف مسیحی نظامِ تبلیغ کو احمدیہ نظام تبلیغ کے بالمقابل کھڑا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جہاں تک ولولہ و جوش اور ایثار و فدائیت اور اطاعت و تنظیم کا تعلق ہے +

ہندوستانی عیسائیوں کی جماعت احمدیہ جماعت کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ "قادیانی جماعت" کا نظام ایک مضبوط سے مضبوط "گورنمنٹ نظام" کا مقابلہ کرسکتا ہے۔ اور اس کے ہر ایک شعبے میں اسی قدر باقاعدگی۔ ضابطہ داری۔ اور اصول پرستی۔ موجود ہے۔ جس قدر کسی منظم گورنمنٹ کے مختلف محکموں میں ہوا کرتی ہے۔ ہم اس جماعت کی تنظیمی حیثیت کے متعلق چند تازہ ترین واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ہمارے احناف "اہلحدیث اور شیعہ بزرگ" سبق حاصل کریں۔ اس مضمون کا تعلق عقائد نہیں بلکہ صرف "نظم جماعت" سے ہے +

بستی محمود آباد

یہ جرائم پیشہ اقوام کی ایک بستی ہے۔ جس میں ۱۸۲ مرد اور عورتیں آباد ہیں۔ گورنمنٹ نے ان لوگوں کو اس غرض کیلئے آباد کیا ہے۔ کہ وہ سرکاری زمینوں کی کاشت پر اپنا گذارہ کریں۔ اور احمدیہ واعظوں کی نگرانی میں مجرمانہ عادات ترک کرکے شہری اور مہذب زندگی کے اصول سیکھیں۔ اس بستی میں صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے تین معلم کام کر رہے ہیں۔ دو مرد اور ایک عورت۔ یہ حکومت سے تنخواہ پاتے ہیں۔ مگر ان کا تقرر انجمن احمدیہ کے ہاتھ میں ہے۔ اِس وقت تک اس بستی کے نو آدمی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اِسوقت ہندوستان میں جرائم پیشہ اقوام کی صدہا بستیاں موجود ہیں۔ بعض کی نگرانی عیسائیوں کے سپرد ہے بعض کی آریہ سماجی کے اور بعض کی اکالیوں کے۔ زمین اور مصارف آبادکاری پر روپیہ حکومت کا خرچ ہوتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کوئی حنفی۔ اہلحدیث۔ اور شیعہ انجمن بھی ایسی موجود ہے۔ جس نے جرائم پیشہ اقوام کی اصلاح کا کام اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہو؟ ٭

شفاخانہ نور قادیان

اِس وقت ہندوستان میں ہزاروں مشن ہسپتال موجود ہیں۔ جہاں ہر سال لاکھوں ہندو مسلمانوں کا مفت علاج کیا جاتا ہے۔ اور اِس "مفت علاج" کے راستہ سے عیسائیت کے لئے کروڑوں غیر متعصب سادہ لوح۔ حاجتمند اور مصیبت زدہ انسانوں کی ہمدردی حاصل کی جاتی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا مسلمان تبلیغی انجمن نے بھی تبلیغ و اشاعت اسلام کے لئے علاقہ ارتداد میں کوئی قابل ذکر ہسپتال قائم کیا۔ جو ہر قسم کے جدید آلات و سامان سے آراستہ ہو۔ اور جہاں دوستوں اور دشمنوں سے یکساں ہمدردی کی جاتی ہو۔ اِس قسم کے ہسپتال کا نمونہ قادیان

میں موجود ہے۔ اس ہسپتال کے لئے امسال اپریشن کے اوزار و بستروں کی چادریں۔ لوہے کی چارپائیوں اور ادویات کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ کیا ہماری بڑی بڑی تبلیغی انجمنوں کے لئے اس واقعہ میں کوئی درس عبرت موجود نہیں؟

صیغہ طبع و اشاعت

صدر انجمن احمدیہ قادیان نے اپنے منتشر اخبارات اور رسائل کو ایک مرکز سے وابستہ کر کے "صیغہ طبع و اشاعت" کے نام سے ایک مستقل محکمہ قائم کر دیا ہے۔ جو اس وقت سات اردو۔ انگریزی اخبارات کی اشاعت۔ طباعت اور دیگر ضروری امور کا انتظام کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بھی اکثر "پروپیگنڈا آفس" اور "پبلسٹی بورڈ" قائم ہوتے ہیں۔ ع

مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

حال ہی میں اس محکمہ کی طرف سے ایک عورتوں کا رسالہ شائع ہوا ہے جس کا مقصد عورتوں کی تنظیم اور عورتوں کے ذریعے عورتوں میں بیداری پیدا کرنا ہے "ریویو آف ریلیجنز" ایک انگریزی رسالہ لنڈن سے چھپتا ہے۔ حال ہی میں شیخ یعقوب علی صاحب نے اس کے لئے ایک سو والنٹیروں کے لئے اپیل کی ہے کہ ان میں سے ہر والنٹیر۔ ہندو سکھ۔ عیسائی تاجروں۔ ڈاکٹروں۔ زمینداروں اور وکیلوں میں سے ایک سو خریدار بہم پہنچائے۔

لجنہ اماء اللہ

مسیحی نظام تبلیغ میں عورتوں کا درجہ مردوں سے کم نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی شمولیت کے بغیر مردوں کا کوئی کام مکمل بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر تحریک ترکِ موالات میں ہندوستانی عورتیں مردوں کا ساتھ دیتیں تو آج ملک کی حالت دگرگوں نہ ہوتی لیکن اگر سیاسی کاموں میں آپ عورتوں کی شمولیت کے قائل نہ بھی ہوں۔ تو کم از کم تعمیر و اصلاح کے متعلق تو آپ کو ضرور یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ اس کام کا اگر سو فیصدی نہیں تو ۹۵ فیصدی

حصہ عورتوں کے متعلق ہے۔ آئندہ نسلوں کی اصلاح۔ اخلاق۔ مذہب۔ جسمانیت اور تعلیم کا مسئلہ سو فیصدی عورتوں کی روشن خیالی پر منحصر ہے۔ اگر بہتر اخلاق اور بہتر جسم کے انسان پیدا کرنے کی تحریک میں عورتیں مردوں کا ساتھ نہ دیں۔ تو کوئی نتیجہ خیز کام نہیں ہو سکتا۔ "لجنہ اماء اللہ قادیان" احمدیہ خواتین کی انجمن کا نام ہے۔ اس انجمن کے ماتحت ہر جگہ عورتوں کی اصلاحی مجالس قائم کی گئی ہیں۔ اور اس طرح ہر وہ تحریک جو مردوں کی طرف سے اُٹھتی ہے۔ خواتین کی تائید سے کامیاب بنائی جاتی ہے۔ اس انجمن نے تمام احمدیہ خواتین کو سلسلے کے مقاصد کے ساتھ عملی طور پر وابستہ کر دیا ہے۔ عورتوں کا ایمان مردوں کی نسبت زیادہ مخلص اور مربوط ہوتا ہے عورتیں مذہبی جوش کو مردوں کی نسبت زیادہ محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ "لجنہ اماء اللہ" کی جسقدر کارگزاریاں اخبارات میں چھپ رہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ احمدیوں کی آئندہ نسلیں موجودہ کی نسبت زیادہ مضبوط اور پُرجوش ہوں گی اور احمدیہ عورتیں اس جمن کو تازہ دم رکھینگی۔ جس کا مرورِ زمانہ کے باعث اپنی قدرتی شادابی اور سرسبزی سے محروم ہونا لازمی تھا۔ کیا غیر احمدی مسلمانوں نے بھی اپنی خواتین کی تنظیم کے لئے کوئی ایسا قدم اٹھایا؟

نظارت بہشتی مقبرہ

مذہبی طور پر "بہشتی مقبرہ" کی تحریک کو "اوہام پرستی" (؟) سے زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ لیکن جب "فراہمی سرمایہ" کے اعتبار سے اس تحریک کے پردے میں سونے اور چاندی کے دریا بہہ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اکالی قوم نے اصلاح اوقاف کے سلسلے میں لاکھوں اور کروڑوں کی جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن "بہشتی مقبرہ کی تحریک" سرمایہ کے اعتبار سے سکھوں کی گوردوارہ تحریک سے بھی بہت زیادہ اہم ثابت ہو رہی ہے۔ قادیان میں نظارت بہشتی مقبرہ کا ایک مستقل محکمہ ہے جس کے ماتحت ہر ایک احمدی آبادی میں شاخیں قائم کی گئی ہیں۔ ماتحت شاخوں کا

فرض ہے کہ وہ احمدیوں کو تلقین کرتے رہیں کہ وہ اپنی جائیداد کا یا کل آمدنی اور کل جائیداد کا دسواں حصّہ باقاعدہ "صدر انجمن احمدیہ قادیان" کے نام وصیت کریں۔ اس قسم کے وصیت کرنے والے احباب کو قبرستان "بہشتی مقبرہ" میں دفن ہونے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس وقت تک سوا دو ہزار کے قریب مرد اور عورتیں اپنے مکانات۔ زمین۔ زیورات اور موجودہ آمدنی کا دسواں۔ آٹھواں اور پانچواں حصّہ صدر انجمن احمدیہ کے نام وصیت کر چکے ہیں جسکی آمدنی وصیت کرنے والوں کے انتقال کے بعد اشاعتِ اسلام میں خرچ ہوگی۔ ..... یہ تحریک روز بروز وسعت و اہمیت حاصل کر رہی ہے۔ اگر آیندہ چند سال میں ۵۰ ہزار یا ایک لاکھ آدمیوں نے اپنی جائیداد اور آمدنی کے آٹھویں یا دسویں حصّے صدر انجمن احمدیہ کے نام وصیّت کر دیئے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ "صدر انجمن احمدیہ" کی آمدنی کئی لاکھ روپیہ ماہوار تک پہنچ جائے گی۔ اس قدر وسیع اور عظیم جائیداد کا سنبھالنا اگرچہ ایک نہایت ہی مشکل کام ہے لیکن ناممکن نہیں ہے۔ نظام کی پختگی اور قواعد کی پابندی کے باعث "انگریز" سلطنت ہندوستان کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس وقت جس طریق پر "احمدیہ جماعت" اپنی تحریک کو آگے بڑھا رہی ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس جائیداد کے تسلط۔ تصرف اور انتظام پر بھی قادر ہوگی ؞

سالانہ جلسہ مختلف تحریکات کی عظمت اُن کے سالانہ اجتماعات پر منحصر ہے قادیان کے سالانہ جلسہ کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس سال جلسے کی مہمان داری۔ پنڈال۔ فرش فروش وغیرہ پر کم وبیش ۲۰ ہزار روپیہ خرچ آئے گا۔ ۱۵ دسمبر تک "جلسہ فنڈ" میں سات ہزار نقد جمع ہو چکا تھا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ گھی۔ آٹا۔ دال۔ چاول وغیرہ سامان رسد کس قدر جمع ہوا ہے۔ سالانہ جلسہ میں کوئی چندہ جمع نہیں کیا جاتا۔ اس لئے کہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ہر ایک احمدی

کی آمدنی میں اسکے اہل و عیال کی طرح برابر کی شریک ہے۔ اور غالباً ہر ایک احمدی کو ہر مہینے اپنی آمدنی میں سے ایک مقررہ رقم انجمن کو لازمی طور پر بھیجنی پڑتی ہے ؞

احمدیہ بک ڈپو سلسلہ احمدیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ مرزا غلام احمد صاحب کی تصنیفات کی مانگ بھی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ چونکہ آپکی اکثر کتابیں ختم ہو چکی ہیں۔ اسلئے انھیں دوبارہ چھپوانے کے لئے ایک خاص فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ابتدا ہی میں ۲۳-۲۴ ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ ۲۱ دسمبر کے الفضل میں منیجر بک ڈپو نے اس فنڈ کی ترقی کے لئے اپیل کی ہے ؞

مسجد فضل فنڈ احمدیہ جماعت کے استعداد۔ عمل اور قوت و قابلیت کا اصل اندازہ مسجد الفضل لنڈن کی تعمیر و تکمیل کے کام سے لگایا جا سکتا ہے سرزمین انگلستان میں یہ پہلی مسجد ہے۔ جو مسلمانوں کے روپے سے پایۂ تکمیل تک پہنچی ہے۔ تعمیر مسجد کی تحریک ۱۰ جنوری ۱۹۲۰ء میں امیر جماعت احمدیہ نے کی۔ اس سے زیادہ مستعدی۔ اس سے زیادہ ایثار اور اس سے زیادہ "سمع و طاعت" کا "اسوہ حسنہ" اور کیا ہو سکتا ہے کہ ۱۰ جون تک ساڑھے اٹھتر ہزار روپیہ نقد اس کار خیر کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ کیا یہ واقعہ نظم و ضبط امت اور ایثار و فدویت امر کی حیرت انگیز مثال نہیں ؞

درس عبرت یہ صرف چند اشارے ہیں۔ جماعت احمدیہ اس وقت جو کچھ کر رہی ہے یا آیندہ کرے گی۔ ہر ایک منظم جماعت وہی کچھ بلکہ کچھ اس سے زیادہ کر کے دکھلا سکتی ہے۔ مسلمانوں نے قرون اولیٰ میں جس قدر کارنامے سرانجام دیئے اُن کی پُشت پر تنظیم و جماعت کی الٰہی قوت کارفرما تھی۔ عظمت و وقار کا حقیقی راز "ید اللہ فوق الجماعۃ" کے فرمانِ نبوی میں مضمر تھا۔ افسوس کہ آج "حق پرست" مسلمان اس "درس عظیم" کو فراموش کر رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ

مسلمان احمدیہ جماعت کی مثال سے عبرت اندوز ہوں ؎ "

(اخبار تنظیم امرتسر ۲۸ دسمبر ۲۶ء ص ۵-۶)

جناب محمد اعظم صاحب پریذیڈنٹ انجمن اسلامیہ ہزارہ کے تاثرات

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ کی اکثر تصانیف خاصکر براہین احمدیہ۔ اور آئینہ کمالات اسلام حقیقۃ الوحی اور برکات الدعاء وغیرہ میرے مطالعہ سے گذریں۔ اور حضرت موصوف کے متعلق جو شکوک میرے دل میں تھے۔ وہ دُور ہو گئے۔ عرصہ سے میرے دل میں یہ خیال تھا۔ کہ ہماری قوم جو اس وقت نفاق اور تعصب کی عینک لگائے ہوئے ہے اسکی خدمت میں اپنے ناچیز خیالات پیش کروں۔ موجودہ زمانہ عیاریوں اور حکمت عملیوں کا زمانہ ہے۔ اور سیاست کی طرح مذہب میں حکمت عملی کا دور دورہ ہے اور اخبار نویس حضرات کا یہ قاعدہ ہے۔ کہ قادیانی طبقہ کے لوگ اگر نیک سے نیک کام بھی کریں۔ جو قوم کے فائدہ کے لئے ہو۔ تو بھی سیاہ دل لوگ یہی کہتے نظر آئینگے۔ کہ قادیانیوں کی اس میں ذاتی اغراض تھیں۔ اور ان کے متعلق غلط بیانی سے کام لے کر پبلک کو غلط فہمی میں مبتلا کر دینگے۔ اس سے میری ہرگز ہرگز یہ مراد نہیں کہ اپنی قوم پر حرف لاؤں۔ بلکہ دکھانا یہ ہے۔ کہ خالص دودھ میں پانی کس قدر ہے۔ ہماری قوم میں بعض افراد ایسے بھی موجود ہیں جو حق کو حق خیال کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ بھی اس قدر ضعیف خیال واقع ہوئے ہیں۔ کہ دل کے خیالات کو زبان پر لانا قوم میں غیر ہر دلعزیزی سمجھتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ پیشتر اسکے کہ میں اظہار خیالات

؎ مگر یہ تو جبھی ممکن ہے کہ وہ بھی احمدیوں کی طرح خدا کے بنائے ہوئے امام کے زیر سایہ آجائیں تاکہ ان میں بھی احمدیوں کیطرح خلوص عقیدت۔ شعاری و فدائیت اور قربانی کی فقید النظیر شان پیدا ہو سکے۔ مؤلف

کروں۔ اپنے آپ کو ناظرین سے انٹرڈیوس کرادوں۔ میرا نام محمد اعظم ہے۔ قوم کا جہمتد ہوں۔ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی۔ میں رنیجر رہ چکا ہوں۔ ایام ہجرت میں کہ جب وقت خلافت کی لہر موجزن تھی۔ بموجب فتوٰی علمائے کرام نوکری سے استعفاء دیا۔ اس وقت انجمن اسلامیہ ہزارہ کا پریذیڈنٹ یعنی خادم اسلام ہوں۔ حنفی مذہب ہوں۔ ابھی تک مرزا صاحب کی بیعت نہیں کی۔ مگر پھر بھی قادیانیوں کے موجودہ طرز عمل کی تعریف کرنے والا اور اسلام کی خاطر جو سینہ سپر ہوکر میدان میں آئے ہیں۔ ان کا مدّاح ہوں۔ پیشتر اسکے صرف خیال تھا۔ کہ قوم کی خدمت میں اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کروں گا۔ مگر اب خیال کو ارادہ کی صورت میں اس واسطے بدل رہا ہوں۔ کہ اخبار نویس حضرات کے روزمرہ کے مغالطہ آمیز بیانات نے مجھ کو انکشاف حقیقت کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ ؎

تم کو خو ہو گئی بُرائی کی   درگذر کیجئے بھلا کب تک

لیجئے خادم اسلام قاضی محمد اعظم اب سردار اعظم جیسا دل لے کر آپ کے سامنے آتا ہے۔ ۲ ماہ حال کے اخبار "زمیندار" میں میرے مطالعہ میں آیا۔ کہ حضرت قبلہ حضور والا شان مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب فرزند حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا لیکچر لاہور بریڈلا ہال میں ہوگا۔ عرصہ سے اشتیاق تھا۔ کہ صاحب موصوف کا نیاز حاصل کروں۔ مگر بوجہ دنیاوی کاروبار پورا نہ ہوسکا۔ سو اس موقعہ کو غنیمت جانکر اپنے دوست میر ولی اللہ صاحب وکیل کی خدمت میں برائے مشورہ گیا۔ میر صاحب موصوف قادیانی سلسلہ کے دوست نہیں۔ مگر قدرشناس اور قدردان ضرور ہیں میر صاحب کو لاہور جانے کی دعوت دی۔ اور اتفاقیہ وہاں سے عزیز شیخ محمد رفیق سیول ناظر۔ راجہ محمد صادق خان وکیل۔ چوہدری محمد علی صاحب۔ مسٹر جے دیو بیرسٹر۔ یہ تمام حضرات کسی مجسٹریٹ دوست کی شادی پر لاہور جارہے تھے۔ رفیق سفر ہوئے۔ اور

رات کو تمام حضرات بھی بریڈلا ہال میں لیکچر سننے کے واسطے تشریف لائے۔ میں جانتا ہوں۔ میں اصل کلام سے دُور چلا آیا۔ تاہم اس موقعہ پر جناب والاشان نواب زادہ ارباب محمد عباس خان صاحب مجسٹریٹ ایبٹ آباد کا شکریہ ادا کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انکی عدالت میں میر ولی اللہ صاحب کی کسی مقدمہ میں پیشی تھی۔ مگر صاحب موصوف نے لیکچر سننے سے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے اجازت دے دی ؛

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جن کے انتظار میں آنکھیں بے تاب تھیں وقت مقرر پر تشریف لائے۔ اور چشم مہجور کو مسرور فرمانے لگے۔ ایک نہایت قابل قدر اور برجستہ تقریر موجودہ واقعات پر کی جسکی دشمن بھی داد دینے لگے دل میں اسلامی درد رکھنے والے حضرت نے اس خوش اسلوبی سے تقریر کی۔ کہ سامعین پر وجد طاری ہوگیا۔ مسٹر جے دیو بیرسٹر نے بے ساختہ کہا۔ مجھ پر اس تقریر کا جتنا اثر ہؤا ہے۔ کبھی کسی تقریر کا نہیں ہؤا ۔ رائے صاحب نند رام اکثر تعریف کرتے تھے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نہایت اچھے بولنے والے ہیں۔ اور انکی تقریر کا ہر ایک شخص پر اثر ہوتا ہے۔ سو وہ بچشم خود دیکھا۔ اب میں ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ التماس کرتا ہوں۔ جو مرزا صاحب کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ کہ اصل حقیقت معلوم کرنے کا طریق صرف یہی ہے کہ مرزا صاحب کی تصانیف کا مطالعہ کریں ؛ (الفضل ۵ مارچ ۲۷ء)

اسکے بعد مولانا محمد علی صاحب ایم اے کامریڈ کے تاثرات درج کیئے جاتے ہیں۔ یہ تاثرات اس وقت کے ہیں جبکہ آپ کو ہمارے امام و مطاع حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو ۲۷ء میں یونٹی کانفرنس میں اسلامی مفاد کی خاطر حصہ لیتے دیکھا۔ اور اسکے علاوہ دوسرے موقعوں پر بھی حضور اور اور آپکے متبعین کے رنگ ڈھنگ اور جذبہ ملی و ولولہ قومی کے دیکھنے کا

موقعہ ملا۔ اس کے بعد دہلی جاکر اپنے اخبار ہمدرد میں بایں الفاظ اپنے تاثرات شائع فرمائے :۔

مولٰنا محمد علی صاحب کامریڈ ایم۔ اے کے تاثرات

"ناشکر گذاری ہوگی۔ کہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب اور انکی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت تک اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کی تنظیم و تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرز عمل سواد اعظم اسلام کے لیئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعل راہ ثابت ہوگا۔"

(اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

اس کے بعد ہم ایک متلاشیٔ حق، پُرجوش مسلمان چوہدری محمد ابراہیم صاحب فیروزپوری کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ یہ صاحب مختلف اسلامی اداروں میں ذمہ داری کے کام کرتے رہے ہے۔ آخر ایک احمدی کی تحریک پر ۱۹۲۷ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان بھی تفتیش حال کے لئے تشریف لائے۔ یہاں آکر جو کچھ انہوں نے دیکھا، وہ انہی کے لفظوں میں پڑھا جائے۔ تو زیادہ مناسب ہوگا اور جس طرح انہوں نے یہاں آکر تفتیش حال کیا۔ اسی طرح ہمارے دوسرے بھائی بھی وقت نکالکر قادیان آئیں اور خود اپنی آنکھوں سے یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھیں۔ تاکہ انہیں پتہ لگ جائے۔ کہ خدا کا مسیح اسلام اور اہل اسلام کے لئے کسقدر خیر و برکت لے کر آیا تھا ؛

چوہدری محمد ابراہیم صاحب فیروز پوری کے تاثرات

قادیان آنے کی وجہ میں قادیان گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ میں احمدیت کے نظارہ کو اپنی آنکھوں دیکھوں۔ ان کے عقائد، اور ان کے عام خیالات کا اچھی طرح سے میں عینی مشاہدہ کروں۔ اور جو جو الزامات اس جماعت پر لگائے جا رہے ہیں، ان کو بچشم خود معائنہ کرتے ہوئے ان کی تردید یا تائید کروں۔ پھر حضرت امام سلسلہ احمدیہ کی زیارت کروں۔ اور دیکھوں کہ جن فرائض پسندیدہ، و اوصاف حمیدہ کا ایک خلیفہ کو مزین ہونا چاہیئے۔ وہ ان میں ہیں یا نہیں۔ عام احمدی صاحبان کی اخلاقی کیفیت معلوم کروں۔

حضرات! یہ تھیں وہ وجوہات جنہوں نے میرے دل پر جبر کیا اور میں قادیان تک پہنچ گیا۔ چونکہ میں فیروزپور سے بغیر کسی کو اطلاع کئے گیا تھا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قادیان کدھر ہے۔ اور مجھے بحیثیت ایک غیر احمدی کس کے ہاں ٹھہرنا ہے۔ اور چونکہ میرے دل میں یہ خیال پہلے ہی سے دیرینہ پختگی اختیار کئے ہوئے تھا۔ کہ میری رہائش وغیرہ کا انتظام احمدی نہیں کریں گے۔ ہاں اپنے آپکو احمدی ظاہر کرتے ہوئے بہت کچھ آرام کی توقع تھی۔ مگر مجھے یہ بھی منظور نہ تھا۔ کہ میں جھوٹ بولوں اور اپنے آپ کو خواہ مخواہ احمدی ظاہر کروں۔ تحقیق و تجربہ کا مزا تو جب ہی ہے جب انسان اپنے آپکو مخالف ظاہر کرے۔ اور پھر دیکھے کہ مخالف پارٹی اس کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتی ہے۔

قادیان پہنچنا غرض فیروزپور سے چلکر قادیان پہنچا۔ چونکہ رات کا وقت تھا۔ میں دریافت کرتا ہوا مہمان خانہ تک پہنچ گیا۔ اور مفتی علی محمد صاحب فیروزپوری سے

ملا۔ انہوں نے اس رقعہ کو دیکھتے ہی کہ جو مرزا ناصر علی صاحب پلیڈر نے مجھے
اُن کے نام دیا تھا۔ میری رہائش کا بند وبست کر دیا۔ جیسا میں پہلے عرض
کر آیا ہوں۔ مجھے رہائش سے یا خوراک سے تعلق نہ تھا۔ میں تو جلسہ کی کارروائی
اور احمدی صاحبان کے اخلاق دیکھنا چاہتا تھا۔ بستر رکھکر باہر آیا۔ اور دیکھا کہ
اگرچہ رات کا زیادہ حصہ گذر چکا ہے۔ مگر وہ بازار جو احمدی بازار کہلاتا ہے۔ ایک
بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ اور عجیب چہل پہل ہے۔ خصوصاً فخرالدین صاحب ملتانی کی
دوکان جہاں سلسلۂ احمدیہ کی ہر قسم کی کتب موجود تھیں۔ نمائش گاہ بنی ہوئی
تھی۔ میں بھی اس دُکان میں چلا گیا۔ یہ گویا میرے تجربات عینی کی پہلی منزل تھی
جہاں میں نے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ چونکہ اس دوکان میں ہر درجہ کے لوگوں
کا جم غفیر ہر وقت رہتا۔ اس لئے ہر اخلاق، ہر علم اور ہر کیفیت کا شخص اس
دکان پر نظر آیا۔ میں بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ اور ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھنے
لگا۔ اسی حالت میں رات کے ساڑھے دس بج گئے۔ چونکہ رستہ کی تکان
سے کسلمندی ہو رہی تھی۔ مہمان خانہ میں آکر سو رہا۔

نماز کا نظارہ صبح نماز کے لئے اُٹھا، تو دیکھا۔ احمدی بچہ بچہ نماز میں شریک
ہے۔ اور ایک شان سی نظر آتی ہے۔ میں خود تو ایک دُوسری مسجد میں چلا گیا۔
جو غیر احمدی صاحبان کی تھی۔ اور وہیں جاکر نماز پڑھی۔ مگر اس نماز کا نظارہ میرے
دل میں گدگدیاں ضرور لیتا رہا۔ کہ جس کے امام کی صدائے اللہ اکبر مسجد مبارک
سے نکلکر تمام قادیان میں چھا جاتی تھی۔ کئی ہزار کا مجمع اور سب نمازی۔ پھر
گلی اور کوچوں تک میں جماعت بندی۔ ایک عجیب سماں پیدا کرتی تھی۔ کیا کوئی نئی
بات یا نیا ڈھنگ یا کوئی نرالی طرز نماز کی۔ جیسا ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ان لوگوں
کی نمازوں میں بھی فرق ہوتا ہے۔ نظر آئی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ وہی نماز جو

عام مسلمان پڑھتے ہیں۔ اور حالتِ کیف اگر خدا لگتی دریافت کرو گے۔ تو میں یہی کہونگا۔ کہ ہر قیام، رکوع اور سجدے میں کچھ زیادہ ہی دل خوش کن پائی کیفیات نماز میں میں نے دیکھا۔ ہر سجدہ میں اور آخری رکعت کے رکوع کے بعد احمدی اصحاب بہت زیادہ دیر تک دُعائیں کرتے ہیں۔ روتے ہیں۔ گڑگڑاتے ہیں۔ اور خشوع و خضوع کی عاجزانہ ادا کو جیسا خداوند تعالیٰ کے حضور میں ہونی چاہیئے، پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ مجھے اس وقت نہایت ہی لطف آیا۔ جب آخری رکعت میں رَبَّنا لكَ الحمد کہنے کے بعد ہاتھ چھوڑ کر دربار احدیت میں ایک لمبے عرصہ تک کھڑے رہ کر عاجزانہ دُعائیں مانگتے ہیں۔

ایک احمدی دُکاندار سے گفت گو۔

نماز کے اس نظارہ سے دل ہی دل میں مزا لیتا ہوا چاء پینے کی غرض سے شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی کی دکان پر چلا گیا اور سلام علیک کے بعد کہا۔ اور جان بوجھکر کہا۔ حضرت میں ایک غیر احمدی ہوں مسئلہ نبوت میں سخت اختلاف رکھتا ہوں۔ اور مرزا صاحب کو نبی نہیں مانتا۔ مجھے چاء چاہیئے۔ آپ ہنس پڑے۔ اور نہایت پُر تپاک لہجہ میں مجھ سے کہنے لگے کہ آپ آئیں شوق سے چاء پیجئے۔ دکان آپ کی ہے۔ آپ تشریف رکھیئے مجھ سی علاوہ چاء وغیرہ پیش کرنے کے اگر ہو سکا۔ تو کچھ روحانی غذا بھی پیش کرونگا۔ میں نے اسی اکھڑپن سے کہا۔ مجھے رُوحانی غذا نہیں چاہیئے۔ ایسی غذا جو آپ مجھے پیش کریں گے۔ میں زہر ہلاہل کے برابر سمجھتا ہوں۔ کہاں محمد رسول اللہ صلعم اور کہاں جناب مرزا صاحب۔ پھر اسپر دعویٰ نبوت اور وہ بھی محمد رسول اللہ خاتم النبیین ؐ کے کے بعد۔ غرض میں نے جسقدر بد دماغی اور اکھڑپن برتنا تھا برتا۔ مگر آپ نے ان تمام باتوں کا جواب نہایت خندہ پیشانی سے متین لہجہ میں دیا۔ اور کہا پہلے آپ چاء پی لیں۔ پھر میں آپ سے کچھ عرض کرونگا۔ خیر میں نے چاء پی۔ وہ حضرت مرزا صاحب کے

حالات سُناتے رہے۔ اگرچہ میں دل ہی دل میں خوش ہوتا رہا۔ مگر بظاہر چہرہ کو ایسا بنائے رہا۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ ان باتوں کو خوشی سے نہیں سُن رہا۔ بہرصورت مجھے آپکی صحبت سے بہت کچھ لطف حاصل ہوُا۔ مَیں نے دو راتیں انہی کی دکان میں گذاریں۔ اس عرصہ میں مجھے بہت سے احمدی اصحاب سے ملنے اور تبادلۂ خیالات کا اتفاق ہوُا۔ جن کے اخلاق سے مَیں بیحد متاثر ہوُا۔ مولوی اللہ دتا صاحب جالندہری کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے ختم نبوت پر مجھ سے تبادلۂ خیالات مہمان خانہ میں ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے کیا۔

احمدیوں کے اخلاق

تبادلۂ خیالات کے تمام اوقات میں صرف مَیں ہی ایک غیر احمدی تھا۔ اور وہاں عام مجمع احمدی صاحبان کا تھا۔ مگر کوئی ایسا ناگوار واقعہ جیساکہ اگر ایک احمدی اتنے بڑے مجمع غیر احمدیان میں پھنس جائے۔ تو بیچارے پر عجیب استہزاء اور مذاق کی بوچھاڑیں ڈالی جاتی ہیں۔ میرے متعلق ہرگز ہرگز پیش نہیں آیا۔ بلکہ مَیں تو ہر اس شخص کا جو بھی مجھ سے ملتا تھا۔ اور بے تابانہ پُوچھتا تھا کہ کیوں جناب آپکی کچھ تسلی ہوئی کہ نہیں۔ مشکور ہوں۔ حالانکہ اس سوال پر ذمہ دار اصحاب جو اکثر مجھے اپنی خاطر و مدارات سے مرہون منّت بنائے ہوئے تھے استفسار کنندوں کو یہی جواب دیتے۔ کہ تمہیں کیا پڑی ہے۔ ہر شخص کو اپنی طبیعت کا اختیار ہے۔ تم میں اگر طاقت ہے۔ تو تم اپنی علمیت اور دلائل و براہین سے انہیں اپنے سلسلہ کا گرویدہ کرو۔

حضرت امام صاحب سے ملاقات

اب میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی ملاقات کے متعلق کچھ عرض کرونگا۔ اس ملاقات کا فخر مجھے تقریر کے دُوسرے دن ہی نصیب ہوُا۔ مَیں نے جن نظروں سے حضرت صاحب پر نظر ڈالی۔ وہ ایک معتقدانہ نظر نہ تھی۔ بلکہ یہ وہ نظر تھی جو ایک متلاشئ حق تحقیق کی غرض سے اس شخص پر ڈالتا

ہے۔ جس کو کسی قسم کا دعویٰ ہو۔ چونکہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کو اس امر کا دعویٰ ہے کہ آپ مسیح موعودؑ کے خلیفہ ہیں۔ اور اُمّت محمدؐیہ میں ہر ممکن رُوحانی ایجاد کی کلوں پر کہ جن پر زنگ لگ گیا ہے۔ صیقل کرنے کو آئے ہیں۔ مَیں خود ان کے طرز عمل و اخلاق کو ان نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ آیا وہ شان وہ اخلاق وہ رُوحانیت وہ طرز گفتگو و ملاقات وہ اخوت و ہمدردی وہ مساوات کہ جو ایک مصلح ملّت میں ہونی چاہیئے۔ آپ میں بھی ہے یا نہیں۔ ناظرین! خدا کو جان دینی ہے۔ مَیں اس وقت کیا عرض کر رہا ہوں۔ اور کس کا ذکر کر رہا ہوں۔ بے ساختہ زبان سے ادا ہوتا ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا ٭ دہانِ نطق نے بوسے مری زباں کیلئے

حضرت امام جماعت احمدؐیہ کی تقریر۔ جس وقت مَیں نے حضرت خلیفۃ المسیح کو سٹیج پر تقریر کرتے سُنا تو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک بحرِ ذخار ہے کہ جس میں سے موتی و گوہر اُبل اُبل کر نکل رہے تھے۔ جناب کی تقریر دلپذیر کچھ ایسی مضبوط اور جامع تھی کہ اس کا ہر پہلو ایک بڑے سے بڑے پُر مغز لیکچرار کو بھی گوئیں جھکا رہا تھا۔ صاف اور سادی اتنی کہ ہر جاہل اور پُر مغز اس سے مستفید ہو رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دورانِ تقریر میں احمدؐی محمدؐ رسول اللہ صلعم کا ذکر کم لیکن مرزا صاحب کا ذکر بہت کرتے ہیں۔ مگر اس کے خلیفہ کی یہ حالت تھی۔ کہ جہاں نبی کریمؐ کا نام پاک آتا وہ مجسمہ رقّت بنجاتا۔ اور جہاں حضرت مرزا صاحب۔ کا نام اپنا ہوتا۔ تو وہاں رسول کریم صلعم کے غلام سے موسوم کیا جاتا۔ تقریریں قصہ کہانیاں نہیں۔ بلکہ وہ مفید عالم باتیں کہ جنپر واقعی آج اسلام کی زندگی و موت کا سوال ہے۔ پھر معارف قرآن وہ کہ جن سے رُوح زندہ ہو۔ مَیں کیا میری زبان کیا جو آپ کی تقریر پر ریویو کر سکوں۔ معتقدانہ چند الفاظ تھے کہ جو بغیر کہے نہیں رہ سکتا اور کہدیئے۔ پھر استقامت کا یہ عالم کہ ڈھائی بجے سے جو تقریر شروع کی تو متواتر

کسی رکاوٹ کے اور بغیر کسی رُوحانی یا جسمانی تھکان کے رات کے آٹھ بجا دیئے
ممکن ہے کوئی کہے۔ صاحب یہ کونسی عجیب بات ہے کہ چھ گھنٹے متواتر تقریر کی۔
سیاسی لیڈر تو آٹھ آٹھ گھنٹے کھڑے بولتے رہتے ہیں۔ اجی حضرت کہاں
سیاست دنیوی اور کہاں معارف قرآنی، زمین و آسمان کا مقابلہ۔ بھلا کسی
لیڈر سیاست کو ذرا کہیئے تو کہ وہ سورہ فاتحہ کے معارف بیس منٹ ہی بیان
کرے۔ کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ معارف قرآن ہوں، قوم کی ترقی
کے اسباب ہوں۔ وہ بھی قرآن کریم سے اور احادیث نبویؐ سے۔ پھر
اسپر یہی نہیں کہ کہدیا۔ بھئی رسُول کریمؐ ایسا کرتے تھے۔ تم بھی ایسا ہی کیا کرو
بلکہ سب سے پیشتر تو اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلعم بعد میں اس امر کا دعویٰ
کہ وہ ہمیشہ اس معاملہ میں کاربند ہے اور پھر اس کی دلیل کہ آپؐ کے اُسوہ
سے ہی راہ نجات دینی اور دنیوی وابستہ ہے۔ پھر نہ صرف یہ دعویٰ قرآنی
کہ قرآن کا حکم ہے، اس لئے مانو۔ بلکہ یہ ثابت کر دینا۔ کہ جو کچھ فیصلہ قرآن نے
کیا ہے۔ وہ دنیا کا دوسرا مذہب ہرگز ہرگز نہیں کرتا۔ اور اگر کوئی دوسرا
مذہب کرتا ہے۔ تو اسکے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں۔

یہ کیفیت رُوحانی تھی جو مَیں نے آنجناب کی تقریریں دیکھی۔ نہ صرف
ایک دن بلکہ دونوں دن۔ اور میں تعجب کرتا تھا۔ کہ یہ کیسا زبردست انسان
ہے۔ جو باوجود نہایت کمزور، خستہ ہونے کے وہ طاقت اپنے اندر رکھتا
ہے جو بڑے بڑے جسیم مقرر اس کے مقابلہ میں شمہ برابر بھی نہیں
رکھتے۔ مَیں نے آپ کی تقریر کے ہر پہلو کو غور سے سُنا اور جانچا۔ تو صرف
یہی معلوم ہوا کہ ساری تقریر مفاد اسلام کے متعلق تھی۔"

جماعت احمدیہ کی اطاعت امام

مَیں نے ایک اور بات جسے غور کیساتھ دیکھا۔

وہ یہ تھی۔ کہ سارا گروہ، سارا سلسلہ، سارا ہجوم، سارا انبوہ اس پاک نفس خلیفہ کی ایک چھوٹی انگلی کے اشارہ پر چل رہا ہے۔ ہر شخص سر تسلیم خم کرتا ہوا۔ اور اپنے امام کی محبت میں رنگین ہوتا ہوا نظر آرہا ہے۔ جہاں دیکھو خلیفہ کی محبت و ایثار نفسی کا چرچا۔ آج اگر ہم اپنی تنظیم پر نظر ڈالیں۔ تو شرم سے مُنہ چھپانا پڑتا ہے۔ یوں زبردستی اپنے منہ میاں مٹھو خواہ کوئی بنے۔ مگر میں تو جسے اس امر کا کافی تجربہ ہے۔ خدا لگتی کہونگا۔ کہ سلسلہ احمدیہ کی تنظیم کے مقابلہ میں ہمارا حصہ عشر عشیر بھی نہیں مجھے کئی انجمنوں اور سوسائیٹیز کی پریذیڈنٹی اور سیکرٹری شپ کا موقعہ ملا ہے۔ مجھے معلوم ہے اور اچھی طرح معلوم ہے کہ کہاں تک ہماری تنظیم ہے۔ کہاں تک اپنے امیر جماعت کی بات ماننا یا احکام پر سر جھکا ہمیں آتا ہے۔ بس جانے دیجئے۔ خود ضمیروں سے اس کا جواب لے لیں۔ میرے قلم سے نہ لکھوائیں۔

میں حضرت امام جماعت احمدیہ کے متعلق اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ یہ شخص قلم کا بھی دھنی ہے۔ تقریر کا اعلیٰ درجہ کا ماہر بھی۔ اور تنظیم کا اعلیٰ درجہ کا گورنر بھی۔

امام جماعت کے ایک معمولی اشارہ کا اثر

مجھے جس بات پر لرزہ سا پیدا ہوگیا۔ وہ اسکے ایک ادنیٰ اشارہ کی تنظیمی قوت تھی۔ جس سے معلوم کرنیوالا معلوم کر سکتا ہے کہ آئندہ آپکے زبردست اشاروں اور احکام کا آپکی جماعت پر کیا اثر اور کیا ہیبت ہوگی۔ سٹیج گاہ جو عام سامعین مجمع کیلئے تیار کی گئی تھی۔ وہ گیلری نما تھی۔ اور بنانیوالوں کا اندازہ تھا کہ اسمیں پندرہ سولہ ہزار آدمی ضرور فراغت کے ساتھ بیٹھ سکیں گے۔ مگر حالت یہ ہوئی۔ کہ جس دن حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ کی تقریر ہونے والی تھی۔ اس قدر جم غفیر ہوا کہ نہ صرف جلسہ گاہ میں تل

دھرنے کو ہی جگہ نہ رہی۔ بلکہ یہاں تک نتیجہ کا رُخ بدلا۔ کہ لوگ بے نیل مرام واپس چلے گئے۔ اور جو بہت تشنہ کام اور عاشق تقریر خلیفہ تھے۔ وہ غریب باہر ہی رہ گئے۔

نفسا نفسی کی حالت

پہلے دن کا واقعہ خود میرے ساتھ ایک عجیب پیش آیا۔ جسکو یہاں لکھدینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ تا آئندہ کے لئے اس کا بھی انتظام خاطر خواہ ہو سکے۔ پہلے ہی دن جبکہ بھیڑ بھاڑ میں کھوے سے کھوا چھلنے کا مضمون درپیش تھا۔ بھلا نقار خانہ میں طوطی بچاری کی آواز ہی کون سُن سکتا تھا۔ اور وہ طوطی غریب بھی پھر غیر احمدی۔ مَیں بھی بدقسمتی سے باہر رہ گیا۔ اور خلیفہ صاحب کی تقریر شروع ہو گئی۔ مجھے اتنا رنج و غم ہوا۔ کہ قریب تھا مجھے اس غم سے غش آجائے۔ کیونکہ میرا مقصد میرا مدعا اور میری غرض صرف اسی ایک تقریر کا سُننا تھا۔ جو مجھے فیروز پور سے یہاں تک کھینچے ہوئے لائی تھی۔ اسوقت نفسا نفسی کا مضمون تھا۔ وہ فیروز پور کی جماعت کے لوگ جن کے ذمہ میری جگہ اور رہایش کا انتظام ان کا اخلاقی فرض ہونا چاہیئے تھا۔ وہ بھی اسوقت ایسے بیتاب تھے۔ کہ مجھے چھوڑ وہ بھی علیحدہ پھٹک گئے۔ اب حالت غربت جو اسوقت مجھ پر طاری ہوئی۔ خدا تعالیٰ کسی پر بھی نہ لائے۔ مَیں سٹ پٹاتا ہوا کبھی ادھر کے دروازے پر کبھی اُدھر کے دروازے پر جاتا تھا۔ تا اندر داخل ہو سکوں۔ اور اپنی پیاس کو جو مجھے اس پیاری تقریر کے سُننے کے لئے لگی ہوئی تھی۔ اور جس سے میرا دم لب پر تھا بجھاؤں۔ مگر کوئی موقعہ ہاتھ نہ آیا۔ اسپر مَیں سٹیج کے دروازے پر آیا۔ جہاں سے اسی شخص کو گذرنے دیتے تھے جس کے پاس سٹیج کا ٹکٹ یا اجازت کا رقعہ ہوتا تھا۔ لیکن مجھ غریب کے پاس کس کی اجازت یا کس کا رقعہ یا ٹکٹ تھا؟ صرف خدا تعالیٰ کے پاک

بندے کی تقریر سُننے کا ٹکٹ تھا۔ جو دِل کے پردوں میں نہاں تھا۔ میں نے ہر چند بادا باد ما کشتی در آب انداختیم کا وظیفہ پڑھکر ایک دم سٹیج کے دروازے سے اپنے آپکو گذارنا چاہا۔ مگر وہاں میری بدقسمتی سے ایک فوجی شخص جو شائد صوبیدار تھے۔ کھڑے ہوکر مجھ سے تحکمانہ لہجہ میں زور سے دریافت کرنے لگے۔ کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا۔ خلیفہ صاحب کے پاس۔ کہنے لگے۔ ٹکٹ یا رقعہ کہاں ہے۔ میں نے کہا۔ ٹکٹ دِل کے غلاف میں بندھا ہوُا ہے۔ انہوں نے اس جواب پر نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ وہ دھکّا مجھے رسید کیا کہ میں سٹیج کے دروازے سے باہر آگیا۔ اس وقت میری جو حالت ہُوئی۔ ناظرین اخبار خود اندازہ لگالیں۔ میں غریب باہر ایک طرف کھڑا ہو رہا۔ اور دل ہی دل میں جلسہ گاہ کے بنانے والوں کو کوسنے لگا۔ اتنے میں سٹیج سے میری مصیبت کی داد اور دھکّے کی داد جو صوبیدار صاحب نے مجھے رسید کیا۔ یوں زبانِ محمود سے مل رہی تھی۔ کہ مجھے منتظمین جلسہ گاہ پر افسوس ہے جنہوں نے اتنی تنگ جگہ بنائی۔ انہیں چاہیئے تھا کہ سال سابقہ سے زیادہ جلسہ گاہ کا انتظام کرتے۔ کیونکہ خداتعالیٰ کا وعدہ ہے کہ سال بسال میں جلسہ میں ترقی ہوگی۔ میں اُن سے اس امر میں Explanation مانگونگا۔ یہ آواز مجھ تک جب پہنچی۔ تو میں نے اُسی وقت سامنے پارک میں جاکر دو رکعت نفل پڑھے۔ اور آج اس امر کا اظہار کر رہا ہوں۔ یا میں نے اُسوقت اس دھکے کی کہانی شیخ محمد اسمٰعیل، سرساوی اور بہت سے دیگر اکابرین سے جو مجھے بعد میں وقتاً فوقتاً ملتے رہے عرض کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کی۔ کہ منتظمین اخلاق وعلم کے درخشندہ نمونہ ہونے چاہئیں۔ حضرت کے الفاظ کا یہ اثر ہوُا۔ کہ وہی جلسہ گاہ جو پندرہ سولہ ہزار سے زیادہ اپنے اندر

گنجائش نہ رکھنی تھی۔ راتوں ہی رات اُنہی منتظمین اور سکول کے طلباء کے ہاتھوں پندرہ بیس ہزار کے مجمع کے لئے کشادہ کر دی گئی۔ کیا سردی کی راتیں اور پھر اسپر یہ مشقت اور یہ محنتِ شاقہ۔ اور پھر سکول کے طلباء کی سرفروشانہ جدّوجہد قابلِ تسلیم شمشیرِ اخلاق نہیں؟ ہے اور ضرور ہے۔ میں یہاں اپنے ان نوجوان دوستوں کو ہمت اور معتقدانہ کیفیت و انداز کی داد دئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جنہوں نے اپنے امام کی آواز کی یہ قدرومنزلت کی کہ اپنی جانوں اور نفسوں کے آرام کو یک قلم خیر باد کہد یا۔

ملاقات کا نظارہ اب میں ملاقات کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ ملاقات کا وقت معین ہوتا ہے۔ جماعت پر جماعت نمبر وار اپنے خلیفہ کی ملاقات کو مقرر کردہ کمرے میں جا رہی ہے۔ اور ملاقات سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے یہاں مجھے اپنے دوست شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانی کا دلی شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے میری بہت مدد کی۔ اور مجھے وقت دلوایا۔ کہ میں آپ سے فیروز پور کی جماعت کے ہمراہ جاکر ملاقات کروں۔ اور آپ کے پاس بیٹھا رہوں جس وقت میں فیروز پور کی جماعت کے ہمراہ حضور والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو حضور نے دیکھتے ہی نہایت محبت و عنایت سے ازراہِ شفقت فرمایا۔ کہ شاید آپ اشرف خاں صاحب کے رشتہ دار ہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں جناب میں اشرف خاں صاحب کا رشتہ دار تو نہیں۔ ہاں ہم دونوں محلہ میں قریب قریب رہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس خیال میں مستغرق ہوگیا۔ کہ اللہ اللہ۔ کہاں تک خیال ہے۔ اور کتنی کتنی معمولی باتوں کو ایسا عظیم الشان انسان دریافت کرتا ہے۔ اور یادداشت کا یہ حال کہ معمولی معمولی باتوں کو بھی ذہن سے فراموش اور علیحدہ نہیں کرتا۔ اس

معمولی سی بات میں مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا ہو گیا۔ کیا اس معمولی اور نہایت چھوٹی سی بات کے دریافت کرنے سے اور پھر اُس شخص سے کہ جو غیر احمدی ہے حضور کے وسیع اخلاق، ہمدردی و مساوات کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ میرے دِل میں یہ بات کالنقش فی الحجر ہو گئی۔ کہ جہاں غیروں کے ساتھ یہ حسن سلوک ہو رہا ہے۔ وہاں اپنوں کے ساتھ کیا طریق ہو گا۔ اور جس کا مزید تجربہ بھی وہیں بیٹھے بیٹھے ہوتا گیا۔ جو شخص آپ سے ملنے آتا۔ آپ اُس سے نہایت ہی اخلاق و مروت اور شفقتِ بزرگانہ سے اُس کی خیریت دریافت کرتے، اور نہ صرف خیریت بلکہ گھروں کی خیریت بچوں کی خیریت اور وہاں کی جماعت کی خیر و عافیت معلوم کرتے۔ اور ساتھ خندہ پیشانی سے جبتک بھی آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھا رہتا۔ خود اس سے اپنا ہاتھ نہ چھڑاتے۔ اور جیسا سوال ہوتا نہایت متانت اور مہربانی سے اس کا ویسا ہی جواب ارشاد فرماتے۔ ہونٹوں پر تبسم ہوتا۔ جو ابتک مجھے یاد آتا ہے۔ اور مَیں سرشار سا ہو جاتا ہوں۔

ناظرین! یہ ایک غیر احمدی کے خیالات ہیں، اور اس کے قلم سے ہیں، احمدی معتقدین کی کیا حالت ہو گی۔ جو شخص بھی آتا۔ اس سے تبسم نما چہرہ سے گفتگو فرماتے۔ اگلا خواہ مخواہ اس روحانیت کے نورانی مجسمہ کے مدمقابل خود بخود موم ہو جاتا۔ مَیں متواتر آدھ گھنٹہ تک حضور کے قرین بیٹھا رہا۔ لوگ آپ سے مصافحہ کرتے اور مَیں یہ دیکھتا تھا کہ آپ امیر و غریب سے کس قسم کی گفتگو ارشاد فرماتے ہیں میرا مطمع نظر جو تھا۔ وہ ناظرین سے پوشیدہ نہیں رہا۔ مَیں تو تحقیق کی نظروں سے آنجناب کی ہر حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ مگر آخر راستی موجب رضائے خدا است۔ مَیں خواہ مخواہ تعصب کی عینک آنکھوں پر لگا کر سراسر جو راستی سے دُور ہو جاؤں اور دیکھوں کچھ اور لکھوں کچھ تو میرا کیا انجام ہو گا۔

ہیں اُن اندھا دُھند مکفرین میں سے یا اُن بدزبان دریدہ دہن شمشیر مثال انسانوں سے نہیں۔ جو خواہ مخواہ دُوسروں کو خوش کرنے یا دنیاوی وجاہتوں کی وجہ سے خُدا کے نیک بندوں پر کفر کے فتوے جڑتے ہیں۔ مجھے تو صرف ایک مسئلہ پر اختلاف ہے۔ اور بموجب حدیث شریف کہ امت کا اختلاف بھی باعثِ رحمت ہُوا کرتا ہے۔ اسی امر کی تحقیق میں ہوں۔ کہ آیا حضور سرکار دوالا تبار تاجدار مدینہ صلعم کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے یا نہیں۔ جس کے متعلق عنقریب ایک ٹریکٹ شائع کرونگا جس میں میرے خیالات کا مجموعہ ہوگا۔ رہا یہ امر کہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے والوں اور اس پر کامل یقین رکھنے والوں اور نیز دیگر ارکانِ اِسلام پر اعتقاد رکھنے والوں کو دُوسروں کی دیکھا دیکھی اور رسماً رسمی کافر کہدوں۔ خدا تعالیٰ مجھے اس سے بچائے۔

امیر و غریب سے برابر سلوک

آخر حضرات میں نے یہ دیکھا۔ کہ اس دربار خلافت میں امیر اور غریب کا درجہ برابر ہے۔ بلکہ امیر تو پھر تعلیم و علم سے مزین ہوتا ہے۔ حفظ مراتب کا خیال بھی رکھتا ہُوا ادب واحترام سے گفتگو کا لہجہ برتتا تھا۔ مگر ایک دیہاتی آتا ہے۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر منٹوں آپ سے عجیب عجیب باتیں کہتا ہے۔ آپ ہیں کہ اُسے اُس امیر سے بھی زیادہ شفقت سے اُس کی ہر بات کا خندہ پیشانی سے جواب دیتے ہیں۔ ایک بات جو مجھے عجیب نظر آئی۔ وہ جناب والا کی چشمہائے مبارک کی پُر کیف مخموری تھی ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا آپ نیم باز آنکھوں سے اپنے مخاطب پر مسمریزم کا اثر ڈال رہے ہیں۔ اس مسمریزم سے کہیں ناظرین وہ مسمریزم نہ تصور کریں۔ جو ایک دنیاوی عمل ہے۔ بلکہ یہ وہ مسمریزم کا اثر ہے۔ کہ جس سے انوارِ الٰہی مترشح تھے۔ آنکھوں میں سُرخ اور سپید ہلکی رنگت کے ڈورے

۔کچھ عجیب لطف دے رہے تھے۔ ان باتوں پر کم سخنی گویا سونے پر سہاگہ تھی۔ جسوقت میں نے آپکو تقریر کرتے ہوئے دیکھا۔ تو میرے دِل میں یہ یقین سا ہوگیا تھا۔ کہ آپ زیادہ باتیں کرنے اور زیادہ گفتگو کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن یہ میرا خیال اسوقت غلط نکلا جبکہ ملاقات کے وقت مَیں نے دیکھا کہ سوائے ایک آدھ لفظ کے اور کچھ نہ فرماتے۔ زیادہ تر یہی ہوتا تھا کہ "اچھا مَیں دُعا کرونگا" زیادہ گفتگو کسی سے خود نہ فرماتے۔ ہاں دُوسروں کے سوال کا جواب دیتے۔ آخر آدھ گھنٹہ کے بعد میں نے بھی جو کچھ حضور سے عرض کی۔ وہ آپ نے نہایت محبت سے سُنی۔ اور فرمایا۔ دُعا کریں گے۔ یہ الفاظ ہیں جنکو مَیں دِل کے پردوں میں جگہ دیتا ہوا آپ سے اجازت لیکر باہر چلا آیا۔

مَیں ایک اور بات بھی پیش کرتا ہوں۔ ایک دن مرزا گل محمدؐ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو مرزا امام الدین صاحب کے صاحبزادہ ہیں۔ مَیں نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ آپ حلفیہ اور قسمیہ خُدا کو حاضر ناظر خیال کرکے مجھے یہ بتائیں کہ آپکا حضرت مرزا صاحب کے متعلق کیا خیال ہے۔ کیونکہ آپ مرزا امام الدین صاحب کے صاحبزادہ ہیں۔ جنہوں نے حضرت صاحب کی سخت مخالفت کی ہے۔ اسپر آپنے کہا کہ مَیں خُدا کو حاضر ناظر جان کر یہ ضرور کہونگا کہ میرے والد صاحب نے غلطی کی۔ جو حضرت صاحب کی مخالفت کی۔ اور یہ کہ محمدؐی بیگم والی پیشگوئی جیسا کہ حضرت صاحب نے ارشاد فرمایا ہے، لفظ بلفظ اپنے وقت پر پُوری ہُوئی۔ میرا تو ارادہ تھا۔ کہ ابھی اور لکھوں۔ مگر مضمون طویل ہوگیا۔ اس لئے کسی اور وقت پر ملتوی کرتا ہوں۔"

(چوہدری، محمدؐ ابراہیم فیروزپوری غیر احمدیؐ)

چوہدری صاحب کی تقریر

جلسہ کے آخری دِن یعنی ۲۸ر دسمبر کو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے قبل الٰہی صاحب نے حضور سے

چند منٹ تقریر کرنے کی اجازت چاہی۔ حضور نے از راہ شفقت انہیں سٹیج پر یاد فرمایا۔ اور تقریر کرنے کی اجازت دی۔ فیروز پوری صاحب نے نہایت پُرجوش لہجہ میں تقریر کی۔ جس میں بیان کیا:۔

"معزز حضرات میں ایک غیر احمدی ہوں۔ میں دو۲ روز سے اس تگ و دو میں تھا۔ کہ کسی طرح قبلہ عالم حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں باریابی حاصل کروں۔ مگر میری یہ جُرأت نہ تھی کہ براہِ راست حضور کا چہرہ مبارک اتنا قریب ہو کر دیکھ سکوں۔ الحمد للہ کہ آج مجھے یہ موقع حاصل ہوُا۔ اور مجھے باریابی حاصل ہو گئی۔ الفضل میں اعلان شائع ہوُا تھا۔ کہ جلسہ پر غیر احمدیوں کو لایا جائے۔ تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ جو الزامات احمدیوں پر لگائے جاتے ہیں۔ ان میں کہاں تک صداقت ہے۔ اور اس غرض کو لیکر میں یہاں آیا ہوں میں بھی سلسلہ عالیہ احمدیہ کا سخت مخالف و معاند تھا۔ اور اس سلسلہ کی کتابیں پڑھنا یا احمدیوں کے خیالات سننا ایک گناہ سمجھتا تھا۔ جب میں پاکپٹن میں تھا تو مولوی اللہ دتا صاحب وہاں تبلیغ کے لئے گئے، میں نے سخت مخالفت کی۔ اور بحیثیت سیکرٹری انجمن فریدیہ اعلان کروا دیا۔ کہ کوئی احمدیوں کی مجالس میں نہ جائے۔ مگر چوہدری غلام احمد صاحب پلیڈر نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ اندھی مخالفت کرنے کی بجائے۔ حضرت صاحب کی کتابیں پڑھیں۔ اور اس بات کو مدنظر رکھیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت کا اختلاف بھی باعثِ رحمت ہے۔ اِسپر میں نے کتابیں دیکھنی شروع کیں۔ اور مجھے معلوم ہوُا۔ کہ وہ بجلی کی کلیں ہیں۔ جن سے میرے رُوحانیت کے خون میں دَورہ شروع ہو گیا۔ اور مجھے محسوس ہونے لگا کہ اب تک میں بالکل اندھیرے میں پڑا ہوُا تھا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت

مرزا صاحب ایک اولو العزم ہستی تھے۔ سلطان القلم تھے۔ اور دنیائے اسلام کی حالت کو پلٹنے کے لئے دُنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اور آپ کی شان ایسی ارفع و اعلیٰ تھی۔ کہ مجھے لغت میں بھی ایسے الفاظ نہیں ملتے۔ جن سے آپ کا مرتبہ اور مقام بیان کرسکوں۔ جب ایک آریہ نے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خرافات بکیں۔ تو حضور ہی تھے۔ جنہوں نے اس کو چیلنج دیا۔

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ ؛ بترس از تیغ بُرّانِ محمدؐ

اور آخر اس کا جو انجام ہوُا۔ وہ سب جانتے ہیں۔ میرے خون میں ایک حرکت اور رُوح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، جب میں حضرت مرزا صاحب کا نام لیتا ہوں۔ اور میرے دل میں حضور کے لئے جذبات کا ایک بحرِ بیکراں ہے۔

میں احمدیت کے متعلق تمام منازل طے کر آیا ہوں۔ صرف مسئلہ نبوت باقی ہے۔ کیونکہ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں نبوت کا لفظ دل میں ایک خلش سی پیدا کرتا ہے۔

میں حضور قبلہ عالم تقدس مآب حضرت خلیفۃ المسیح سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ حضور میرے حق میں دُعا فرمائیں

چونکہ وقت بہت کم ہے۔ اس لئے میں اپنے غیر احمدی دوستوں سے اس عرض کے بعد اپنی تقریر ختم کرتا ہوں۔ کہ وہ میری طرح کم از کم حضرت مرزا صاحب کی کتابیں ضرور دیکھا کریں۔ اِس سے انہیں بہت فائدہ ہوگا۔"

ڈچ کانسل مسٹر سی انڈریاسا باشندہ ہالینڈ کے تاثرات

صاحب موصوف ۱۹۳۰ء میں قادیان تشریف لائے تھے۔ اور یہاں رہ کر قادیان کے حالات سے آگاہی حاصل کی۔ اہلِ قادیان سے ملے اور بیحد مسرور ہوئے۔ اور واپسی پر کراچی سے ایک خط بنام ڈاکٹر و مسز صادق لکھا۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"اُمید ہے، آپ مجھے معاف فرمائینگے کہ مَیں یہ خط ڈچ زبان میں لکھتا ہوں۔ مَیں جلدی میں ہوں۔ میرا جہاز کل صبح روانہ ہوگا۔ اور مَیں اسوقت رات کے دس بجے ہنوز طیاری میں مصروف ہوں۔ وقت کم ہے اور کام بہت، انتخاب کے سبب مجھے آج کراچی میں کوئی موٹر نہ مل سکی۔ اور گھوڑا گاڑی کی سُست رفتار میں بہت سا وقت ضائع ہوگیا۔ آپ کا خط اور پارسل مجھے مل گیا ہے۔ اور یہ میری بڑی خوشی ہوگی۔ کہ مَیں یہ پارسل ہالینڈ پہنچ کر خود مسز صادق کے عزیزوں کو پہنچاؤں۔ اور قادیان کی خوشحالی کا ان سے ذکر وں۔ مَیں انہیں بتلاؤں گا۔ کہ ہم نے قادیان میں سوائے نیکی کے اور کچھ نہیں پایا۔ سو ہندوستان سے جو بہت سے اثرات میرے دِل پر ہُوئے ہیں۔ ان میں سے خاص اثرات قادیان کے ہیں جنہوں نے میرے دل میں خاص جگہ حاصل کی ہے۔ سب سے اوّل آپ لوگوں کی مہمان نوازی جس سے مَیں بہت ہی مسرور ہُوا۔ اور مَیں آپ کا مشکور ہونگا اگر آپ میرا شکریہ اپنے سب احباب کو پہنچا دینگے۔ لیکن خاص بات جو مجھ پر اثر کرنیوالی ہُوئی۔ وہ ایک طبعی ایمان اور سچی برادری ہے۔ جو للّٰہی محبت سے پَیدا ہوکر قادیان کو ایک رسولوں کی سی فضاء بخش رہی ہے

جو عیسائی حلقوں میں شاذ و نادر ہے۔ آپکے فاضل ذوالفقار علیخاں صاحب (ناظر اعلیٰ) نے جن کے ساتھ مجھے خاص محبت حاصل ہو گئی ہے۔ جو کتب مجھے عطا فرمائی ہیں۔ ان کے پڑھنے کے بعد پھر آپکو اطلاع دوں گا۔ درِاصل مجھے قادیان میں اور بھی زیادہ قیام کرنے کی بہت خواہش ہو گئی تھی۔ ہالینڈ پہنچکر پھر آپکو خط لکھونگا۔ اب آپ ہر دو (میاں بیوی) کیواسطے میں دعا کرتا ہوں۔ کہ آپکو وہ تمام خوشیاں اور امن حاصل ہوں جو زمین پر حاصل ہونی ممکن ہیں۔ آپ کی خدمتگذاری کا مشتاق

سی۔ انڈریاسا از کراچی

مولوی محمد یعقوب بی۔ اے ایڈیٹر اخبار لائیٹ کے تاثرات

یہ صاحب جماعت احمدیہ کی لاہوری پارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر جب ۱۹۳۰ء میں کسی شریر نے ہمارے امام عالیمقام حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی وفات کی جھوٹی خبر اڑادی تو اسے سُنکر انہوں نے اپنے اخبار میں آپ کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا تھا:۔

"یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمیں آپ (امام جماعت احمدیہ قادیان) سے بعض عقائد میں اختلاف تھے۔ لیکن اس سے ہم اس مشہور و معروف ہستی کی ان خوبیوں سے جو قدرت نے انہیں فیاضی سے عطاء کی تھیں، آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اپنے عقائد کے لئے آپکا جوش اور سرگرمی، بحیثیت لیڈر آپ کی پختہ کاری اور ہنر مندی، ماہر تنظیم، اور سب سے بڑھ کر آپ کی ذاتی مقناطیسی کشش جس کیوجہ سے آپکے متبعین کو آپ سے حیرت انگیز عقیدت تھی۔ ایسی صفات ہیں جنہیں وہ

لوگ بھی جنہوں نے آپکو دیکھا بھی نہیں تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔"
(لائٹ یکم جون ۱۹۳۰ء)

یہ تأثرات حضور کے کسی مرید کے نہیں بلکہ آپ کی مخالفت میں حد سے بڑھے ہوئے گروہ کے ایک سربرآوردہ شخص کے تأثرات ہیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ آج مسلمانوں کی نکبت و ادبار اور ان کی پراگندگی و آشفتہ حالی کو دُور کرنے کا اگر کوئی اہل ہے تو وہ آپ ہی کی ذات بابرکات ہے۔ اور یہی خدا کا مقرر کردہ لیڈر ہے کہ جس کے جھنڈے تلے جمع ہو کر مایوس اور پژمردہ دل اپنی مراد کو پہنچ سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ مایوسیوں کے شکار مسلمان آپکی ذات سے فیض حاصل کرنے کی توفیق پائیں۔ تاکہ ان کے دلدّر دُور ہوں۔ اور نحوستیں کافور ہوں۔

مشہور معاند اسلام پادری زویمر کے تأثرات

واقف کار اصحاب پادری زویمر کے نام سے واقف ہونگے۔ یہ شخص ۱۹۲۴ء میں امریکہ سے چلکر قادیان آیا۔ یہاں کے حالات کو بچشم خود دیکھا۔ اور اپنے مختصر قیام کے دَوران میں جو کچھ اس نے دیکھا۔ اور اس کے قلب پر یہاں کے کاموں کا جو اثر ہؤا۔ وہ اس کے مندرجہ ذیل الفاظ سے ہویدا ہے۔ رسالہ چرچ مشنری ریویو لنڈن میں اپنی آمد قادیان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہی کہ:۔ "ہمارا استقبال نہایت گرمجوشی کے ساتھ کیا گیا۔ ہمیں گھنٹوں کی بجائے دنوں تک قادیان میں ٹھہرنے کی دعوت دی۔ اور ہماری پوری خاطر و مدارات کی گئی۔ اور ہم نے اس جگہ کے تمام مقامات کو دیکھا۔ مثلاً چھاپہ خانہ، صیغہ ڈاک صیغہ ترسیل، مدرسہ احمدیہ، لڑکیوں اور لڑکوں کے مدارس، اشاعت و تبلیغ

میں ایک سہ گرم گروہ ہے۔ یہاں سے نہ صرف ریویو آف ریلیجنز ہی شائع ہوتا ہے۔ بلکہ تین اور میگزین بھی یہاں سے نکلتے ہیں۔ اور لنڈن، پیرس، برلن، شکاگو، سنگاپور اور تمام مشرق قریب کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ جاری ہے۔ چھوٹے چھوٹے دفاتر ہر قسم کے دستیاب ہونے والے سامان مختلف قسم کی انسائیکلوپیڈیا، ڈکشنریوں اور عیسائیت کے خلاف لٹریچر سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک اسلحہ خانہ ہے جو ناممکن کو ممکن بنانے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ اور ایک زبردست عقیدہ ہے جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتا ہے۔"

قادیان میں مسیح پاک کی طفیل اسلام کی ترقی و تعالی کے متعلق جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ دشمنان اسلام کے توپتّے پانی ہوں۔ مگر آہ نام نہاد مسلمان خدا کے جری اور اس کی جماعت کو اسلام سے بیگانہ اور دشمن بتائیں؟

مگر ہمیں اُمید ہے کہ دردمند اور روشن ضمیر مسلمان بھائی ان حقایق کا مطالعہ کرنے کے بعد دشمنان صداقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حقیقت حال سے واقف ہونے کیلئے خود عملی قدم اُٹھائینگے۔ جسکا آسان ذریعہ یہ ہے۔ کہ وہ احمدیہ لٹریچر پڑھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیکھنے والوں کو ملیں یا خود مرکز احمدیت میں آئیں۔ اور یہاں رہ کر یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھیں۔ تاکہ ان پر اصل حقیقت کا انکشاف ہو جائے۔

پادری انیج کریمر امریکن مشنری کے تاثرات

اس کے بعد ہم ایک اور معاند اسلام امریکن پادری کے تاثرات درج ذیل کرتے ہیں۔ جو کہ ۳۱ء میں مشنری سوسائٹی امریکہ کی طرف سے

بایں غرض ہندوستان آیا تھا۔ کہ یہاں کے مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ کرے اور اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لئے جو کچھ قادیان میں ہو رہا ہے۔ وہ بھی دیکھے۔ اس کے وہ تاثرات جو قادیان کے متعلق ہیں۔ اسلام سے محبت رکھنے والوں کو پوری توجہ سے پڑھنے چاہئیں۔ تاکہ انہیں معلوم ہوسکے۔ کہ آج وہ کام جس سے شاہان اسلام، اُمرائے اسلام اور لیڈران اِسلام غافل محض ہیں۔ ہاں وہی کام آج احمدیوں کی غریب جماعت کس خلوص محبت، جوش اور تندہی سے کر رہی ہے۔ اور ان کے سینوں میں اسلام کی محبت اور الفت کا جوش کس طرح ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

"جماعت احمدیہ مسلمانوں میں ایسی ہی جماعت ہے۔ جیسی کہ ہندوؤں میں آریہ سماجی۔ ان دونوں جماعتوں کا عیسائیت کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں جماعتیں ہندوستان میں توسیع عیسائیت کے خلاف جارحانہ کارروائیاں کر رہی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں پر عام طور پر مایوسی کا عالم طاری ہے۔ برخلاف اس کے جماعت احمدیہ میں نئی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ جماعت قابل توجہ ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام توجہ اور طاقت تبلیغ اسلام پر خرچ کر رہے ہیں۔ اور سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ انسان جس حکومت کے ماتحت ہو۔ اس سے وفادار رہے۔ اور وہ صرف اس بات کی پرواہ کرتے ہیں۔ کہ کونسی حکومت کے ماتحت ان کو تبلیغ اسلام کے مواقع اور سہولتیں حاصل ہیں۔ اور وہ اسلام کو ایک مذہبی گروہ یا سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ اسکو محض صداقت اور خالص حق سمجھکر تبلیغ کے لئے کوشاں ہیں۔ اس لحاظ سے یہ جماعت فی زمانہ مسلمانوں کی نہایت عجیب جماعت ہے۔ اور مسلمانوں

میں صرف یہی ایک جماعت ہے جس کا واحد مقصد صرف تبلیغ اسلام ہے۔ اگرچہ ان کی طرز تبلیغ میں کسی قدر سختی پائی جاتی ہے۔ تاہم ان لوگوں میں قربانی کی رُوح اور تبلیغ اسلام کا جوش اور اسلام کیلئے سچی محبّت کو دیکھکر بے تحاشا صدا آفرین نکلتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمدؐ صاحب ایک زبردست شخصیت کے آدمی تھے۔ وہ فریق جو انکو نبی مانتا ہے۔ اس کا مرکز قادیان ہے۔ میں جب قادیان گیا۔ تو مینے دیکھا کہ وہاں لوگ اسلام کے لئے جوش اور اسلام کی آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں۔ اپنے آپکو وہ غریبانہ طور پر پیغام پہنچانے والے نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کو اس بات پر ناز ہے کہ وہ دُنیا میں سچائی کا اعلان کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور وہ اِسلام کی محبّت میں اس قدر اندھے اور مجنون ہو رہے ہیں کہ جسقدر انسانی قلب کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ قادیانی جماعت آیندہ اِسلام کا ایک علیحدہ فرقہ بنجائے۔ اور اس طرح وہ عام مسلمانوں کی حالت پر آئندہ زیادہ اثر نہ ڈال لے۔ انکے عقائد (معجزانہ) حکایات پر مبنی نہیں بلکہ ان کی موجودہ اہمیت، ان کے جوش، قربانی، اور اس اقدام مقبلانہ کی وجہ سے جو اس جماعت میں فی زمانہ موجود ہے۔ اگرچہ یہ لوگ دیگر مذاہب کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (؟) لیکن وہ اس بات کے تکرار سے بھی کبھی نہیں تھکتے کہ اسلام بنی نوع انسان کی مساوات، امن و امان اور مذہبی آزادی کا سبق دیتا ہے۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اس بات میں یہ لوگ سچّے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی تمام طاقت اس بات کے پیش کرنے پر خرچ ہو رہی ہے کہ اسلام اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ تمدن کی تعلیم دیتا ہے۔ اس جماعت کا اثر اس کے اعداد و شمار سے بہت

زیادہ وسیع ہے۔ مذہب میں ان کا طرز استدلال بہت سے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے، احمدیوں کا علم کلام عقلاً ماننا پڑتا ہے۔ احمدی لوگ یقین کرتے ہیں۔ کہ دراصل تمام مذہب ایک ہی ہیں۔ اور موجودہ مذاہب کی حیثیت دراصل ایک ہی مذہب کے معاندانہ فرقوں سے زیادہ نہیں۔ افسوس ہے۔ کہ یہ اکثر بعض دفعہ عیسائی مشنریوں پر بھی غالب آجاتا ہے۔ ایسے خیالات سے عیسائی مشنریوں کو بالکل پاک کر دینا چاہیئے۔" (مسلم ورلڈ اپریل ۱۹۳۱ء)

یہ جو کچھ اوپر درج ہوا ہے۔ یہ کسی جانبدار کا بیان نہیں۔ بلکہ ایک ایسے شخص کے تاثرات ہیں۔ جو ہندوستان سے ہزاروں میل دور رہنے والا، اسلام کا مخالف، احمدیہ جماعت کا معاند اور اشاعت اسلام میں روکاوٹیں ڈالنے والی سوسائٹی کا ممبر ہے۔ ایسے شخص کی قادیان اور اہل قادیان کے متعلق رائے طرف داری پر مبنی نہیں ہو سکتی۔ ہمیں توقع ہے۔ کہ اسلام کے نام لیوا، محمد رسول اللہ صلعم کے نام پر فدا ہونے کے مدعی مسلمان، اپنا تعلق مرکز احمدیت سے قائم کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے۔ کہ جس کے متعلق مقدر ہو چکا ہے۔ کہ وہ اپنی مخلصانہ کوششوں سے اسلام کو ادیان عالم پر غالب کر دکھائے۔ پس وہ مسلمان بھائی جو اپنے دلوں میں مدت سے یہ تمنا رکھتے ہیں کہ اسلام اور نام لیوایان اسلام مغلوب سے غالب بن جائیں۔ وہ خدا کے قائم کردہ سلسلہ میں داخل ہوں۔ اور خدا کے مسیح کی ہدایات پر چل کر اپنی تمنائیں بر لانے کی سعی مسعود کریں۔ اور شادکام ہوں۔

اس کے بعد ہم ایک عیسائی جرمن سیاح کے تاثرات درج کرتے ہیں۔ یہ محقق علم دوست اور دور رس شخص جرمن سے چین اور چین سے براستہ لداخ

ہندوستان آیا۔ اور مختلف دیار و امصار سے پھرتا ہوُا آخر نومبر ۱۹۳۰ء میں قادیان آیا۔ اور یہاں آکر جو کچھ اُس نے دیکھا۔ وہ انہی دنوں اُس نے ایک مضمون کی شکل میں ریویو آف ریلیجنز میں شائع کروا دیا۔ جس کا اُردو ترجمہ ہم قارئین کرام کی خاطر درج ذیل کرتے ہیں۔ اس دیدہ ور سیّاح کے تاثرات کا مطالعہ بتلائیگا کہ خُدا کے مسیح کا قائم کردہ مرکز ہی آج وہ مقام ہے کہ جہاں متلاشیان حق آکر اسلام کا اصلی اور روشن چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہی وہ منبع فیض بستی ہے کہ جہاں سے پیاسی رُوحیں اپنی تشنگی بجھا سکتی ہیں۔ اور اس دور انحطاط میں بھی اگر کوئی جگہ ہے تو یہی ہے۔ کہ جہاں اسلامی شان اور اس کی جلوہ ریزیاں غیر مسلموں کو اسلام کا گرویدہ بنا سکتی ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے یہی وہ خطۂ پاک ہے کہ جہاں ہر ایک قسم کے رُوحانی خزانے موجود ہیں۔ اور ان کو حاجتمند انسان آسانی کے ساتھ حاصل بھی کر سکتے ہیں۔

مسٹر فریڈرک جرمن سیّاح کے تاثرات

قادیان میں قیام

"میرا ارادہ چند گھنٹے یا زیادہ سے زیادہ ایک دن قادیان ٹھہرنے کا تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ جب میں یہاں آیا۔ تو میری ظاہری حالت بالکل معمولی تھی۔ اور لمبے سفر کی وجہ سے بالکل خستہ ہو رہا تھا۔ یہاں بڑی گرمجوشی کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا گیا۔ جو بہترین قیامگاہ اس وقت میسّر تھی وہ میرے لئے تجویز کی گئی۔ اور جلدی ہی مجھے کم از کم ایک ہفتہ ٹھہرنے کی دوستانہ دعوت دی گئی۔ اس وجہ سے مجھے اپنا پروگرام منسوخ کر کے یہاں ایک ہفتہ ٹھہرنا پڑا۔ بعد میں متواتر اصرار پر مجھے اپنا قیام اس قدر لمبا کرنا پڑا کہ مَیں یہاں قریباً سات ہفتہ ٹھہرا۔ اس طرح مجھے جماعت احمدیہ کا سالانہ جلسہ

بھی دیکھنے کا موقع مل گیا۔ جس میں ملک کے ہر حصہ سے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ اس جلسہ کے متعلق میں نہایت اعلیٰ رائے رکھتا ہوں۔

عیسائی محققین اور قادیان بقیناً بہت سے عیسائی ایسے ہیں۔ جو اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے دو ہی طریق ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتابوں کا مطالعہ لیا جائے۔ اور دوسرے یہ کہ اسلامی ممالک میں رہائیش اختیار کی جائے۔ کتابوں کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو اسلام کے متعلق غلط خیالات پیش کرتی ہیں۔ جماعت احمدیہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ بھی ہے۔ کہ اس نے ایسی غلط بیانیوں کی تصیح کی ہے۔ اور اسلام کے متعلق صحیح اور مستند معلومات کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے جو لوگ اسلامی ممالک میں نہیں جا سکتے۔ انہیں چاہیئے۔ کہ جماعت احمدیہ کا مہیا کردہ لٹریچر پڑھیں۔ اسلامی ممالک میں جانے والوں کے لئے ایک بڑی دقت یہ ہے۔ کہ انہیں اس ملک کی زبان سیکھنی پڑتی ہے۔ لیکن یہ ہر ایک نہیں کر سکتا۔ اب یہ دقت رفع ہو گئی ہے۔ ایسے متلاشی حق اگر قادیان جائیں۔ تو انہیں وہاں متعدد ایسے لوگ ملیں گے۔ جو نہایت فصیح انگریزی جانتے ہیں۔ اور کئی ایک ایسے مشنری وہاں ہیں۔ جو یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ سے واپس آئے ہوئے ہیں۔ اور عیسائی ممالک کے حالات کا تجربہ رکھتے ہیں۔ قادیان میں جانے والے ہر شخص کو وہاں کئی لوگ ایسے ملیں گے۔ جن سے وہ آسانی کے ساتھ تبادلہ خیالات کر سکتا ہے۔

قادیان کی فضاء قادیان کی فضاء مادی دنیا سے بالکل مختلف اور خالص رُوحانی ہے۔ یہاں مذہبی خیالات کا چرچا رہتا ہے۔ یہاں رہنے سے انسان کے اندر ایسی طاقت پیدا ہوتی ہے۔ کہ وہ روزمرّہ کی

زندگی میں مادیات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ رُوح اور جسم دونوں کے لئے امن اور تازگی و آسودگی کا مرکز ہے۔

جائے وقوع بھی ایسی ہے جو مادی لحاظ سے بہت اچھی ہے۔ یہاں شاید ایک آدھ ہی موٹر کار نظر آئیگی۔ ریلوے سٹیشن بھی فاصلہ پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی ایجادیں یہاں کی زندگی کو پریشان نہیں کرتیں۔ قادیان مختلف ممالک کے لوگوں کا مرکز ہے۔ اور اس لئے یہاں مختلف خیالات اور علوم سے تعلق رکھنے والے لوگ جمع ہیں۔ جو شخص کوشش کر کے کچھ حاصل کرنا چاہے۔ وہ اطمینان قلب سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایسا شخص جوں جوں تلاش کرے گا۔ اسے یہاں کبھی نہ ختم ہونے والے نئے نئے خزانے حاصل ہوتے جائیں گے۔

قادیان سے کیا حاصل ہوًا۔	یہاں پر مَیں نے ہر قسم کی گفتگو کی۔ اور مختلف کتب کا مطالعہ کیا۔ جن میں ٹیچنگس آف اسلام کا اثر میرے قلب پر بہت گہرا ہے۔

اِس طرح اسلام کے متعلق میرے علم میں بیش بہا اضافہ ہوًا۔ اور قرآن پاک و رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق جو غلط فہمیاں اسلام کے متعلق یورپین تصنیفات کے مطالعہ سے پَیدا ہوگئی تھیں وہ رفع ہوگئیں۔ اسلام کی سادگی مجھپر زیادہ سے زیادہ واضح ہوگئی۔ میری دِلی خواہش ہے کہ یورپ اور امریکہ کے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام میں کتنی اعلیٰ خوبیاں ہیں۔ تا عیسائی ممالک آہستہ آہستہ انہیں قبول کر سکیں۔ اسلامی تعلیم اس قدر سادہ ہے کہ سادہ ترین آدمی بھی اسے نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ عیسائیت اسلام سے بہت کچھ حاصِل کر سکتی ہے۔ اسلام اور عیسائیت دونو ایک دوسرے سے بہت کچھ لے سکتے ہیں۔ اور اس طرح ایک دوسرے کے قریب ہو سکتے

ہیں۔ یہ فضول بات ہے۔ کہ ہم دوسرے مذاہب کے تاریک پہلوؤں کو ہی زیر نظر رکھیں۔ ہمیں چاہیئے۔ کہ خوبیوں کو بھی دیکھیں۔ بلکہ انہیں قبول کریں۔ اس طرح توحید کے متعلق ہمارا عقیدہ کامل ہو سکتا ہے۔ اور خدائے واحد و قادر مطلق پر ایمان بڑھ سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ احمدیت کے مقدس بانی کو خدا تعالیٰ کیطرف سے الہامات ہوتے تھے۔ اور مَیں ایمان رکھتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے ہم کلام ہوتا ہے۔ جس کے کئی ایک مقاصد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مختلف مذاہب میں جو اختلاف ہے وہ کم ہو جائے۔

رواداری مجھے یہ دیکھکر بے انتہا مسرت ہوئی۔ کہ قادیان میں غیر مذاہب والوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح امام جماعت احمدیہ نے اپنی بے انتہا مصروفیتوں کے باوجود مجھے کئی بار باریابی کا موقعہ عطا فرمایا۔ اور ایک دفعہ فرمایا۔ احمدیوں کو دیگر مذاہب کے لوگوں کے متعلق رواداری کی بھی کی جاتی ہے مجھے یقین ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کا دیگر مذاہب کے ساتھ حُسن سلوک پرانے مذہبی تعصّبات کو نیست و نابود کرنے میں بہت ممد ہو گا۔ اور مجھے اس تصوّر سے بے انتہا مُسرّت ہوتی ہے۔ کہ اس سے آخر کار مختلف مذاہب میں اختلافات کم ہو جائیں گے۔ مَیں قادیان میں ایک عیسائی کی طرح رہا۔ اور کبھی اسے چھپایا نہیں۔ لیکن باوجود اس کے مجھ سے بہترین سلوک کیا گیا۔

قادیان جانیوالوں کو مشورہ جس شخص کو قادیان جانے کا اتفاق ہو۔ مَیں اُسے مشورہ دُوں گا کہ وہ وہاں کچھ عرصہ ٹھیرے۔ کیونکہ کچھ عرصہ ٹھیرنے پر ہی قادیان کی حقیقی سپرٹ اِنسان پر ظاہر ہونا شروع ہوتی ہے۔ لیکن جو شخص ایک آدھ دن ٹھیر کر چلا جائے۔ اُسے وہاں

کوئی دلچسپی نظر نہ آئے گی۔ قادیان، دہلی، آگرہ کی طرح شاندار عمارات کا مجموعہ نہیں۔ لیکن ایک ایسی جگہ ہے جس کے رُوحانی خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے۔ یہاں ہر دن جو گزارا جائے انسان کی رُوحانیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور بہت ہی کم لوگ ایسے ہوں گے۔ جو قادیان سے خالی ہاتھ واپس گئے ہوں۔ لیکن وہاں سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اسکی قیمت کا اندازہ سکوں میں نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بہت زیادہ قیمتی بلکہ انمول چیز ہے۔ میَں نے ایشیا میں ایک لمبا سفر کیا ہے۔ اور بہت مقامات دیکھے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں دوبارہ دیکھنے کی خواہش نہیں۔ بعض ایسے ہیں جنہیں پھر دیکھنے کو دل چاہتا ہے۔ اور ایسے مقامات میں قادیان کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قادیان نے مجھے کیا کچھ دیا ہے۔ اور ہر ایک وزیٹر کو دے سکتی ہے۔ آخر میں میَں ان تمام احباب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جن کی مہربانی سے قادیان کا قیام میری زندگی کا ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ بن گیا ہے۔

اگست ۱۹۳۱ء کے ریویو میں مسٹر عبداللہ آر سکاٹ نے قادیان کے متعلق اپنے تاثرات شائع کرائے ہیں۔ جن کے حرف حرف سے مجھے اتفاق ہے۔ فرق اتنا ہے۔ کہ انہوں نے ایک مسلمان کی حیثیت سے یہ رائے قائم کی ہے۔ اور میَں عیسائی ہونے کی حالت میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔"

سردار ارجن سنگھ جی امرتسر کے تاثرات

گذشتہ صفحات میں ہم نے مسلمانوں، آریوں، ہندوؤں، عیسائیوں، یُورپین اور امریکن پادریوں وغیرہ کے تاثرات درج کئے ہیں۔ اب ایک سکھ اہلِ قلم کے

تاثرات بھی قارئین کرام کے تفنن طبع اور ازدیاد معلومات کی خاطر ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ صاحب مذہباً سکھ ہیں۔ اور اخبار رنگین امرت سر کے ایڈیٹر اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ چونکہ انہوں نے طبع سلیم اور نکتہ رس اور حقیقت جو طبیعت پائی ہے۔ اور قادیان بھی کئی دفعہ آچکے ہیں۔ اس لئے ان کے تاثرات اپنے اندر ایک خاص شان محققانہ رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ انہیں بھی پوری توجہ اور غور کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تاکہ ناظرین قادیان کی ابتدائی اور موجودہ حالت اور جماعت احمدیہ کی ابتدائی اور موجودہ پوزیشن کو سامنے رکھکر موازنہ کر سکیں اور دیکھ سکیں کہ جس کس مپرسی و بیچارگی اور تنہائی کے زمانہ میں خدا کے مسیح نے قادیان، احمدیہ جماعت اور اپنے مشن کی ترقی و تعالی کے متعلق غیب سے اطلاع پاکر پیشگوئی فرمائی تھی۔ وہ کس طرح حرف بحرف پوری ہوئی۔ اور الٰہی وعدوں کے ماتحت خدا تعالیٰ نے قادیان اور جماعت احمدیہ کی شہرت و نیکنامی کو بڑھایا اور چمکایا۔ اور حضرت علیہ السلام کا مبارک اور مقدس مشن آسمانی بشارتوں کے ماتحت کتنی سرعت اور تیز رفتاری کیساتھ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا اپنے پرایوں کو ورطۂ حیرت میں ڈالتا چلا جاتا ہے۔ جو ثبوت ہے اس امر کا کہ یہ سلسلہ یا دینی کاروبار کسی انسانی کوششوں کا رہین منت نہیں۔ بلکہ اس کی تہ میں خدائے قدیر کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اور جو فیصلہ کر چکا ہے کہ اس کے محبوب بندہ نے مخالف حالات میں جو پودا لگایا تھا۔ وہ بڑھے۔ پھولے، پھلے، اور آخر کار تناور درخت ہو کر ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لے لے۔

" قادیان ابھی تھوڑا عرصہ گذرا ایک معمولی گاؤں تھا۔ جب مرزا غلام احمدؐ صاحب نے نبوت و مہدویت کا دعویٰ کیا، قادیان کو کوئی پنجاب میں بھی نہ

جانتا تھا۔ بلکہ شاید خود ضلع گورداسپور میں بھی اس گاؤں کو کوئی خاص شہرت و اہمیت حاصل نہ تھی۔ لیکن مرزا صاحب کے ظاہر ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ یہ گاؤں ایک عالی شان قصبہ بن گیا۔ بلکہ آج یہ گاؤں ساری دنیا میں شہرت حاصل کر چکا ہے۔ اور دُنیا کے دُور دراز حصوں میں اس گاؤں کی شہرت ہو چکی ہے۔

قادیان بٹالہ سے بارہ میل فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں بٹالہ سے ایک کچی سڑک کے ذریعہ آمد و رفت تھی۔ مگر میرزا جی کے مُرید کہتے ہیں کہ میرزا جی نے کئی سال ہُوئے۔ یہ کہا تھا کہ اس گاؤں میں ریل جاری ہوگی۔ اور اس گاؤں کی شہرت ساری دُنیا میں پھیل جاوے گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ میرزا جی کے اس کہنے کے مطابق قادیان ساری دُنیا میں مشہور ہو چکا ہے۔ اور یہاں ریل بھی جاری ہو چکی ہے۔ قادیان کے اِردگرد عالیشان کوٹھیوں اور فلک بوس عمارتوں کا جو سلسلہ جاری ہو چکا ہے وہ بتلاتا ہے کہ تھوڑے عرصے میں قادیان ہندوستان کے مشہور شہروں میں شمار ہونے لگیگا۔

قادیان کے میرزا صاحب نے اپنا دعویٰ دنیا کے سامنے رکھا۔ اور مُسلمانوں سے کہنا شروع کیا۔ کہ مَیں ایشور کی جانب سے اس کا گیان لے کر آیا ہوں۔ تو مُسلمان مولویوں، مُسلمان پیروں اور مُسلمان لیڈروں نے میرزا جی کے اس مشن کی سخت مخالفت شروع کر دی۔ بیشمار کتابیں، رسالے، پمفلٹ ٹریکٹ، پوسٹر اور ہینڈ بل میرزا جی کے خلاف شائع ہُوئے۔ جلسوں، وعظوں، لیکچروں اور تقریروں کے ذریعہ مولوی لوگوں نے مسلمانوں کو میرزا جی کی مُریدی سے روکا۔ مگر ہم حیران ہیں کہ اتنی

شدید مخالفت، اتنی سخت رکاوٹ کے باوجود آج احمدیوں کے قول کے مطابق لاکھوں مُسلمان احمدی بن چکے ہیں۔ اور سچّی بات تو یہ ہے کہ کوئی شہر کوئی قصبہ کوئی گاؤں ایسا نہیں ہے جہاں میرزائی نہ ہوں۔ میرزائیوں کے مبلغ ہر شہر، ہر صُوبہ اور ہر ملک میں پرچار کرتے پھرتے ہیں۔ اور اس جوش اور محبت سے کام کرتے ہیں۔ کہ **ہندوستان کی کوئی سبھا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی**۔ یہی وجہ ہے کہ احمدی خیالات دن بدن دُنیا میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ اور لوگ جوق در جوق اس نئے مذہب میں شامل ہو کر دنیا کے لئے نمونہ بن رہے ہیں۔

قادیانی انتظام

تم قادیان میں چلے جاؤ، وہاں دیکھو گے کہ جابجا مدرسے مکتب اور زنانہ و مردانہ درس گاہیں موجود ہیں۔ یہ بات ضرور حیرانی میں ڈالنے والی ہے کہ جہاں مسلمانوں کے دُوسرے پیر مسلمانوں کو علم پڑھنے اور خاصکر انگریزی سیکھنے سے منع کرتے رہے ہیں۔ وہاں قادیان والے بزرگوں نے خود انگریزی پڑھنے اور سیکھنے کا کافی انتظام کر رکھا ہے۔ بلکہ لڑکیوں تک کو علم کے زیور سے آراستہ بنانے کی بنیادیں رکھدی ہیں۔ چنانچہ قادیان کے زنانہ مدارس میں صدہا لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔

دفتر جابجا کھُلے ہیں۔ باقاعدہ محکمے مقرر کئے گئے ہیں۔ کہیں تبلیغ اور پرچار کا محکمہ ہے تو کہیں تعلیم کا محکمہ کھُلا ہے۔ کوئی ناظر اُمور عامہ ہے تو کوئی ناظر اُمور خارجہ۔ اور ان تمام محکموں پر ایک ناظر اعلیٰ مقرر ہے۔ جو تمام محکموں کی نگرانی کرتا ہے۔ ہر ہر محکمہ میں کئی کئی کلرک ہیں۔ الغرض یہ باقاعدہ انتظام بتلا رہا ہے کہ منتظم ایک اعلیٰ پایہ کا انسان ہے۔

انجمن احمدیہ کا ہیڈ کوارٹر تو قادیان ہے۔ مگر ملک کے تمام حصّوں میں

جہاں چار گھر بھی میرزائیوں کے ہیں۔ وہاں انجمن احمدیہ قائم ہیں۔ اور انجمن اپنے کام مرکز کی اجازت اور مرضی کے مطابق کرتے ہیں۔ گویا ایک زنجیر کی یہ تمام کڑیاں ہیں۔ صدر دفتر سے جو حکم جاری ہوتا ہے۔ اسپر تمام ملک نہایت پریم اور محبت سے کام کرتا ہے۔ اور ہر حکم کی تعمیل کے لئے آنکھیں بچھائے رکھتا ہے۔ یقیناً اس عقیدہ کا نمونہ دُنیا بھر میں کہیں نظر نہیں آتا؛

احمدیوں کے نزدیک خلیفہ کا ہر حکم ماننا ضروری ہے۔ خلیفہ جو کچھ کہدے وُہ ان کے لئے قانون بنجاتا ہے۔ اور سچی بات تو یہ ہے۔ کہ سارے ہندوستان میں ایسا کوئی مذہبی یا سیاسی ریفارمر نہیں ہے۔ جس کے حکموں کو اُس کے مُرید اس طرح مانتے ہیں۔ جس طرح کہ خلیفہ قادیان کے حکموں کو احمدی تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہی خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے یہ گروہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے؛

خلیفہ کی ہر آواز کی تعمیل کرنے کے لئے آپ کے مُرید ہر وقت تیار ہیں۔ اور خلیفہ کے حُکم پر جانوں تک کی بھینٹ پیش کرنے کو احمدی اپنی خوش نصیبی اور مُکتی کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ یقیناً یہ نظارہ بیحد حیرت اور دلچسپی کا موجب ہے۔ اور ہم کو یقین ہے۔ کہ جب تک اس گروہ میں حُکم برداری اور تنظیم کا یہ سلسلہ جاری رہیگا۔ دُنیا کی کوئی طاقت مقابلہ نہ کر سکے گی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اگرچہ مولوی صاحبان اور احرار ان کی مخالفت میں اپنی تمام قوتیں اور طاقتیں صرف کر رہے ہیں۔ مگر یہ گروہ دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ اور مخالفت کا کوئی اثر ان لوگوں پر نہیں پڑ رہا۔ یہ ہے اتفاق کی برکت۔ اور یہ ہے سنگٹھن اور اتحاد کا نتیجہ اس سے تمام ہندوستانیوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اگر سارا ملک

کسی ایک حکم کے ماتحت آجاوے۔ تو ہندوستان فی الواقع جنّت بن سکتا ہے۔ اور تمام جھگڑے ختم ہوکر سارا ملک ایک کُنبہ کیطرح زندگی بسر کرسکتا ہے ؛

قادیانی جائیداد

احمدیوں کی انجمن کے پاس لاکھوں روپیہ کی جائیداد ہے۔ جس کے انتظام کے لئے ایک علیحدہ محکمہ جاری ہے۔ اگرچہ قادیان میں اکثر لوگوں کی پرائیویٹ جائیدادیں بھی ہیں۔ مگر خود انجمن کی کافی جائیداد ہے۔ جن کی فروخت سے لاکھوں روپیہ وصول ہوسکتا ہے۔ قادیان کے تمام دفاتر، تمام مدارس اور تمام انسٹیٹیوشنوں کی عمارتیں انجمن کی اپنی ملکیت ہیں۔ اس کے علاوہ قادیان کے گرد و نواح میں کئی گاؤں انجمن کی اپنی ملکیت ہیں۔ علاوہ براں سندھ میں کئی گاؤں ایسے ہیں۔ جو احمدیوں کی پرائیویٹ جائیداد ہونے کے علاوہ ان کا بیشتر حصہ انجمن کی ملکیت ہے۔ اور اس طرح انجمن کو ہزارہا روپیہ محض جائیدادوں کے کرایہ اور فصلوں وغیرہ کے ذریعہ وصول ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ ماہوار مستقل چندوں کے ذریعہ اور ہنگامی عطیوں کے ذریعہ بیشمار روپیہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اور ہم بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ قادیان کی انجمن کی حیثیت انکی آبادی تعداد اور اہمیت کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے۔ کہ غیر ممالک میں بھی جہاں کہیں قادیانی مشن قائم ہوئے ہیں۔ اُن میں سے اکثر مقامات پر احمدیوں نے اپنی عمارتیں بنوائی ہیں۔ اکثر ممالک میں احمدی جماعت نے مسجدیں بھی تعمیر کرلی ہیں۔ اور ہم بڑے دعوے سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس جماعت کی مالی حالت نہایت مضبوط ہے۔ اور چندوں اور آمدن کی حیثیت سے ہی اس جماعت کی حیثیت کافی بلند ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس جماعت کی ساکھ

مستقل بنیادوں پر قائم ہے۔ اور لوگ اس کے طور وطریقوں کو بیحد پسند کرتے ہیں۔ آپ یہ سُنکر حیران ہوں گے۔ کہ کئی ہزار عورتوں اور مردوں نے اپنی جائیداد کے ۱/۱۰ حصّہ تک صدر انجمن احمدیہ کے نام وصیّت کر رکھی ہے۔ اور اس طرح کہا جاسکتا ہے۔ کہ کروڑوں روپیہ کی ایسی جائیداد وہ ہے جو مستقبل قریب میں انجمن کی ملکیت ہونے والی ہے۔ اسپر طرہ یہ ہے کہ آئے دن احمدی اپنی جائیدادوں کو وصیتیں کرتے جارہے ہیں۔ اور یہ ایک ایسا سلسلہ ہے۔ جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ ہندوستان میں اور بھی قومیں ہیں۔ بہت سی جماعتیں، مجلسیں، انجمنیں اور سبھائیں ہیں۔ لیکن نہ تو تنظیم و سنگٹھن کے لحاظ سے اور نہ ہی اپنے لیڈر کی فرمانبرداری کے اعتبار سے کوئی جماعت احمدیوں کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ .....

ان لوگوں کی مالی حالت بہت مضبوط ہے۔ اور یہ لوگ بالعموم مالدار اور صاحب حیثیت ہیں۔ ان میں اچھے خاصے زمیندار، تاجر اور ساہوکار موجود ہیں۔ امداد باہمی کے طریقوں کو ان لوگوں نے خوب سمجھ رکھا ہے۔ اگر کسی دولتمند احمدی کو گھریلو کام کاج کے لئے کسی خدمت گار کی ضرورت ہو۔ تو وہ کوشش کرے گا۔ کہ کسی ہم مذہب کی خدمت حاصل کرے۔ اور اگر کسی کاروباری یا تاجر کو مینجر یا منیم کی ضرورت ہو گی۔ تو وہ اپنے ہی کسی ہم عقیدہ کو ترجیح دیگا۔ یہی وہ سپرٹ ہے۔ جس نے اس جماعت کے درجہ کو اتنا بلند کردیا ہے۔ کہ ہر کوئی ان لوگوں کو رشک سے دیکھتا ہے۔ اور دوست دشمن سب کی متفقہ رائے ہے۔ کہ اس جماعت نے دُنیا کے سامنے ایسا نمونہ رکھا ہے۔ جس کی ہر ایک مہذب سوسائٹی کو تقلید کرنی چاہیئے۔ روز افزوں ترقّی نے بعض حاسدوں کو دشمنی پر

آمادہ کر دیا ہے۔ اور چونکہ یہ قاعدہ ہے۔ کہ ناکام انسان اکثر کامیاب لوگوں کو دیکھکر جلا کرتے ہیں۔ اس لئے بعض حاسد، احمدیوں کے اقبال، جاہ و جلال کو دیکھ کر جل رہے ہیں۔ اور ان کو نیچا دکھلانے کے لئے ایسے ذرائع اختیار کر رہے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ آتش حسد میں جل کر کباب ہو رہے ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ اپنے اندر ایسی تنظیم پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ جو جماعت نے پیش کر دی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جانتے ہیں۔ کہ احمدیوں کو بھی اس نچلے درجہ پر لے آویں۔ جہاں یہ خود اپنی کرتوتوں سے پہنچ چکے ہیں۔" الخ (از سیر قادیان)

مسٹر اختر بی۔ اے پٹنہ کے تاثرات

یہ صاحب ۱۹۳۵ء میں قادیان تشریف لائے۔ اور یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر جو اثر انکے قلب نے لیا۔ وہ اپنے الفاظ میں الفضل میں شائع کروا دیا۔ جو درج ذیل ہے:۔

" قدرت کی ایک دل خوش آواز میری افسردگی اور پژمردگی کی حالت میں ممد و معاون بنی۔ اور کشاں کشاں دیار مقدس میں لے گئی۔ اور میں عالم خاموشی میں اصلیت کی جستجو کرتا رہا۔ ابھی اس کو عیاں کرنا نہ چاہتا تھا۔ کہ جوش طبیعت نے اظہار حقیقت پر مجبور کر دیا۔ چند ایک سطور سپرد قلم کر کے ارسال خدمت ہیں۔ خداوند کریم کے فضل و کرم سے میرے دل میں جذبۂ اسلامی تو ہمیشہ ہی رہا ہے۔ مگر فرائض آوری میں اکثر کوتاہی ہوئی۔ ایک شب میں نے عالم حیرت میں ایک عجیب بشارت سنی۔ جس نے مجھے خواب غفلت سے بیدار کر دیا۔ اور میرے سینہ میں نور کی جھلک پیدا کر دی۔ جو کشاں کشاں مجھے قادیان لے پہنچی جہاں

تبلیغ حق نے مجھے تلاشِ حق کی راہ پر قدم زن کیا۔

قادیان ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ مگر منبع حیاتِ جاوداں ہے جس میں اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ مسجدیں پانچوں وقت بھرپور رہتی ہیں۔ اور بچہ، بوڑھا، جوان، فرائض دینی کی بجاآوری میں مشغول۔ چند ایک کتب کے مطالعہ نے میرے دل پر ایسا گہرا اثر کیا۔ کہ میں محوِ حیرت ہوگیا۔ اور شب و روز کتب بینی میں مصروف رہا۔ جب کوئی کتاب شروع کرتا۔ تو ختم کئے بغیر اُسے چھوڑنے کو دل نہ چاہتا۔ اور ہر آن میری پیاس بڑھتی جاتی۔ حضرت امام جماعت احمدیہ کی خدمت اقدس میں حاضر رہنے۔ درس قرآن میں شامل ہونے اور خطبہ جمعہ سننے کے مواقع بھی ملے۔ ہر موقعہ پر ان کو نورٌ علیٰ نور پایا۔ اور گوناگوں خوبیوں میں رنگا ہوا دیکھا۔ کیا بلحاظ عالم، فاضل، لیکچرار، امام اور کیا بلحاظ سیاست دان یکتا ہی دیکھا۔ دُوسری طرف جماعت احمدیہ کی عقیدت اور ایثار پر قربان جائیے۔ ہر شخص ہر وقت فرمان امام کی بجاآوری میں مستعد اور طیار نظر آتا ہے۔ جس سے بھی ملنے کا موقعہ ملا۔ اسے اخلاق حسنہ، شرافت اور یگانگت میں ملبوس دیکھا۔ اور چند روز کے قیام نے میرے دل پر بیحد اثر کیا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے اپنے فرائض کی انجام دہی کیلئے تقسیم اوقات کر رکھی ہے۔ اور ممدوح کا ہر ایک لمحہ قیمتی ہے۔ میں حیران تھا کہ ایک انسانی ہستی کس طرح سب امور سرانجام دے رہی ہے۔ اور ہر ایک معاملہ کو نہایت خوش اسلوبی سے پورا کر رہی ہے۔"

(الفضل ۲۴ر نومبر ۱۹۳۵ء)

یہی نہیں اسی طرح کے اور بھی کئی ایک عینی شاہدوں کے تاثرات

درج کئے جا سکتے ہیں۔ مگر سلیم الفطرت اور حق پسند اصحاب کیلئے تو یہ بھی بہت کافی ہیں۔ اور انہی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ آپ کے خلفائے کرام اور جماعت احمدیہ کی اصل شان کیا ہے۔ اور حق کے دشمن اور صداقت کے مخالف حضور علیہ السلام اور آپؑ کے مشن کے متعلق جو واہی تباہی اور لغو و بیہودہ باتیں مُنہ سے نکالتے رہتے ہیں وہ کس قدر حقیقت سے دُور اور بے بنیاد ہیں۔

اِن عینی شاہدوں کی شہادتوں سے ہمارے ناظرین نے معلوم کر لیا ہو گا۔ کہ خدا کے مسیحؑ کی قائم کردہ جماعت میں دین حنیف کے لئے کس قدر والہانہ عقیدت پائی جاتی ہے۔ اور اسیر اسلام کا کتنا گہرا اور چوکھا رنگ چڑھا ہؤا ہے۔ اور یہ دین محمدیؐ کی اشاعت و ترقی کے لئے اپنے اندر کیسے کیسے ولولے، اُمنگیں، اور جوش رکھتی ہے۔ اور اسلام کی خاطر کس طرح ہر آن قُربانیاں کرنے پر آمادہ و تیار رہتی ہے۔ کیا یہ اُمور اس بات کا ثبوت نہیں۔ کہ جس وجود باجود نے ان کی تربیت فرمائی۔ اور ان کے اندر ایسی پُر کیف سپرٹ پیدا کی۔ وہ جھوٹا اور مفتری نہیں، بلکہ صادق۔ خدا کا پیارا، اسکا محبوب اور مخلص بندہ تھا۔ اور اگر ہمارے مخالفین بھی ہر قسم کے تعصّبات سے الگ ہو کر ان حالات کو مدّنظر رکھتے ہوُئے غور کریں۔ تو انہیں حضور علیہ السلام کی صداقت معلوم ہو سکتی ہے۔ انہیں کم از کم اتنا تو یاد رکھنا چاہیئے کہ:-

"کسی نفس قدسی کی صداقت معلوم کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہوتا ہے۔ کہ اُس کے متبعین اور پیروؤں کو دیکھا اور معلوم کیا جائے کہ وہ کیسے لوگ ہیں۔ ان میں اور دُوسروں میں کوئی نمایاں امتیاز پایا جاتا ہے یا نہیں۔ وہ نیک اعمال میں ترقی کرنے اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال اور اوقات خرچ کرنیوالے

ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ناپاک افعال میں منہمک رہنے والے ہوں۔ تب بیشک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان کا راہنما انہیں بُرے راستہ کی طرف لے جارہا ہے۔ مگر جس آقا کے خدّام پاکباز صلحاء اور اتقیاء کے زمرہ میں شمار ہوں جو دوسروں کی نسبت اپنے اعمال اور افعال میں نمایاں نظر آتے ہوں۔ ان کا ہادی اگر سچّا نہیں۔ تو خُدارا بتلاؤ۔ اسے کس مُنہ سے جھوٹا کہا جا سکتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوّت قُدسیہ نے آپ کے ماننے والوں پر جو حیرت انگیز اثر کیا ہے۔ اس کا پہلا نشان یہ ہے کہ سلسلہ احمدیہ کا ہر فرد دین کو دُنیا پر مقدّم رکھنے کا عہد کرتا ہے۔ اور پھر حتی المقدور اس کی پابندی کرتا ہے۔ ہر احمدی یہ آرزو اور تڑپ رکھتا ہے کہ خُدا تعالیٰ اسے خدمت دین کا موقعہ عنایت فرمائے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے۔ کہ کاش اشاعتِ اسلام میں وہ بھی کوئی مفید کام سر انجام دے سکے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سلسلہ احمدیہ اپنے مقدس بانی کی پاکیزہ تعلیمات کے اثرات سے تبلیغ اسلام کا نہایت شاندار کام کر رہا ہے۔ اور ایسا شاندار کام کر رہا ہے۔ کہ صفحۂ دُنیا پر کسی اور جگہ اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ مال میں تعداد میں ظاہری شان و شوکت میں، اسباب اور ذرائع ہیں۔ دُوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں جماعت احمدیہ کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ کیا نعوذ باللہ جھُوٹے اور مفتری نے اسلام کی خدمت کرنے والی، اور اسلام پر فدا ہونا، اپنی سعادت عظمیٰ، یقین کرنے والی جماعت بنائی؟

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نہیں کیا۔ کہ لوگوں کو چُن چُن کر اپنے سلسلہ میں داخل کیا ہو۔ اور مختلف قسم کے عیوب میں مبتلاء اور نقائص سے پُر لوگوں کو دھتکار دیا ہو۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے سایہ میں جگہ دی۔ اور جتنی

کسی میں زیادہ کمزوری دیکھی، اتنی ہی زیادہ اسپر شفقت کی۔ آپ نے نمازوں سے غافل، روزوں سے بے پرواہ، زکوٰۃ و حج پر ہنسی اُڑانے والے اور قرآن پاک کو پراگندہ خیالات کا مجموعہ سمجھنے والوں کو لیا۔ اور انہیں عاشق قرآن، پابند صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ و حج کی معقولیت کا قائل کر دیا۔ پھر یہ نہیں کہ آپ کے پیرو جاہل ہیں۔ بلکہ علماء و فضلاء، ڈاکٹر، وکیل، بیرسٹر، تاجر۔ غرض ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگ ان میں پائے جاتے ہیں۔ آپؑ اگر نفس قدسی نہیں رکھتے تھے۔ تو آپؑ کی آواز پر دین کے خادموں اور دین پر عمل کرنے والوں کا اجتماع کیونکر ہو گیا۔ اگر آپؑ (نعوذ باللہ) مفتری تھے تو آپ کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے عشّاق کیونکر پیدا ہو گئے۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے اس قول سے فائدہ اُٹھائیے۔ کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پھر حضرت مسیحؑ کا یہ بھی قول ہے۔ کہ اچھا درخت اچھا پھل لاتا ہے۔ اور بُرا درخت بُرا پھل لاتا ہے۔ اچھا درخت بُرا پھل نہیں لاسکتا۔ نہ بُرا درخت اچھا پھل لاسکتا ہے۔ جو درخت اچّھا پھل نہیں لاتا۔ وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ بس ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔

مصلحین اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کے پھل ان کے ماننے والے اور ان کی بتائی ہُوئی تعلیم پر عمل کرنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی اعتقادی اور عملی حالت کو دیکھکر نہایت آسانی کے ساتھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جس انسان کو انہوں نے اپنا ہادی اور راہنما تسلیم کیا ہے۔ وہ کیسا ہے۔ لیکن افسوس کہ اس زمانہ میں لوگوں پر اس قدر غفلت طاری ہے کہ اتنی موٹی اور صاف بات سے بھی وہ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ مگر ہمیں اُمید ہے۔ کہ اس معیار سے شقی ازلی اگر فائدہ نہ اُٹھائیں۔ تو اس کو سامنے رکھکر

سلیم الفطرت اصحاب تو ضرور فائدہ اُٹھائیں گے۔ اور حق کے قبول کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔

جماعت احمدیہ اسلام کی دشمن نہیں بلکہ یہی حقیقی خادمِ اسلام ہے،

آج حق کے بیری اور صداقت کے دشمن حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آپؑ کے خلفائے کرام، اور جماعت احمدیہ کو کافر، ضال، مضل، دجّال اور گمراہ اور دائرہ اسلام سے خارج، قرآن کا مخالف، اسلام کا بیری، اور ملّت اسلامیہ کا دشمن کہیں۔ اور عوام کالانعام کو بھی یہی باور کروائیں۔ مگر جن اصحاب نے گذشتہ صفحات کا مطالعہ کر لیا ہے۔ امید ہے کہ وہ آئندہ اس قسم کی خرافات کا شمہ بھر بھی اثر نہ لیں گے۔ بلکہ اس قسم کی ہزلیات کی قرار واقعی تردید بھی کریں گے۔ اب ہم اُن عقل و خرد سے خالی اور حق و صداقت سے دُور مخالفوں سے بھی یہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اگر بانیٔ سلسلہ احمدیہ اور آپ کے متبعین واقعی اسلام کے دشمن اور ملّت اسلامیہ کے مخالف ہیں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ آج عیسائیت کے علمبردار، اور آریہ سماج کے پرچارک، اپنی ترقی میں روک اگر کسی کو سمجھتے ہیں، تو وہ کسی حنفی کو نہیں، کسی شیعہ کو نہیں، کسی اہلحدیث کو نہیں، کسی چکڑالوی کو نہیں۔ بلکہ احمدیہ جماعت ہی کو سمجھتے ہیں۔ آج اگر مسیحی مناد اور آریہ اُپدیشک کسی قوم یا گروہ کے نام سے لرزہ براندام نظر آتے ہیں تو وہ احمدی اور صرف احمدی ہیں۔ نہ کہ غیر احمدی مسلمان۔ اگر صلیبی اور سماجی حلقوں میں کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ تو کیا وہ غیر احمدی علماء کی کوششوں سے مچی ہے، یا احمدیوں کی مساعی جمیلہ کی بدولت؟ اگر مسیحی و سماجی حلقوں میں پادری زویمر اور شردھانند جیسے دشمنانِ اسلام گشتی چٹھیوں کے ذریعہ مسلمانوں کی کسی جماعت کی تبلیغی

کوششوں سے خبردار رہنے، اور ان کے مقابلہ سے بچنے کے لئے ہدایات دیتے رہے ہیں۔ تو کیا وہ غیر احمدی مسلمانوں کی کوئی جماعت ہے یا احمدیہ جماعت ہے؟ اگر یہ احمدیہ جماعت ہے۔ کہ جس کے تبلیغی جہاد سے مخالف کیمپ میں زلزلہ آرہا ہے۔ اگر یہ احمدیہ جماعت ہے کہ جس کے ولولۂ تبلیغ کی بدولت زویمر اور شردھانند پریشان ہو گئے۔ تو یہ کہاں کی دیانتداری ہے۔ کہ ممبروں پر چڑھ چڑھ کر اسلام کے ان بے غرض شیدائیوں۔ اور بے نفس فدائیوں پر سبّ وشتم کی بوچھاڑ کی جائے۔ اور انہیں اسلام اور حضور نبیؐ علیہ السلام کا مخالف بتلایا جائے؟ آپ لوگوں کو معلوم نہیں

خدا نے جماعت احمدیہ کو نصرت بالرعب عطاء کی

کہ رعب ایک ایسی نعمت ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اور اس قوم کو بخشی جاتی ہے۔ کہ جس کے لئے غلبہ اور شوکت مقدر ہو چکی ہو۔ قرن اول میں مٹھی بھر مسلمانوں کو ان کے رعب نے جیسے جیسے نازک اور خطرناک اوقات میں بڑے بڑے طاقتور اور قومی دشمنوں پر غلبہ حاصل کرایا۔ ان کا ذکر تاریخ کے اوراق میں موجود ہے۔ موجودہ زمانہ میں اسلام کے دو ہی سب سے بڑے دشمن ہیں، مسیحیّت اور آریہ سماج۔ چونکہ یہ ہر ایک قسم کے دُنیوی ساز و سامان، طاقت اور قوت سے آراستہ ہیں۔ لیکن ان کے منصوبوں کو باطل کرنے اور مذہبی میدان میں شکست فاش دینے کے لئے خُدا تعالےٰ نے ایک چھوٹی سی بے سروسامان جماعت احمدیہ کو محض اپنے فضل وکرم سے جسقدر قوت اور رعب عطا کیا ہے۔ اور اس کا جو اثر مسیحیوں اور آریوں پر پڑا ہے۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ پادریوں پر احمدیت کا جو رُعب طاری ہے۔ اُس کا حال اُوپر مذکور ہو چکا ہے۔ اب

آریہ سماجی کیمپ سے نکلی ہوئی چلاہٹ کو بھی سُن لیجیئے۔ معلوم ہو جائیگا کہ خُدا کے مسیح کی قائم کردہ جماعت ہاں سرفروش اور اسلام کی والہ و شیدا جماعت کا وجود کس طرح اسلام کے دشمنوں کے دلوں میں کھٹک رہا ہے۔ اور ان کے سُکھ اور چین کو برباد کر رہا ہے۔ اگر واقعی احمدیہ جماعت اسلام سے بے تعلق بلکہ اس کی (نعوذ باللہ) دشمن ہوتی۔ تو آج پادریوں کی طرح آریہ بھی کیوں اس کے نام سے کانپتے۔ مسیحیوں کی طرح آریہ بھی کیوں اس کو اپنی ترقی میں سدّراہ سمجھتے؟ ان دشمنانِ اسلام کا اپنا سب سے بڑا دشمن احمدیہ جماعت کو سمجھنا ہی بتلاتا ہے۔ کہ حقیقت میں اگر کوئی جماعت اسلام کے لئے سچّا درد، حقیقی تڑپ اور فدائیت کا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہے۔ تو وہ احمدیہ جماعت اور یقیناً احمدیہ جماعت ہے۔ اسلامی جوش میں

دشمنان اسلام پر احمدیت کا رُعب طاری ہے۔

سرشار احمدیوں کا جو رعب دشمنوں پر طاری ہے۔ اس کا مفصّل تذکرہ تو بشرطِ صحت پھر کبھی کریں گے، لیکن نمونتہً ایک غالی، متعصّب اور اسلام اور احمدیت سے بدترین عداوت رکھنے والے ایک آریہ سماجی کی چلاّہٹ اور بلبلاہٹ درج ذیل کر دیتے ہیں۔ تاکہ ہمارے نیکدل، بے تعصب اور حق پسند مُسلمان بھائی جان سکیں کہ خُدا تعالیٰ نے اس زمانہ میں جس قوم یا جماعت کے ہاتھوں اسلام کا غلبہ مقدر کیا ہے۔ اور دشمنان اسلام کو جس کے مخلصانہ و سرفروشانہ تبلیغی جہاد کی بدولت خائب و خاسر ہونا پڑیگا وہ حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی، شیعہ، اہلحدیث وغیرہ نہیں۔ بلکہ احمدیہ جماعت اور صرف احمدیہ جماعت ہے۔ ہاں وہ احمدیہ جماعت جس کو خدائیتعالیٰ کے محبوب اور پیارے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلام کی اشاعت

اور ملّتِ اسلامیہ کی شوکت بڑھانے کے لئے دُنیا میں قائم کیا ہے۔

مندرجہ ذیل تاثرات ایک ایسے شخص کے قلم سے برآمد ہوئے ہیں۔ جو اسلام اور احمدیت کی دشمنی میں حد سے بڑھا ہوا ہے۔ اور جس نے احمدیت پر جا بجا نیش زنی بھی کی ہے۔ مگر ہم اس کی نیش زنی پر کسی قسم کے ریمارک نہ کرتے ہوئے اس کا اصل مضمون من و عن درج ذیل کئے دیتے ہیں۔ اُمّید ہے۔ کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو نام نہاد مولویوں کے بہکاوے میں آکر مسیح پاک کی سرفروش اور تابناک قُربانیاں کرنے والی جماعت کو دشمن اسلام سمجھے بیٹھے ہیں۔ اسلام کے اس جانی دشمن کا مضمون پڑھکر اصل حقیقت تک پہنچ جائینگے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ آج اگر کوئی جماعت رُوئے زمین پر ایسی موجود ہے۔ کہ جس کا وجود دشمنانِ اسلام کے لئے واقعی سدّ سکندری بنا ہوا ہے۔ تو وہ احمدیہ جماعت اور صرف احمدیہ جماعت ہے۔ اگر اس زمانہ میں دشمنانِ اسلام کسی جماعت سے لرزہ براندام ہیں۔ تو وہ احمدیہ جماعت اور صرف احمدیہ جماعت ہے۔ اگر کسی جماعت کی تبلیغی مساعی دشمنوں کے حواس کو مختل کر رہی ہیں۔ تو وہ احمدیہ جماعت اور صرف احمدیہ جماعت ہے۔

ایک غالی اور متعصّب آریہ سماجی کے تاثرات

احمدیہ تحریک آتش فشاں پہاڑ ہے،

"مَیں نے اسلام کے اندر رہ کر اور اسلام کے ترک کرنے کے بعد مسلمانوں کے تبلیغی نظام کا خوب اچھی طرح مطالعہ کیا۔ میرے خیال میں تمام دُنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس مؤثر اور مسلسل تبلیغی کام کرنیوالی طاقت احمدیہ جماعت

ہے۔ اور میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ ہم سب سے زیادہ اس کی طرف سے غافل ہیں اور آجتک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کو شش ہی نہیں کی۔ اگر کی ہے۔ تو فی الحال ہم اسے سمجھ نہیں سکے۔ اگر ہم نے اس کی طرف کبھی دیکھا بھی تو ہماری نگاہیں اسکے بیرونی خط و خال کو دیکھ پلٹ آئیں۔ اور اس کے اندرونی حالات ابھی تک ہمارے لئے ایک بھید اور سر مخفی ہیں۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے۔ جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی تو کسی وقت موقع پاکر ہمیں بالکل جھلس دے گی۔

آریہ سماج اور جماعت احمدیہ کے تعلقات

آریہ سماج اور تحریک احمدیت کے جو تعلقات رہے۔ ان کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی طرف سے بالکل غافل نہ ہوتے۔ خاص کر پنڈت لیکھرام جی کی شہادت تو ایک ایسا سبق تھا۔ جس کو ہمیں بالکل نہ بھولنا چاہیئے تھا۔ مگر افسوس ہم نے ہمیشہ غفلت برتی۔ اور آجتک غافل ہیں۔ بظاہر خواہ معلوم نہ ہو۔ لیکن در حقیقت ہندوستان اور دوسرے ممالک میں شدھی کی تحریک کے لئے سب سے بڑی روک احمدیہ جماعت ہے۔ اور اس روک کو دور کئے بغیر ہمارے لئے پوری پوری کامیابی حاصل کرنا بالکل محال ہے۔ آج شائد میری اس بات کو تسلیم کرنے میں کسی کو تامل ہوگا لیکن زمانہ خود بتا دیگا۔ کہ میرا کہنا کس قدر صداقت پر مبنی ہے

احمدیہ جماعت کی ابتدائی حالت

آج سے تیس چالیس سال پیچھے ہٹ جائیے۔ جبکہ یہ جماعت اپنی ابتدائی حالت میں تھی۔ اور دیکھئے اس

زمانہ میں ہندو اور مسلمان دونوں اس جماعت کو کس قدر حقیر اور بے حقیقت سمجھتے تھے۔ ہندو تو ایک طرف رہے۔ خود مسلمانوں نے ہمیشہ اس کا مذاق اڑایا۔ اور اسپر لعنت و ملامت کے تیر برسائے۔ اس جماعت نے اپنی ابتدائی حالت جن جن کاموں کے کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ آج ان میں سے اکثر انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ اس زمانہ میں جب احمدیوں نے ان کاموں کی ابتدا کی تھی۔ ان کو پاگل سمجھا جاتا تھا۔ اور انکی حماقت پر ہنسی اُڑائی جاتی تھی۔ مگر واقعات یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ انپر ہنسی اُڑانے والے خود بے عقل اور احمق تھے۔

اس بارے میں عیسائی مشنریوں نے نہایت عقلمندی سے کام لیا۔ انہوں نے اسوقت سے جب احمدیہ جماعت نے جنم ہی لیا تھا کہ اسکی طرف صرف توجہ ہی نہ کی بلکہ ہمیشہ نہایت گہری نظر سے اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمان اور ہندوؤں سے زیادہ امریکہ اور یورپ کے پادری احمدیہ تحریک سے زیادہ واقف ہیں۔ ان کے پاس اس جماعت کے متعلق درجنوں کتابیں موجود ہیں۔ ان کی ہوشیاری اور باخبری کا یہ عالم ہے۔ کہ احمدیوں نے ابھی یورپ و امریکہ میں قدم ہی رکھا ہے۔ کہ تمام پادری ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ نصف صدی سے یہ جماعت اپنا خوفناک کام ہمارے مقدس ملک میں کر رہی ہے۔ مگر ہمارا متوجہ ہونا اور انسدادی تدابیر اختیار کرنا تو ایک طرف رہا۔ ہم اس سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہیں۔

جماعت احمدیہ کے حالات۔

اِس خیال سے کہ ہندو احمدیہ جماعت اور اسکے کام سے آگاہ ہو جائیں۔ مختصر طور پر اس کے متعلق کچھ

لکھتا ہوں۔ میرے کئی رشتہ دار اور دوست احمدی ہیں۔ اور میں نے ایک کافی عرصہ تک احمدی لٹریچر اور احمدیوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ اس لئے جو کچھ لکھونگا۔ سُنی سُنائی باتیں نہیں۔ بلکہ تحقیق شدہ حالات ہیں۔

اس جماعت کی دو شاخیں ہیں۔ ایک قادیانی اور دُوسری لاہوری۔ قادیانی پارٹی کا صدر مقام قصبہ **قادیان** ضلع گورداسپور پنجاب اور امام مرزا محمود احمد ہے۔ لاہوری پارٹی کا ہیڈ کوارٹر لاہور اور امام مولوی محمد علی لاہوری ایم۔ اے ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان دو پارٹیوں کی تبلیغی جد وجہد اور موجودہ حالات لکھنے سے پیشتر ان کے گذشتہ حالات بیان کرئے جائیں۔

بانی جماعت احمدیہ

اس جماعت کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ جو پنجاب کے ایک مشہور مغل خاندان کا فرد تھا۔ اس کے بزرگ ضلع گورداسپور کے مشہور رئیس اور موضع قادیان کے مالک تھے۔ مرزا قادیانی عربی، فارسی اور اُردو کا خاصا عالم اور مشہور مصنّف تھا۔ اس نے ان تینوں زبانوں میں تقریباً سو مذہبی کتابیں لکھی ہیں۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ اس کو شروع ہی سے مذہبی کتابوں کے مطالعہ اور مذہبی بحثوں کا شوق تھا۔ انیسویں صدی کے ربع آخر میں جس وقت اس کی عمر پینتیس چالیس سال کے قریب تھی۔ اُس نے ایک کتاب "براہین احمدیہ" لکھی۔ اور اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ مسلمانوں کے عقائد کے مطابق ہر ایک صدی کے شروع میں خدا کی طرف سے ایک ریفارمر آتا ہے۔ جو ان خامیوں کی اصلاح کرتا ہے۔ جو زمانے کے اثر سے مسلمانوں میں پیدا ہو چکی ہوں۔ اسلامی شریعت کی اصطلاح میں اسے مجدّد کہتے ہیں۔ براہین احمدیہ مسلمانوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اور بہت سے مسلمان مرزا غلام احمد کے پیرو بن گئے۔ عام طور پر

لئے اچھی نگاہوں سے دیکھا جانے لگا۔لیکن یہ حالت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی۔ جسکی وجہ یہ ہوئی۔کہ مرزا نے مہدی، مسیح اور کرشن اور اس کے بعد نبی ہونیکا دعویٰ کردیا۔اور کہنے لگا کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے۔اور محمدؐ صاحب اور دوسرے نبیوں کی طرح مجھ پر وحی آتی ہے۔مسلمانوں کے عقائد کے مطابق محمدؐ صاحب کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔اس لئے تمام عالم اسلامی کے علماء نے مرزا غلام احمدؐ کی سخت مخالفت کی۔اور اسپر کفر کے فتوے دئے۔

مسلمانوں کے علاوہ عیسائی اور آریہ سماجیوں سے بھی مرزا کے مقابلے ہوتے رہے۔عیسائیوں سے زیادہ تر اس کا مدمقابل پادری عبد اللہ آتھم مشہور عیسائی مبلغ و مصنف ہوتا تھا۔آریہ سماجیوں میں سے پنڈت لیکھرام جی نے اس کی خوب خبرلی اور اسکو اچھی طرح سے لاجواب کردیا۔اسکی شکست کا انتقام مرزا نے پنڈت جی کی شہادت کی صورت میں لیا۔پنڈت جی اور مرزا کے مدمقابلوں کی مفصل کیفیت جو صاحب معلوم کرنا چاہیں۔انہیں کلیات آریہ مسافر۔براہین احمدیہ اور تصدیق براہین احمدیہ کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مرزا کئی سال تک اپنا کام کرتا رہا۔آخر غالباً ۱۹۰۸ء میں اس کی موت ہوئی۔اس کے انتقال کے وقت اس کے ماننے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی۔اور اس کے مریدوں میں ہندوستان کے علاوہ افریقہ، عرب، شام، افغانستان وغیرہ کے باشندے بھی شامل تھے

مرزا کی کامیابی کی وجوہات کیا تھیں۔اور اس کی تعلیمات اور دعوٰی کی حقیقت کیا ہے۔یہ ایک علیحدہ اور بحث طلب موضوع ہے۔جسپر آئندہ کبھی مفصل طور پر لکھا جائیگا۔

بانی سلسلہ کا پہلا جانشین

مرزا کے مرنے کے بعد اس کا مشہور مرید حکیم مولوی نورالدین بھیروی اس کا جانشین ہوا۔نورالدین ایک نہایت قابل اور بیدار مغز

شخص تھا۔ اس کی کوششوں سے مرزا کے مشن کو خوب ترقی ہوئی۔ سنہ ۱۹۱۴ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ نورالدین کے مرنے پر احمدیہ جماعت میں کچھ اختلاف ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دو پارٹیاں ہوگئیں۔ اس اختلاف کی بہت سی وجوہات تھیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ اسلئے میں اسے نظرانداز کرتا ہوں۔ ان دونوں پارٹیوں کے عقائد میں بہت فرق ہے۔ لیکن طریق کار تقریباً ایک ہی ہے۔ قادیانی پارٹی کی تعداد کم از کم پانچ لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ لاہوری پارٹی کی تعداد بہت کم ہے جہاں تک مجھے علم ہے۔ صرف چند ہزار آدمی اس میں داخل ہیں۔ اب میں ان پارٹیوں کا علیحدہ علیحدہ مفصل طور پر ذکر کرونگا۔

جماعت احمدیہ قادیان

پہلے میں قادیانی پارٹی کو لیتا ہوں۔ کیونکہ تعداد اور کام دونوں کے لحاظ سے یہ دوسری پارٹی سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔ یہ لوگ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں۔ اور ان کے عقائد کے مطابق آئندہ کے لئے بھی نبی آسکتا ہے۔ ان کی تعداد جیسا کہ میں بیان کرچکا ہوں۔ کم از کم چار یا پانچ لاکھ ہے۔ جس میں دنیا کے تمام قابل ذکر ممالک کے باشندے شامل ہیں۔ ان کے تبلیغی نظام کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گذشتہ سال ان کے سالانہ جلسہ کے موقع پر چالیس سے زیادہ زبانوں میں تقریر کرنے والے موجود تھے۔ اس جماعت کی چند خصوصیات جو انکو ہندوستان کی تمام مذہبی جماعتوں سے ممیز کرتی ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

تنظیم

جس قدر یہ جماعت منتظم ہے۔ یقینی طور پر ہندوستان کی اور کوئی قابل ذکر مذہبی جماعت منتظم نہ ہوگی۔ ان کا ہیڈ کوارٹر قادیان ہے۔ وہیں ان کی سب سے بڑی انجمن ہے۔ جس کی کم و بیش تین سو شاخیں ہندوستان کے مختلف مقامات میں موجود ہیں۔ ہر ایک انجمن مرکزی انجمن کو ہر قسم کی امداد اور اطلاعات بھیجتی

رہتی ہے۔ اور اپنے امیر کے حکم کو بلا کسی عذر کے تسلیم کرتی ہے۔
ان کا اطلاعات کا محکمہ بھی نہایت مکمل ہے۔ عیسائیوں اور
آریوں کی نقل و حرکت پر انکا بچہ بچہ نظر رکھتا ہے۔ اور مرکزی انجمن کو
اطلاع دیتا رہتا ہے۔ جسقدر اس جماعت میں نئے آدمی داخل ہوتے ہیں
یا نکلتے ہیں۔ ان کے نام اور پتے مقامی اور مرکزی انجمنوں کے پاس محفوظ رہتے ہیں۔

امیر کی اطاعت

سب سے بڑی قابل تعریف بات یہ ہے کہ اس جماعت کے
تمام آدمی ذاتی مذہبی اور سیاسی غرضیکہ ہر قسم کے معاملات میں پورے
سولہ آنے اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ چند سال ہوئے۔ انکے
امام نے حکم دیا۔ کہ کھانے پینے کی چیزیں ہندوؤں سے نہ خریدی جائیں۔
جس روز سے یہ حکم دیا ہے۔ اسی روز سے ہر ایک احمدی بچہ، بوڑھا، جوان
مرد، عورت اس حکم کی نہایت سختی سے پابندی کرتا ہے۔ گذشتہ سال کو
نسلوں کے انتخاب کے موقع پر ہندوستان بھر میں ایک طوفان بے تمیزی برپا
ہوگیا۔ تقریباً ہر ایک مذہب اور فرقہ کے آدمی اپنے آپکو اس طوفان کے سامنے
ثابت قدم نہ رکھ سکے۔ مگر احمدیہ جماعت نے اپنے زرین اصول امیر کی اطاعت
کو نہ چھوڑا۔ میں نے ہوشیارپور میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ ایک بوڑھا احمدی
جو کئی سال سے گنٹھیا کا مریض تھا۔ اپنے لڑکے کی پیٹھ پر سوار ہوکر اپنے ایک
دوست کے مخالف کے حق میں رائے دینے پولنگ اسٹیشن پر آیا۔ میں نے
اس سے کہا۔ کہ آپ نے ایسی حالت میں اتنی دور آنے کی کیوں تکلیف گوارا کی۔
اس نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ "حضرت صاحب کا حکم آگیا تھا۔
اس لئے میں مجبور ہوں"۔

آپس میں ہمدردی

احمدیوں میں آپس میں بہت اچھے اور قابل تعریف تعلقات

ہیں۔ ہر ایک احمدی دوسرے سے بالکل سگے بھائیوں اور عزیزوں کا سا برتاؤ کرتا ہے۔ اور آڑے وقت میں کام آتا ہے۔ ہر ایک احمدی کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ اسکے فرقہ کے تمام آدمی ترقی کریں۔ جماعت کی طرف سے بھی احمدیوں کو مدد دینے کے لئے کئی محکمے قائم ہیں۔

پرچار کا سچا جذبہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ احمدیوں کا ہر ایک فرد۔ بچہ بوڑھا، جوان، مرد، عورت مبلغ ہے۔ اور وہ پرچار کو اپنی زندگی کا اوّلین اور محبوب ترین فرض سمجھتے ہیں۔ اور میں بلا مبالغہ کہتا ہوں۔ کہ احمدیوں کے بچوں اور عورتوں میں اپنے مذہب کے پرچار کا جو جوش پایا جاتا ہے۔ اس سے ہمارے بڑے بڑے پرچارک بھی محروم ہیں۔ احمدی طلباء کالجوں میں اپنے ہم جماعتوں اور اُستادوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔ احمدی اُستاد طلباء پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ ڈاکٹر مریضوں کو اپنے مذہب کے اصول بتلاتے ہیں۔ غرضیکہ کوئی احمدی کسی وقت بھی اس فرض سے غافل نہیں رہتا۔ میں صاف صاف اپنے ہندو بھائیوں کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ جہاں بھی کوئی احمدی مرد یا عورت موجود ہو۔ وہاں اپنے بچوں اور سادہ لوح بھائی بہنوں کو ان کے تبلیغی اثر سے محفوظ سمجھنا ایک غلطی ہے۔ جس طرح ایک ساحل پر کھڑے ہوئے شخص کے لئے سمندر کی تہ کا حال معلوم کرنا مشکل ہے اسیطرح عام ہندوؤں کیلئے احمدیوں کے تبلیغی جوش اور جدوجہد کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

یہ تو انفرادی طور پر جو کچھ ہوتا ہے، اسکا حال ہے لیکن مجموعی طور پر احمدیوں کی طرف سے جو کوششیں ہوتی ہیں۔ وہ بھی ہمارے لئے کم خطرناک اور حیرت انگیز نہیں ہیں۔ اس جماعت کے بانی کے قول کے مطابق اس جماعت کے وجود کا سب سے بڑا مقصد ہی تبلیغ ہے۔ یہ جماعت اپنے جنم کے دن سے اب تک نہایت

کارگر تدبیریں اور سرگرم کوششیں کر رہی ہے۔ اسی مقصد سے انہوں نے قادیان میں ایک زبردست تبلیغی کالج قائم کر رکھا ہے۔ جہاں مختلف ممالک کے باشندوں کو مختلف علوم اور زبانوں کی تعلیم دیکر تبلیغ اور مناظرے کیلئے تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کالج سے آجتک سینکڑوں مبلّغ اور مناظر فارغ التحصیل ہو کر نکل چکے ہیں۔

بہت سے تبلیغی وفد دورہ کرتے رہتے ہیں جنکو مقامی انجمنیں اپنے ہاں مدعو کرکے مناظرے اور تقریریں کراتی ہیں۔ اسکے علاوہ ہر قسم کے تبلیغی لٹریچر کی نشر و اشاعت کا انتظام نہایت اعلیٰ اور باقاعدہ ہے۔ اسی غرض سے کئی کمپنیاں قائم ہیں۔ اور وہ اچھّے سے اچھا لٹریچر نہایت سستے داموں پر چھپا کرتی ہیں۔

جماعت احمدیّہ کے اخبارات

ویسے تو اخبارات ہر ایک انجمن اور سبھا کی طرف سے شائع ہوتے ہیں۔ لیکن احمدیوں کے اخبار میں بہت سی خوبیاں ہوتی ہیں۔ اخبارات کے مضامین اور خبریں نہایت اچھی اور فائدہ مند ہوتی ہیں۔ اور ان کو اس سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے۔ کہ وہ ناظرین کے لئے نہایت مفید اور دلچسپ ہو جاتے ہیں۔ اس جماعت کی طرف سے مفصلہ ذیل قابل ذکر اخبارات شائع ہوتے ہیں۔

(۱) اخبار نور۔ ایک سکھ نومسلم کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ آریوں اور سکھوں میں تبلیغ کرنا اس کا مقصد ہے۔

(۲) الفضل۔ سہ روزہ اخبار ہے۔ اس میں ہر قسم کے مذہبی اور تبلیغی مضامین اور خبریں ہوتی ہیں اور نہایت قابلیت سے مرتب کیا جاتا ہے۔

(۳) الفاروق۔ غالباً ہفتہ وار اخبار ہے۔ ویدک دھرم پر اکثر نکتہ چینی

کرتا رہتا ہے۔ اسکے مضامین نہایت سخت اور گمراہ کن ہوتے ہیں۔ تاہم نہایت ہوشیاری اور شعور سے ایڈٹ کیاجاتا ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ہمارے اخبارات اس سے کچھ سیکھیں۔

(۴) سن رائز۔ پندرہ روزہ انگریزی اخبار ہے۔ انگریزی دان نوجوانوں میں تبلیغ کرنا اس کا مقصد ہے۔ اور نہایت خوبی سے اپنا کام کر رہا ہے۔

(۵) مصباح۔ عورتوں کا پندرہ روزہ اخبار ہے۔ اس میں زیادہ عورتوں کے ہی مضامین ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ اخبار اس قابل ہے۔ کہ ہر ایک آریہ سماجی اس کو دیکھے۔ اس کے مطالعہ سے انہیں احمدی عورتوں کے متعلق جو یہ غلط فہمی ہے۔ کہ وہ پردہ کے اندر بند رہتی ہیں۔ اس لئے کچھ کام نہیں کرتیں۔ فی الفور دُور ہو جائے گی۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ عورتیں باوجود اسلام کے ظالمانہ (؟) حکم کے طفیل پردہ کی قید میں رہنے کے کسقدر کام کر رہی ہیں۔ اور ان میں مذہبی احساس اور تبلیغی جوش کسقدر ہے۔ ہم استری سماج قائم کرکے مطمئن ہو چکے ہیں۔ لیکن ہم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ احمدی عورتوں کی ہر جگہ باقاعدہ انجمنیں ہیں۔ اور جو وہ کام کر رہی ہیں۔ اسکے آگے ہمارے استری سماجوں کا کام بالکل بے حقیقت ہے۔ مصباح کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ احمدی عورتیں ہندوستان، افریقہ، عرب، مصر، یورپ اور امریکہ میں کس طرح اور کسقدر کام کر رہی ہیں۔ ان کا مذہبی احساس اسقدر قابلِ تعریف ہے۔ کہ ہم کو شرم آنی چاہیئے۔

چند سال ہوئے ان کے امیر نے ایک مسجد کیلئے پچاس ہزار روپے کی اپیل کی۔ اور یہ قید لگادی۔ کہ یہ رقم صرف عورتوں کے چندے سے ہی

پوری کی جائے۔ چنانچہ پندرہ روز کی قلیل مدت میں ان عورتوں نے پچاس ہزار کی بجائے پچپن ہزار روپیہ جمع کر دیا۔

روپیہ کا سوال کسی انجمن یا تحریک کو چلانے کے لئے اخلاص، جوش صادق اور صحیح طریق کار کے بعد سب سے اہم سوال روپیہ کا ہوتا ہے۔ اس سوال کو بھی ان لوگوں نے نہایت خوبی سے حل کیا ہے۔ ان کی آمدنی کے مفصلہ ذیل ذرائع ہیں۔

(۱) ہر ایک احمدی کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی آمدنی میں سے کم سے کم ایک آنہ فی روپیہ جماعت دے۔ اور یہ لوگ اس حکم کی نہایت سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

(۲) اسلام کے قوانین کے مطابق ہر ایک شخص کو جس کے پاس تقریباً ۵۲ تولے چاندی، یا ۷½ تولے سونا۔ یا مویشیوں اور مال تجارت کی ایک خاص مقدار ہو۔ اسکو بعض شرائط کی پابندی کے ساتھ اسکا ۲½ فیصدی بطور مذہبی ٹیکس کے ادا کرنا پڑتا ہے۔ اسکو شریعت اسلام کی اصطلاح میں زکوٰۃ کہتے ہیں۔ ہر ایک احمدی مرد و عورت اپنے حصہ کی زکوٰۃ اپنی مرکزی انجمن کو دیتا ہے۔ اس طرح سے خاصی آمدنی ہو جاتی ہے۔

(۳) قادیان میں مرزا غلام احمد نے بہشتی مقبرہ کے نام سے ایک خاص قبرستان بنایا تھا۔ اسکے متعلق احمدی لوگوں کا خیال ہے کہ جو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ وہ سیدھا بہشت میں جاتا ہے۔ اور اسمیں مرنے کے بعد دفن ہونا چاہتا ہو۔ اسکے لئے لازمی ہے۔ کہ اپنی جائیداد کا کم از کم دسواں حصہ جماعت کو دے۔ اس طریقے سے احمدیہ جماعت کو ہر سال ایک کافی رقم حاصل ہو جاتی ہے۔

ان طریقوں کے علاوہ وقتاً فوقتاً امیر چندہ کی اپیلیں کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ چند ماہ ہوئے۔ امیر نے ۲۵ لاکھ کی اپیل کی ہے۔ جہانتک مجھے معلوم ہے۔ آجتک کوئی اپیل رائیگاں نہیں گئی۔

تبلیغ آجکل احمدیوں کی نظر ہندوؤں میں سے زیادہ تر اچھوتوں، بیوہ عورتوں اور انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان پر ہے۔ اور زیادہ تر وہ انہیں میں کام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انکی یہ کوشش بھی ہے۔ کہ آریوں اور سناتنیوں کو آپس میں لڑوا کر اس خانہ جنگی سے خود فائدہ اُٹھائیں۔ (یہ محض بہتان ہے۔ ناقل)

بیرونی ممالک میں اثر مَیں نے جو کچھ بیان کیا ہے۔ اسی سے احمدیہ جماعت کی سرگرمیوں کا ایک حد تک اندازہ ہو گیا ہو گا۔ اسکے علاوہ ایک اہم بات باقی ہے۔ جس کا سمجھنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ وہ یہ کہ احمدی جماعت کا اثر ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ہے۔ یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا، عرب، ایشیا کے تمام حصے غرضیکہ دنیا کا کوئی قابل ذکر ملک نہیں ہے۔ جہاں احمدیہ جماعت کی شاخ یا کم از کم کوئی احمدی کام نہ کر رہا ہو۔ یورپ کے تمام ممالک انگلستان، فرانس، جرمنی وغیرہ میں انکے باقاعدہ مشن موجود ہیں۔ امریکہ میں بھی تبلیغ ہو رہی ہے۔ افریقہ اور عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں مصر، ایران کے زرخیز متمدن ممالک ترکستان، شام، افغانستان کی خوشنما وادیوں میں غرضیکہ ہر جگہ ان کی کوششیں برابر جاری ہیں۔ اور دن بدن ترقی کر رہی ہیں۔ اگر آج ہم نے ہندوستان میں احمدیوں کا مقابلہ نہ کیا۔ اور ان کی طرف سے غافل رہے۔ تو کل کو ہمارے لئے ممالک اسلامیہ یورپ اور امریکہ میں

شُدھی کا کام کرنا ناممکن ہو جائیگا۔ آج ہم بغداد یا یورپ و امریکہ کے چند شہروں میں سماج قائم کر کے پھُولے نہیں سماتے۔ لیکن ان کے مقابلہ میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی ہم کو مطلق خبر نہیں ہے۔ ان حالات کو مدّنظر رکھتے ہُوئے۔ مَیں پھر ایک بار کہتا ہوں کہ ہمیں ذرا عقلمندی سے کام لیکر اپنے طریق کار کو بدلنا چاہیئے۔ ہماری قیمتی طاقتیں بالکل رائیگاں جا رہی ہیں۔ ہم ایسے حریفوں سے ابھی بالکل ناواقف ہیں۔ اب آئندہ کیلئے ہمیں اس تاریکی میں نہ رہنا چاہیئے۔ اور جلد سے جلد احمدیہ جماعت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اگر ہم چند سال اور اس **خوفناک جماعت** کی طرف سے غافل رہے۔ تو اسکے نتائج نہایت افسوسناک اور نقصان دہ ہوں گے۔

مُسلمانوں کا اتحاد آجتک احمدی جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ وہ ان کی ذاتی کوششیں ہی تھیں۔ دُوسرے مُسلمانوں نے کبھی بھی ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ ان کی مخالفت کی۔ اور ان کے کاموں کو تباہ و برباد کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ لیکن اب یہ حالت نہیں ہے۔ آجکل سوائے پُرانے خیال کے مولویوں کے باقی تمام مسلمان انکے مددگار اور ان کے کام کے مدّاح ہیں۔ یہ تبدیلی ایسی ہے۔ جسمیں ہمارے لئے بہت سے خطرے پوشیدہ ہیں۔ جن سے اپنے آپکو محفوظ رکھنے کا بندوبست نہ کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

(اخبار تیج دہلی ۲۵ جولائی ۱۹۲۷ء)

سیّد تاج حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی و منشی فاضل ہیڈ ماسٹر سالار والہ کے تاثرات

ایک راہنما کی ضرورت "یہ بالکل صحیح اور مسلّم امر ہے۔ کہ اگر آج احمدیت کے

علمبردار دنیائے اسلام میں موجود نہ ہوتے۔ تو اسلام حقیقی معنوں میں بالکل مٹ چکا ہوتا۔ وہ تصوّر اور اسلام کی تصویر جو یورپ کے ملحدین اور مادہ پرست فلاسفروں کے دلوں میں نام نہاد مسلمانوں کے عملی نمونہ اور قصہ کہانیوں نے جاگزین کر دی تھی۔ وہ ہرگز محو نہ ہوتی۔ اگر جماعت احمدیہ منظم پیش قدمی نہ کرتی۔ اور ان مصائب کا جرأت سے مقابلہ نہ کرتی جو آج تمام اسلامی دُنیا پر مسلّط ہیں۔ مقام غور ہے۔ وہ لوگ دُوسروں کی کیا رہبری کر سکتے ہیں۔ جو خود تاریکی و ذلّت کے بحرِ عمیق میں پڑے ہُوئے ہوں۔ مُسلمانوں کی صحیح تصویر ان کے اپنے جرائد ہی سے قارئین کرام کے پیش کرتا ہوں۔ اور پھر نہایت دردمندانہ دل سے اپیل کرونگا۔ کہ برائے خدا ایک شخص کی قیادت کا خیال دل میں لئے ہُوئے منظم ہو کر اپنے نصب العین کی تلاش کریں۔ ایک سیاسی راہ نما کو لے لیجئے۔ گاندھی جی ایسا ہر دلعزیز انسان ہندوؤں میں کہیں ڈھونڈھے نہیں ملیگا۔ اور باوجود اپنی کئی خامیوں کے وہ تاحال مختلف الخیال ہندوؤں کی راہنمائی کا دم بھر رہا ہے۔ چہ جائیکہ ایک ایسا انسان جو محض محمدؐ رسُول اللہؐ کی خاطر اپنی راحت و آرام کو خیرباد کہکر اپنی جماعت کی تنظیم کے علاوہ اب عام مسلمانوں کی بہتری و بہبودی کے لئے بھی ویسی ہی جانفشانی اور تندہی سے کام کر رہا ہو۔ جیسا کہ وہ اپنی جماعت کے لئے کرتا ہے۔ احمدیت کے بعض اصول سے متفق نہ ہونے کے باوجود میں اس تنظیمی جماعت کے اعمال و اقوال کا دل و جان سے معترف ہوں۔

علیحدہ جماعت بنانے کی وجہ

کاش انہوں نے ایک علیحدہ فرقہ کی بنیاد ڈالکر الگ جماعت پیدا نہ کی ہوتی۔ مگر شاید انہوں نے کوڑا کرکٹ

کی تنظیم پر وقت صرف کرنا محض شغل بیسود سمجھا ہو۔ اس لئے مخلصین دردمندانِ اسلام کی ایک الگ جماعت کی بنیاد ڈالکر اسمیں حقیقی اسلامی رُوح پھونکدی جو عام مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کے مقابلہ میں بہر حال اور بہمہ وجوہ فوقیت لئے ہوُئے ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ عام مسلمانوں میں زیادہ لوگ ریا کاری کو جلب منفعت کا ذریعہ بنائے ہوُئے ہیں۔ نمازیں، زکوٰۃ، روزہ اور تلاوت قرآن مجید کے بجائے ناگفتہ بہ افعال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور باوجود فحش کاریوں کے مُسلمانوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں اگر قوم کی کشتی غرق نہ ہو تو کیا ہو۔

مَیں مبالغہ سے کام نہیں لے رہا۔ غلو میرے پیشِ نظر نہیں۔ ان حالات نے مجھے مسلمانوں سے متنفّر کر دیا ہے۔ اور بعض اوقات مَیں اسلام کو بھی دیگر ادیان کی طرح الہامی مذہب ماننے سے اعتراض کرنے لگ جاتا ہوں مگر جب جماعت احمدیہ کے کسی فرد سے ہم نشینی یا سلسلہ گفت و شنید کا موقع ملتا ہے تو میرا خیال فوراً تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور مَیں ماننے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔ کہ حقیقی اسلام صرف احمدیوں کے پاس ہے۔ اور باقی لوگ محروم کر دئے گئے ہیں۔ شاید اسی لئے کہ انھوں نے جائز فائدہ نہیں اٹھایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنا نور جو بذریعہ مُحمّد رسُول اللّٰہؐ ان ناشکر گزار انسانوں کو عطاء کیا تھا۔ اسکی انہوں نے ناقدری کی۔ لہذا ان سے واپس لے لیا گیا۔ اور پھر اسے مرزا غلام احمدؐ قادیانی پر نازل کر دیا۔ وہی اس نور کے اہل نظر آئے۔ اور ہے بھی ایسا ہی۔ احمدی اپنے اقوال و افعال و اعمال سے محمدؐ رسُول اللہؐ کے جانشینوں میں سے نظر آ رہے ہیں۔"

جناب ملک احمد حسن صاحب شمس آبادی کے تاثرات

اب آخر میں ہم ایک غیر احمدی مسلمان ملک احمد حسن صاحب کا ایک بے لاگ ریویو درج کر کے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ یہ ریویو آپ نے احمدیہ لٹریچر کے مطالعہ اور احمدیوں کے اعمال و عقائد اور اسلام کے لئے ان کا تحیّر خیز ولولہ۔ اور دلی اخلاص اور ملت خیر الانام کی فلاح و بہبودی کے لئے سچی تڑپ اور حقیقی جوش کو ملاحظہ کرنیکے بعد سپرد قلم فرمایا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اسے بھی بنظر غور پڑھا جائیگا:۔

"بندہ کافی عرصہ سے جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ جو بمقابلہ دوسری تمام جماعتوں کے زیادہ کامیاب نظر آتی ہے۔ آپکی جماعت کا تبلیغی رنگ بیشک قرآن کریم کی آیت ادع الی سبیل ربك بالحکمة... الخ کے موافق ہے۔ اخلاقی پہلو میں خلق عظیم کے مالک آقائے دوجہاں رحمة العالمین خیر البشر فخر الرسل حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نمونہ دکھا رہی ہے۔ عملی حالت میں جہانتک میں نے دیکھا ہے۔ اس جماعت کو باقی تمام جماعتوں سے زیادہ مستحکم پایا جاتا ہے۔ اخوت و اصلاح کی رُو سے بھی یہ جماعت قرآن کریم آیت انما المومنون اخوةٌ... الخ کی صحیح مصداق ٹھہرتی ہے۔ استقامت دین میں تو یہ جماعت دنیا کی تمام جماعتوں سے سبقت لے گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت قرآنی ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ کے مطابق بشارات اور وعدہ امن و نجات کی مستحق نظر آتی ہے۔ علوم مختلفہ اور دنیوی عزت و وقار میں بھی باقی مذاہب سے پیچھے نہیں تہذیب و تمدن اور ہمدردی بنی نوع انسان میں اس جماعت کو خاص امتیاز حاصل ہے۔ جو سب پر واضح ہے۔

ذیل کے شرعی اہم معیار پر اگر اس جماعت کو پرکھا جائے۔ تو بھی کامل طور پر

صحیح اُترنے والی بہ نسبت باقی تمام اسلامی جماعتوں کے جماعت احمدیہ یہی دکھائی دیتی ہے:

(۱) توحید و رسالت، حقوق اللہ، حقوق العباد، اسلام اور ایمان حقیقی معنوں میں سمجھنا اور دوسروں کے ذہن نشین کرنا

(۲) اشاعتِ اسلام۔ اعلائے کلمۃ الحق میں ایثار و قربانی۔

(۳) اللہ تعالیٰ اسکے رسولوں، اسکے ملائکہ، اسکی کتابوں اور یوم آخرت پر ایمان بالغیب مسئلہ تقدیر وغیرہ جیسے اصولی اوامر پر اپنے آپکو مستحکم کرنا اور دوسروں کو مستحکم کرانا۔ اور ہر ایک حکم کو اپنے مرتبہ پر قائم رکھنا۔ اور افراط تفریط سے بچنا۔

(۴) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم نیز وشاورھم فی الامر کے احکام پر مکمل طور پر عامل ہونا۔

(۵) علم قرآن اور اس کی پوری معرفت حاصل کرنے میں لا یمسہ الا المطھرون کا مصداق ہونا۔

(۶) علم حدیث و فقہ نیز دیگر علوم (سائنس فلسفہ وغیرہ) کو بعین قرآن کریم کی مطابقت میں صحیح اور درست قرار دینا اور مخالف قرآن مسئلہ کو غلط یقین کرنا۔

(۷) عبادت (صوم و صلوٰۃ حج زکوٰۃ وغیرہ) فرائض اور واجبات کی ادائیگی پر مضبوطی سے قائم ہونا۔ اوامر و نواہی کی فہمید اور ان کی صحیح تعمیل کرنا اور کرانا۔

(۸) اخلاق فاضلہ مثلاً صبر، توکل، تسلیم، رضا، علم، مجاہد، حکمت، تواضع وغیرہ صفات سے معمور ہونا۔ اور عوام الناس کو انکے حاصل کرنے کی تلقین کرنا۔ مندرجہ بالا اوصاف کی حامل اور انکو عملی جامہ پہنانے والی صرف جماعت احمدیہ نظر آتی ہے۔ باقی کی تمام جماعتیں بہت پیچھے ہیں۔ اور اندرونی کشمکش میں مبتلا ہو کر حربۂ تکفیر سے کام لے رہی ہیں جسکی بنا پر دُنیا کے کئی کروڑ مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہوتے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اسلام کافروں کو مسلمان بنانے آیا تھا۔ مگر موجودہ اسلامی لیڈر حامیان اسلام یعنی علماء عوام کالانعام

مسلمانوں کو خواہ مخواہ دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔
چونکہ اسلام اور قرآن کا اللہ تعالیٰ ہی محافظ ہے جس نے فرما دیا۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے۔ اسی حفاظتِ اسلام کے لئے اس نے مرزا غلام احمدؐ صاحب قادیانی بانی جماعت احمدیہ کو موجودہ نازک زمانہ میں (جبکہ اسلام ہر طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا) مبعوث کیا۔ جنہوں نے زبردست اشاعت و خدمتِ اسلام کر کے قرآنی پیشگوئی۔ لیظهره على الدين كله کو میرے خیال میں بہت حد تک پورا کر دکھایا ہے۔ اور جسکا پورا ہونا مسیح موعود کے زمانہ میں مفسرین اور محدثین نے بتایا ہے۔
وہ مسلمان جو حیات مسیح ناصری علیہ السلام کے قائل ہیں سخت غلطی پر ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ عیسائیت کو تقویت دینے والا ہے۔ ہاں ممات مسیح ناصری کا مسئلہ تثلیث کے عقیدہ کو پاش پاش کر دینے والا ہے۔ بدیں وجہ اسلام میں اس مسئلہ پر مدت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ اسی طرح امام مہدی کے ظہور میں بھی مختلف عقیدے ہیں۔ کوئی فریق مسیح موعود کو ہی امام مہدی قرار دیتا ہے۔ کوئی الگ الگ دو وجود خیال کر رہا ہے۔ کوئی گروہ امام محمدؐ مہدی کو امام غائب خیال کئے بیٹھا ہے۔ اور اسکی دوبارہ آمد کا منتظر ہے۔ جو کہ ائمہ اثنا عشریہ میں سے بارھویں امام تھے۔
مرزا صاحب بانی جماعت احمدیہ نے گو اپنے دعویٰ مسیح و مہدی ہونے کے بعد اس لاینحل مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے اور بڑے دلائل دنیا کے سامنے پیش کئے ہیں۔ مگر اکثر لوگ ابھی تک اس اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں ماسوائے انکی جماعت کے۔ انکے اس دعویٰ میں غلط یا صحیح ہونے کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لیکن انکی کارکردگی و اشاعت اسلام اور اسکو غلبہ دینا۔ سینکڑوں کفار کو دائرہ اسلام میں لانا۔ اپنی جماعت کی اصلاح اور انکو اسلامی اُصول پر مستحکم اور مجتمع کر دینا ایک ایسا عظیم الشان کام ہے جو حد درجہ قابل تحسین ہے۔ جو اوصاف مسلمانوں میں ہونے چاہیئے تھے جیسا کہ میں نے اُوپر بیان کئے ہیں۔ وہ سب حضرت مرزا صاحب کی پیدا کردہ جماعت میں احسن طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ اپنے

دعویٰ میں سچے ہی ہوں۔ اگرچہ بعض مسائل ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئے۔لیکن مَیں حضرت مرزا صاحب اور انکی جماعت کی کارکردگی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جوکہ انہوں نے قوم اور اسلام کی خاطر کی ہے اور کر رہے ہیں۔کیونکہ بیسیوں لوگوں کی مثالیں میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ جو ہماری جماعتوں سے نکلکر اُن کی جماعت میں داخل ہُوئے اور ہر پہلو سے اپنے آپ کو ترقی پر گامزن کیا۔ اور نیک کردار بن گئے۔

یہ منظّم اور کارکن جماعت احمدیہ کی ایک واجب الاظہار اور قابل تعریف اسلامی خدمت اور اعلیٰ کارکردگی تھی۔ جو مدّت سے میرے زیر مشاہدہ تھی۔ اور مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ مَیں نے بغیر کسی احمدی کی معاونت یا فرمایش کے اپنے ضمیر سے یہ لکھا ہے۔ مَیں مرزا صاحب کی جماعت کا فرد نہیں ہوں۔ بلکہ حنفی مسلمان ہوں۔ مگر حامیانِ دین اور خادمانِ اسلام کا خواہاں ہوں۔ یہ چند سطور جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات کی بناء پر بباعثِ مسرّت تحریر کر رہا ہوں :؎ خاکسار ملک احمد حسین شمس آباد۔ پنجاب

یہی نہیں بلکہ اسی قسم کے اور بھی کئی ایک اصحاب کے تاثرات قابل اندراج باقی ہیں۔ مگر افسوس کہ جگہ کی قلّت اور صحت کی خرابی کے باعث ہم ان کی نقل سے معذور ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے صحت بخشی اور زندگی نے وفا کی۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ باقیماندہ تاثرات بھی رسالہ ہذا کے دوسرے ایڈیشن میں شائع کردئے جائینگے۔ لیکن دیکھا جائے تو حق پسند اور جویائے حقیقت اصحاب کے لئے مندرجہ بالا تاثرات بھی کافی سے زیادہ ہیں۔ اور سلیم الفطرت، بے تعصّب اور صِدق جُو اصحاب انہیں سے اصل حقیقت معلوم کرسکتے ہیں۔ اور انہیں پتہ لگ سکتا ہے کہ سلسلہ احمدیہ اور اسکے بانی۔ نیز مرکز احمدیت کے متعلق جس قسم کے تو اہمات ہمارے مخالف عوام کے دلوں میں پیدا کر رہے ہیں وہ کس قدر بے بنیاد اور محض افترا اور بہتان ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ دیدہ ور اور اہل نظر اصحاب ان عینی شاہدوں کی شہادتوں

اور تاثرات کا مطالعہ کر لینے کے بعد خود بھی تحقیق حق کیلئے قدم اُٹھائینگے۔ اور جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا تھا۔ کہ اس کیلئے اوّل تو خود احمدیہ لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو جماعت احمدیہ کے ممبروں سے ملیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو خود مرکز احمدیت میں آئیں اور یہاں کچھ دن رہ کر حالات کا بچشم خود مطالعہ کریں۔ تاکہ انپر سچائی اپنی پوری تابانیوں کیساتھ کھل جائے اور وہ صداقت کا اصلی، روشن اور بے نقاب چہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ ہم متوقع ہیں کہ ہمارے وہ مسلمان بھائی جو ہر طرف سے مختلف تحریکیں چلا کر بھی ناکام اور مایوس ہو چکے ہیں، وہ ہمارے مخلصانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے احمدیت کا مطالعہ کرینگے۔ اور بغیر لومۃ لائم خدا کے مقرر کردہ امام و راہنما حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی اختیار کر کے نہ صرف خود بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی۔ ہاں اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے مستفید اور حلاوت اندوز ہونے پر آمادہ کریں گے۔ تاکہ اسلام کے فدائیوں، محمد رسول اللہ کے شیدائیوں اور قرآن کریم کے عاشقوں کی تعداد بڑھے۔ اور اسلام کی ترقی و اشاعت اور ملّت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کا درد اور تڑپ رکھنے والوں میں اضافہ ہو اور منتشر اور پراگندہ مسلمان ایک جھنڈے تلے جمع ہو کر اسلام اور اسلامیوں کی ترقی و تعالی کیلئے جو کچھ ممکن ہو سکے کر گذریں۔ اور آج اسلام جس دور انحطاط میں سے گذر رہا ہے اس سے اسے نکالیں۔ اور اپنے اندر وہی صحابہ کرام والا جوش پیدا کر کے اور حضرت مہدی علیہ السلام کی ہدایات پر عمل پیرا ہو کر اسلام کو اکناف عالم میں پھیلا دیں۔ اور اس وقت جو مخالف طاقتیں اسلام اور اہل اسلام کو مغلوب اور بیکار کر دینے پر آمادہ ہو رہی ہیں۔ انہیں صداقت کے زور سے اسلام کا ویسا ہی غلام بنالیں جیسا کہ زوال بغداد کے بعد اسلام سے سچی محبت رکھنے والے غریب الدیار مسلمانوں نے اسلام کے جانی دشمن اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے تاتاریوں کو اسلام کا روشن چہرہ دکھلا کر حلقہ بگوش

اسلام بنا لیا تھا۔ اور پھر وہی تاتاری اور مغول جو گھر سے اسلام کو نیست و نابود کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے۔ اسلام کے سر فروش مبلّغوں کی بدولت اسلامی رنگ میں ایسے رنگین ہوئے۔ کہ اس کے بعد ان کی زندگی کا مقصد ہی یہ بن گیا۔ کہ جس طرح بھی ہو۔ دُنیا کے کونہ کونہ میں اسلام کا پیغام پہنچا دیا جائے۔ چونکہ آج فتنۂ تاتار و مغول سے بھی کہیں زیادہ خوفناک فتنے اسلام کو چیلنج دے رہے ہیں۔ اس لئے ہر وہ مسلمان جو اسلام سے محبّت رکھتا ہے ہر وہ مسلمان جو محمد رسُول اللہ پر جان قُربان کر دینے کی تمنّا رکھتا ہے۔ ہر وہ مسلمان جو ملّتِ اسلامیہ کا از سرِ نو عروج دیکھنے کا دلدادہ ہے۔ وہ ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے خدا کے بھیجے ہوئے امام اور راہ نما حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی کے جھنڈے تلے آجائے۔ اور آپؑ کے فرمودہ ہدایات پر عمل کر کے دنیا کو پھر وہی نظارہ دکھا دے جو فتنۂ تاتار کے وقت بعض اللہ کے بندوں نے دکھایا تھا۔

آج مُسلمانوں کی ترقّی کالجوں اور سکولوں سے نہیں ہوگی۔ آج مُسلمانوں کی ترقّی ومتعالی لیگ اور کانفرنسوں کا ممبر ہونے میں نہیں (جس کا اقرار مسلمانوں کے ایک عالم نے بھی کیا۔ جو رسالہ کے شروع میں درج ہے) آج مسلمانوں کی ترقی سچّا مسلمان بننے میں ہے۔ خُدا کے آخری پیغام کو آویزۂ گوش بنانے میں ہے۔ اس پر عمل کرنے میں ہے۔ آج اگر مسلمان ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ آج اگر مسلمان اپنے نکبت و ادبار کو دُور کرنا چاہتے ہیں۔ آج اگر مُسلمان اپنی پُرانی مگر شاندار روایات کو تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلام اور ملّتِ اسلام کو ادیانِ عالم اور اقوام غیر پر غالب دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو خدارا وہ اس امام اور راہنما کا دامن پکڑیں۔ جو خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے

مطابق اس زمانہ میں بھیجا اس مقدّس وجود کو اپنا ہادی و پیشوا بنائیں۔ جو آسمانی نشانوں کے ساتھ اُن کی اصلاح و بہبود کے لئے مبعوث ہؤا یہ خالی مولی باتیں نہیں۔ بلکہ مُسلمانوں کے دُکھ درد کا یہی اصلی۔ حقیقی اور تیر بہدف علاج ہے۔

ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے حقیقت سے بے خبر بھائی، صداقت سے ناآشنا بھائی سنبھلیں گے۔ اور جو مخلصانہ مشورہ ہم نے انہیں دیا ہے۔ اسپر عمل کریں گے۔ تاکہ نہ صرف وہ بلکہ ان کی موجودہ اور آئیندہ نسلیں بھی دُنیا و آخرت میں سرفراز و سربلند ہو سکیں ؂

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

خاکسار

(ملک) فضل حسین احمدی مہاجر قادیان

(۱۲/۳۸ ۱۹)

تبلیغ ہدایت

مصنفہ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب پر اخبار الفضل کا ریویو

یہ ایک خاص کتاب مذکورہ بالانام سے حضرت صاحبزادہ
میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے۔ کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے حضرت
صاحبزادہ صاحب موصوف کا طرز تحریر جیسا جامع، پرمعنی، دلآویز
اور آسان ہے وہ ہماری تعریف و توصیف کا بالکل مستغنی ہے اور اسی
وجہ سے ہم اسکی نسبت کچھ نہ کہینگے ان مختصر طور پر احباب کی اطلاع
کیلئے اس تازہ تالیف کے مضامین کی نسبت کچھ ذکر کرتے ہیں تاکہ ہمارے
احباب کو اصل کتاب کیطرف توجہ پیدا ہو اور انہیں جو حقائق و معارف بیان
ہوئے ہیں ان سے فائدہ اٹھا کر تبلیغ احمدیت میں کامیابی حاصل کر سکیں۔
ابتدائی دس صفحوں میں مقدمہ کے زیر عنوان سلسلہ رسالت کی
مختصر مگر نہایت جامع حقیقت بیان کرتے ہوئے ثابت کیا ہے
کہ سلسلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات الاصفیاء کے ذریعہ اپنے
کمال کو پہنچ گیا ہے اس کیساتھ ہی روحانی تعلیم کے قرآن کریم کے
ذریعہ کمال تک پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم کی لفظی و معنوی
حفاظت کا ثبوت دیکر اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا ہے۔ اور اسکی
سلسلہ میں اسلام کی خصوصیت بیان کی ہے جو اسکی زندگی کا ثبوت
ہے کہ اسکے اندر ہمیشہ ضرورت کیوقت ایسے شخصوں کا وجود قائم رہا
جو مکالمہ مخاطبہ الہیہ سے مشرف تھے! ور پھر باوجود تعلیم روحانی مکمل
ہونیکے اسلام میں مصلحوں کی ضرورت ساتھ زبردست دلائل کے ثابت کی ہے
اس کے مقابلہ میں آخری زمانہ کے خطرناک فتنہ کے متعلق رسول کریم
صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کیطرف اشارہ کرکے موجودہ زمانہ کو
ان پیشگوئیوں کا مصداق ثابت کیا ہے اسطرح نہایت خوش اسلوبی
سے طبائع میں خود بخود موجودہ فتنہ کا علاج معلوم کرنیکی خواہش پیدا
کرکے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری سنائی ہے علاوہ
یہ خاص خصوصیت تمام کتاب میں موجود ہے کہ ایک محقق کے دل میں
کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے وقت جس ترتیب سے خیالات پیدا ہو سکتے ہیں
اسی ترتیب سے خود انکا ذکر کر کے تسلی بخش بحث کیگئی ہے ؛
اس سے آگے "تمہید" کے زیر عنوان تحقیق حق کے طریق
بیان فرماتے ہوئے نقلی تحقیق کی یہ ترتیب قائم فرمائی ہے کہ اول
قرآن مجید۔ دوسرے سنت تیسرے احادیث۔ چوتھے دیگر کتب
سماوی۔ پانچویں علماء سلف اور اسکے متعلق یہ زرین ہدایت کلیہ بند
کی ہے کہ "جہاں ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم انکے مطابق کسی مدعی
کے دعوی کو پرکھیں اور ان سے باہر نہ جائیں وہاں اس کو بھی ملحوظ رکھنا
یہ ضروری ہے کہ ہم انکے مدارج کو بھی مدنظر رکھیں"۔
اسکے بعد عقلی طریق سے تحقیق کرنیکا مختصر مگر نہایت جامع
اصل بیان کیا ہے اور بالآخر اس بارے میں دعا سے کام لینے کی
خاص تاکید پر تمہید کو ختم فرمایا ہے اسکے آگے مسائل متنازعہ
سے تعلق رکھنے والے اہم مسائل کو بیان فرماتے ہوئے وہ وہ جوہر
دکھائے ہیں اور ساتھ کے ساتھ مخالفین کے اعتراضات کو
اس خوبی سے رد فرمایا ہے کہ بے اختیار مرحبا اور جزاکم اللہ کہنے
کو جی چاہتا ہے۔ ان مسائل کا مختصر ذکر کرنا بھی چونکہ آسان
نہیں اس لئے ہم ان کے صرف عنوان درج ذیل کرتے ہیں:۔
۱۔ نزول و ظہور مسیح و مہدی۔ ۲۔ وفات مسیح ناصری۔ ۳۔ حضرت
مسیح آسمان پر نہیں اٹھائے گئے۔ ۴۔ حقیقت معراج۔ ۵۔ حیات
مسیح کے عقیدہ پر اجماع کبھی نہیں ہوا۔ ۶۔ حیات مسیح کا عقیدہ اسلام
میں کہاں سے آیا۔ ۷۔ عدم رجوع موتی۔ ۸۔ مسیح موعود اسی امت
میں سے تھا۔ ۹۔ نزول کی حقیقت۔ ۱۰۔ ابن مریم کے نام میں حکمت
۱۱۔ مسائل مختلفہ متعلقہ مہدی معہود۔ ۱۲۔ مہدی کا جہاد بالسیف
نہیں کریگا۔ ۱۳۔ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت
پر عقل کے پہلو سے سرسری نظر۔ ۱۴۔ علامات ماثورہ کے متعلق ایک
غلط فہمی کا ازالہ۔ ۱۵۔ مسیح و مہدی کی دس موٹی علامات اور انکی
تشریح۔ ۱۶۔ دجال کی کیفیت۔ ۱۷۔ مسیح موعود کے متعلق پیشگوئیاں۔
۱۸۔ انکا کام۔ ۱۹۔ حضرت مرزا صاحب کا فیصلہ اختلافات امت کے متعلق
۲۰۔ حضرت مرزا صاحب کے ہاتھوں کسر صلیب و قتل خنزیر کا ہونا۔
۲۱۔ مخالف مذاہب کے حملوں کی تردید۔ ۲۲۔ لیکھرام کی نسبت پیشگوئی۔ ۲۳۔ مضمون
مباہلہ لیکھرام۔ ۲۴۔ حضرت صاحب کا اشتہار متعلقہ لیکھرام مع قسم۔ ۲۵۔ حضرت
مرزا صاحب نے کیونکر ایمان کو دوبارہ دنیا میں قائم کیا ہے۔ ۲۶۔ علامات
ماثورہ کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ۔ ۲۷۔ مسیح موعود کی خاص علامتیں
۲۸۔ حضرت مرزا صاحب کا دعوی نبوت۔ ۲۹۔ ختم نبوت کے متعلق ہمارا عقیدہ
۳۰۔ آیت خاتم النبیین کے معنے۔ ۳۱۔ حدیث لا نبی بعدی کے معنے۔ ۳۲۔
حدیث لو کان بعدی نبی لکان عمر۔ ۳۳۔ حدیث لم یبق من النبوۃ
الا المبشرات ۳۴۔ معراج کا دعویٰ غلط ہے ۳۵۔ نبی کیلئے شریعت کا
ضروری نہیں ۳۶۔ ہر نبی کتاب والا نہیں ۳۷۔ نبی کے مطاع ہونے سے
مراد ۳۸۔ قرآن میں سلسلہ نبوت کے جاری ہونیکا ثبوت اور پھر تین
زبردست دلائل ۳۹۔ حدیث میں سلسلہ نبوت کو جاری ہی ثابت کیا ہے۔

الغرض ایک بات ہم اور کہہ دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ
اس کتاب میں انہی مسائل پر حضرت صاحبزادہ صاحب نے قلم اٹھایا
ہے جن پر احمدیہ لٹریچر میں متعدد مرتبہ بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن
ہر بات اور ہر مسئلہ میں خاص شان پیدا کی ہے۔ اور ترتیب
بیان بالکل نئی اور اچھوتی ہے۔

اس لاجواب تصنیف پر ہماری جماعت محترم و مکرم مصنف
کی جسقدر بھی شکرگذار ہو کم ہے۔ اس شکرگذاری کا ایک طریق
تو یہ ہے کہ کتاب کی اشاعت میں بہت کوشش اور
سعی کیجائے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب
کی صحت و عافیت اور درجات میں ترقی کے لئے خاص
دعائیں کی جائیں ؛

یہ ریویو تصنیف ہذا کے پہلے ایڈیشن کو پڑھ کر لکھا گیا تھا مگر حضرت صاحبزادہ صاحب موصوف نے اب اس کے تیسرے ایڈیشن پر نظر ثانی فرماتے ہوئے اسمیں کافی اصلاح
و اضافہ فرمایا ہے کہ جس سے کتاب کو اور بھی چار چاند لگ گئے ہیں پہلے ایڈیشن کے وقت قیمت عہ تھی مگر اب کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ اور حجم سوا تین سو صفحے ہونے پر بھی
عام اشاعت کیخاطر قیمت صرف ۶ آنہ فی نسخہ رکھی گئی ہے اور تین نسخے خریدنے والوں سے ایک روپیہ لیا جائیگا۔ امید ہے کہ اس معرکۃ الآراء و لاجواب
کتاب کی اشاعت میں دوست زیادہ سے زیادہ حصہ لیں گے ؛

ملنے کا پتہ :- کتب خانہ قادیان (پنجاب)